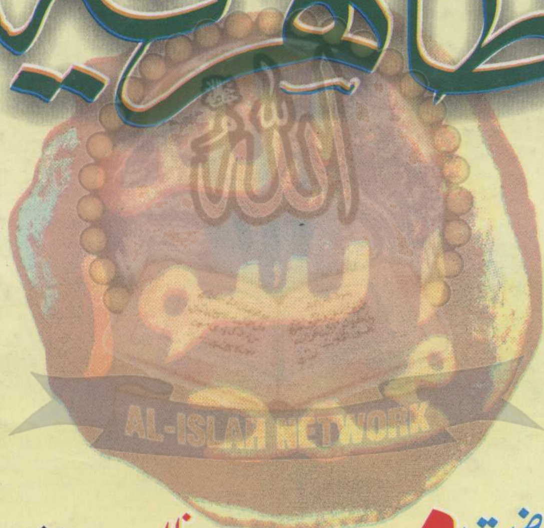
ملوک الکلام

کلام الملوک

خطاباتِ طاہریہ



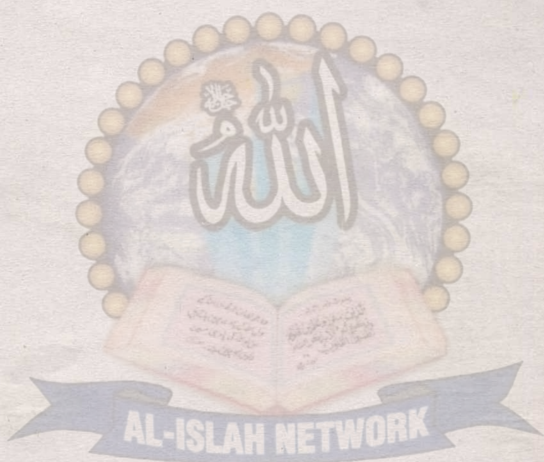
حضرت خواجہ محمد طاہر مدظلہ عباسی بخشی نقشبندی مجددی

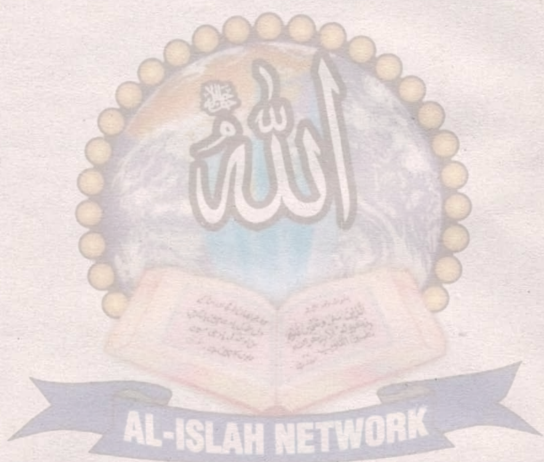
المعروف

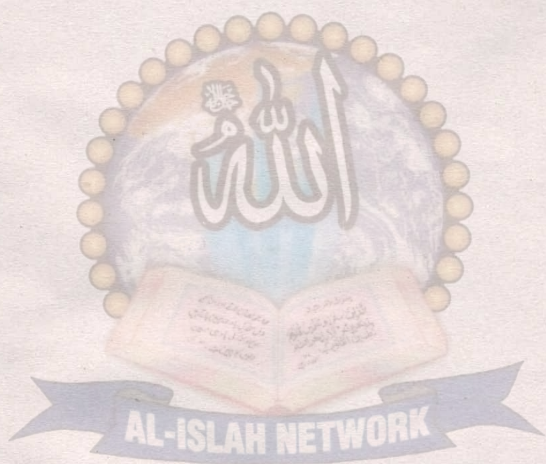
محبوب سجن سائیں

سجادہ نشین :۔ دربار عالیہ اللہ آباد شریف کنڈیارو، ضلع نوشہرہ فیروز

ناشر :۔ ادارۃ المعرفۃ دربار عالیہ اللہ آباد شریف کنڈیارو، ضلع نوشہرہ فیروز


AL-ISLAH NETWORK


AL-ISLAH NETWORK


AL-ISLAH NETWORK


AL-ISLAH NETWORK

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خطابات طاہریہ

موضوع۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خطابات حضرت خواجہ محمد طاہر المعروف محبوب سجن سائیں مدظلہ

مرتب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محمد جمیل عباسی طاہری

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محمد زبیر چنہ طاہری

پرنٹنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عاقب ایڈورٹائزر 0300-4736173

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک ہزار

سن اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مارچ 2007ء

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ادارۃ المعرفۃ درگاہ اللہ آباد شریف کنڈیارو سندھ

ہدیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔150 روپے

ملنے کے پتے

ادارۃ المعرفۃ درگاہ اللہ آباد شریف کنڈیارو

ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ انوار الاسلام الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فاروق امان قریشی طاہری الاصلاح پبلیکیشنز مارکیٹ روڈ دادو

مولانا محمد ابراہیم طاہری مرکز اصلاح المسلمین ٹول پلازہ کراچی

قاری محمد حبیب الرحمٰن طاہری مرکز روح الاسلام بلال ٹاؤن بیدیاں روڈ لاہور کینٹ

فقیر فرقان الحق طاہری درگاہ طاہریہ نصیر آباد پشاور روڈ نزد کوہ نور ملز راولپنڈی

محمد بخش جونیجو طاہری کریم جنرل اسٹور نوڈیرو لاڑکانہ

محمد امجد طاہری مرکز الطاہر جامع مسجد سبحان اللہ چوک غلام محمد آباد فیصل آباد

فہرست



پیش لفظ

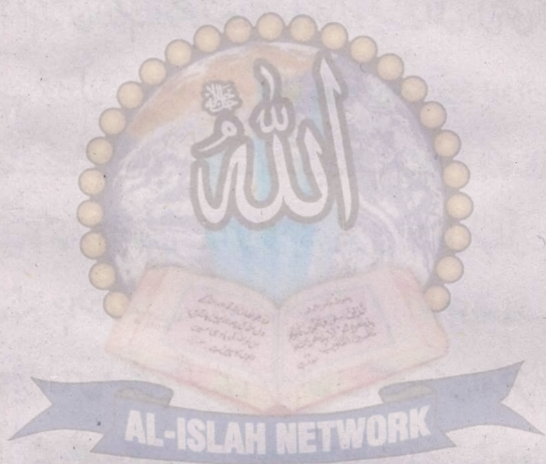
عربی زبان کا معروف مقولہ ہے کلام الملوک ملوک الکلام کہ بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ چونکہ دنیوی حکومت واختیارات بادشاہ وقت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں تو اس کے حکم سے ہی ایسے قوانین عمل میں آتے ہیں جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ لوگ متاثر ہوتے ہیں اور لوگوں کے دنیوی فائدے یا نقصان کا دارومدار بھی اس کے حکم پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے کلام (احکامات) کو انسانوں کے کلاموں کا بادشاہ کہا گیا۔

تو اس مقولے کے تحت اب جبکہ صرف ظاہری جسم پر حکومت کرنے والے بادشاہ (چاہے وہ ظالم وغاصب ہی کیوں نہ ہو) کا کلام کلاموں کا بادشاہ قرار دیا جاتا ہے تو دلوں پر حکومت کرنے والے، مخلوق کو فائدہ پہنچانے اور دنیا وآخرت کے نقصان سے بچانے والی باتوں کی طرف توجہ دلانے والے اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندے کا محبت اور اپنائیت بھرا کلام کیا مقام رکھتا ہوگا اور چونکہ ان کا کلام صرف زبان تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں انسانیت کی اصلاح وفلاح کی خواہش مندان کی دل بھی شامل ہوتی ہے لہٰذا اس کے پراثر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اسی نظریے کے تحت کافی عرصے سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ اس وقت کے عظیم مصلح اور ولی کامل حضرت خواجہ سجن سائیں مدظلہ العالی کے خطابات کو مطبوعہ شکل میں عوام

الناس کے سامنے لایا جائے تا کہ خاص و عام اس سے بہرہ مند ہو سکیں۔ لہٰذا اسی خیال کے تحت یہ بامقصد کام شروع کیا گیا۔ اس کام کے شروع کرنے کی نہ مجھ میں قوت تھی، اور نہ ہی اس کو انجام دینے کی حیثیت۔ مگر یہ سب میرے مرشد و مربی کی نگاہ کرم کا صدقہ ہے کہ مجھ جیسے بے کار کو اس کار کے لائق بنایا۔

ان خطابات کے اندر کیا کچھ پوشیدہ ہے اس کا احاطہ مجھ جیسا بے علم و بے عقل شخص نہیں کر سکتا کیونکہ من آنم کہ من دانم۔ درحقیقت اس کی قدر و قیمت اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں اور بیاں کر سکتے ہیں۔ آپ خود دل کے حضور سے خطابات کا مطالعہ کیجئے اور ان الفاظوں کی معانی و مطالب پر غور کیجئے۔ مجھے یقیں ہے کہ اس کے ذریعے آپ کو فیوض و برکات کا حصول ہوگا۔

آخر میں ان احباب کا تذکرہ جنہوں نے اس کام میں میری رہنمائی فرمائی۔ ان میں جناب مفتی عبدالرحیم صاحب، محترم استاد حبیب الرحمٰن صاحب، محترم ڈاکٹر منور صاحب اور جناب غلام محمد صاحب قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر اگر میں محترم الطاف حسین میمن اور محترم محمد زبیر چنہ کا تذکرہ نہ کروں تو یہ ناانصافی میں شمار ہوگا۔ یہ دونوں دوست از اول تا آخر شب و روز میرے ساتھ مددگار رہے۔ خدا تعالیٰ کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ ان جملہ احباب کو اجر عظیم عطا فرمائے، میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجھے دنیا و آخرت میں مرشد مربی حضور قبلہ عالم سجن سائیں مدظلہ العالی کی رضا و عطا نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔


AL-ISLAH NETWORK

مقصد حیات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلِ الاِنسَانُ عَلیٰ نَفسِہ بَصِیرَۃٌ وَّلَو اَلقیٰ مَعَاذِ یرَہ

صدق اللہ العظیم۔

معزز سامعین آپ سب احباب کو یہاں آنے پر دلی مبارکباد ہو۔ یہاں تک ہم سب کا آنا، جمع ہونا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادے سے ہی ممکن تھا کیونکہ اس دنیا میں، اس جہاں میں ایک ایک پتہ امر الٰہی کا تابع ہے۔ تو اس کے ارادے اور اس کی مرضی سے ہی ہم یہاں پہنچے ہیں، یہاں جمع ہوئے ہیں۔

دوستو ہمیں ہمیشہ اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ انسان ہونے کے ناتے ہماری خصوصیات کیا ہیں؟ ذمیداریاں کیا ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کو کیوں تخلیق فرمایا

ہے؟ جس طرح کہ اہل تصوف اپنی کتابوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی محبت کی تلقین کرتے ہیں اور دوسری بات جس پر وہ تحقیق کرتے ہیں وہ ماسوی اللہ ہے۔ یعنی ایک اللہ دوسرا ماسوی اللہ۔ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ماسوی اللہ میں آجاتا ہے۔ انسان بھی اس میں شامل ہے، جانور بھی اس میں شامل ہیں، درند پرند، جمادات، نباتات، درخت، کھیتیاں سب چیزیں اس میں شامل ہو جاتی ہیں لیکن ان سب موجودات میں سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خصوصیت عطا فرمائی کیونکہ حدیث مبارکہ کا مضمون ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پسند فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں۔ دوستو کسی کو پہچاننے کے لیے ایک پہچاننے والا چاہیے۔ بغیر پہچاننے والے کے کسی کو پہچان نہیں ملتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اپنے لیے میں پہچانا جاؤں۔ تو علم الٰہی میں وہ کون سی مخلوق تھی جس کو یہ اعزاز ملا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اپنے آپ کو جمادات کے ذریعے بھی پہچانوا سکتا تھا، دیگر مخلوقات کے ذریعے، فرشتوں کے ذریعے لیکن علم الٰہی میں جس شے کا تعین ہو چکا تھا، جس شکل کو جس صورت میں منتخب کر لیا گیا تھا۔ وہ خوش قسمتی سے انسان کی صورت تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں اور مجھے پہچاننے والا کوئی اور نہیں، فرشتے نہیں، حیوانات نہیں، جمادات نہیں، نباتات نہیں، جنات یا اس کے علاوہ دیگر بے شمار چیزیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پسند کیا کہ مجھے پہچاننے والا انسان ہونا چاہیے۔ تو انسان کی تخلیق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اسکو بے شمار صلاحیتوں سے نوازا۔ ذرا اپنے وجود پر غور کرو خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو اپنی آنکھوں کو کہ میں نے تیری آنکھوں کو کس طرح بنا دیا ہے جس سے تو چیزوں کو دیکھ رہا ہے۔ دیکھو اپنے چہرے کو کتنا اس کو حسین بنا دیا گیا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

اس چہرے میں کتنی ساری چیزیں آجاتی ہیں جس کو ہم ہر وقت استعمال

کرتے رہتے ہیں۔ آنکھیں ہیں، کان ہیں، ناک ہے، زبان ہے پھر سوچنے کے لیے دماغ ہے اوراس چھوٹے سے چہرے سے ایسے ایسے کام ہم کر رہے ہوتے ہیں جو بے مثال ہیں۔ لاجواب ہیں جو کہ بغیر اس صلاحیت کے جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی یہ آنکھ، اس کے بغیر تم کسی اور ذریعے سے جہاں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے انسان کے لیے اس زمانے میں بے شمار کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ بظاہر تو اُن چیزوں کو بنانے کا ذریعہ ہم انسان بنتے ہیں۔ ایک پر تکلف، خوش ذائقہ طعام تیار ہو گیا، مگر کتنی چیزیں اس میں ڈالی گئیں ہونگی یہ آپ خود سوچیں۔ اس میں کچھ گھی بھی ہوگا، اس میں پیاز ڈالی گئی ہوگی، اس میں گوشت ڈالا گیا ہوگا، اس میں مصالحہ ہونگے بیسوں قسم کے۔ یہ سب چیزیں اللہ نے اس زمین میں، اس کائنات میں بکھیر دیں۔ پہاڑوں میں بکھیر دیں تھیں، سمندروں میں بکھیر دیں تھیں، جنگلوں میں بکھیر دیں تھیں۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہے، یہ اس کا علم ہے، یہ اس کی طاقت ہے اور پھر ایک ایسے انسان کو تخلیق کیا جس کے بارے میں اللہ نے چاہا کہ یہ میری ان سب تخلیق شدہ اشیا کو ڈھونڈ نکالے جو میں نے پھیلا دی ہیں اس پوری کائنات میں۔ چیزیں بکھری ہوئی ہیں، کوئی اور ان کی حقیقت کو نہیں جان سکے گا۔ یہ ایک انسان ہے جو پہاڑوں پر بھی چڑھے گا اور کھوج نکالے گا ان چیزوں کو، جو انسانیت کے لیے فائدہ مند ہیں۔ یہ انسان سمندروں میں چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیات قرآنی کا ترجمہ ہے کیا میں نے اس سمندر کو تمہارے حکم کا تابع نہیں بنایا۔ وہ سمندروں میں گھس جائے گا اور وہاں سے ان فائدہ مند چیزوں کو ڈھونڈ نکالے گا اور وہ فضاؤں میں اڑنا شروع کر دیگا۔ تحقیق کے دروازے وہ وہاں بھی کھول کر رکھدے گا۔ تو یہ چیزیں مختلف جگہوں میں پھیلانے والا اللہ تعالیٰ تھا اور چونکہ اس کا خلیفہ، نائب انسان ہے تو وہ ایک، دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں اتنی ساری چیزوں کو وہ ڈھونڈ نکال کر ایک خوبصورت چیز بنانے والا انسان ہے۔ خدا کے

حکم سے، اس کی مشیت سے، اس کے ارادے سے۔ اے انسان تو کتنا خوش قسمت ہے، تو کتنا بخت والا ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حکم کا تابع بنادیا ہے۔ ذرا نظر اٹھا کر ان جانوروں کو دیکھو جو ریوڑوں کی صورت میں تمہارے آگے آگے پھرتے رہتے ہیں، تم سے مانوس ہوجاتے ہیں، تمہیں اپنا مالک مان لیتے ہیں۔ بکریوں کو دیکھو، بھیڑوں کو دیکھو، وہ ادھر ادھر بھاگتی پھرتی ہیں۔ بھینسوں کو دیکھو صبح کو نکل جاتی ہیں جنگلوں میں اور گھاس کھاتی پھرتی ہیں۔ یہ کیوں گھاس کھاتی پھرتی ہیں؟ اللہ نے ان کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ خوب گھاس کھاؤ تاکہ اس گھاس کے ذریعے تمہارا خون پیدا کروں اور اس خون کو دودھ کی صورت میں تمہارے تھنوں سے باہر نکالوں تاکہ میرا نائب، خلیفہ انسان اس کو استعمال کرے۔ ایسے نظر آرہا ہے کہ جانور اپنے جسموں کو سنبھال رہے ہیں، اپنے جسموں کو بڑھا رہے ہیں، اپنے جسموں کو غذا دے رہے ہیں اس لیے کہ انسان ہم سے فائدہ لے۔ اے انسان، ہمیں کیا ہوگیا ہے۔ اتنا بڑا عقل ہے، اتنی بڑی فہم ہے، اتنا بڑا علم ہے، اتنا اپنے آپ کو پالتے ہیں، پوستے ہیں۔ کس لیے پالتے پوستے ہیں کہ اوروں کے لیے آزار کا سبب بنیں؟ اوروں کے لیے تکلیف کا سبب بنیں؟ اوروں کے لیے ظلم کا سبب بنیں؟

اے انسان اس مرحلے پر آکر اللہ فرماتا ہے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۔

اس کمبخت انسان کی مت ماری گئی۔ ہم نے تو اسے بلندیوں پر پہنچانا تھا۔ اس بے وقوف نے اپنے آپ کو پستیوں میں گرادیا۔ جانوروں سے بھی بدتر ہوگیا ہے۔ جانور بھی اپنے آپ کو سنبھال رہے ہیں، اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں، غذا تلاش کررہے ہیں کیونکہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ کتنے بے لوث ہیں یہ جانور، کتنی بے لوث ہیں یہ بکریاں، کتنی بے لوث ہیں یہ گائیں، کتنی بے لوث ہیں یہ بھینسیں۔ جن کی ایک ایک چیز سے ہم فائدہ حاصل کرلیتے ہیں اور وہ اف تک نہیں کہتیں۔ ان کے چمڑے کو دیکھیں، ان کے گوشت کو دیکھیں، ان

کے دودھ کو دیکھیں' ایک ایک چیز کو اور کتنا نادان ہے انسان کہ اپنے اتنے حسین وجود کو پالتا پوستا ہے کسی کو فائدہ پہچانے کے لیے نہیں کسی کو آزار پہنچانے کے لیے۔ اس کی اس صفت کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے اُولٰئِکَ کَالانعام ۔ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔

ایک بزرگ کہتا ہے' کیا خوبصورت بات اس نے فرمائی ہے۔ اے مچھلی کا شکار کرنے والے مچھلی کے شکاری جب تم اپنے بڑے سے جال کو سمندر میں پھینکتے ہو اور اس جال کو سمندر کی موجوں میں کھینچتے ہو کشتی کے ذریعے' لانچ کے ذریعے یا کسی جہاز کے ذریعے۔ تو دور سے مچھلی بھی تیرتی ہوئی آتی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہارے جال کے آگے بھی تیر سکتی ہے لیکن کیا قدرت کا ایک نظام ہے۔ وہ مچھلی تمہارے جال کے مخالف سمت میں سامنے سے آنے کی کوشش کرتی ہے اور سیدھی جال میں پھنس جاتی ہے اور تم اس کو پکڑ کر اپنے گھر میں لے آتے ہو اور دعویٰ کرتے ہو میں نے شکار کیا۔ اے بے وقوف تم یہ نہیں سوچتے مچھلی نے اپنے آپ کو تمہارے اوپر فدا کر دیا ہے۔ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہتی تھی' مچھلی چاہتی تھی اس انسان کا پیٹ بھلے مجھ سے بھر جائے' اس کی ضرورت پوری ہو جائے' اس کی اشتہا پوری ہو جائے اور تم کہتے ہو کہ میں اتنا سیانا شکاری تھا کہ اتنی مچھلیاں میں نے پکڑ لیں۔ ہم اور تم اللہ کی کائنات کے نظام کو سمجھتے کب ہیں؟ غور کب کرتے ہیں؟ فکر کب کرتے ہیں؟ ہم تو اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہوئے ہیں کہ ہم جیسا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ تو دوستو ہم اپنے کردار اور عمل پر غور کریں کہ کائنات میں جتنی چیزیں پیدا کر دی گئیں ہیں وہ اپنے کام سے لگی ہوئی ہیں۔ میں نے بہت سی مثالیں آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ وہ اب اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں جو اللہ نے ان کے ذمہ لگا کر رکھی ہوتی ہیں لیکن اے انسان جو تمہاری ذمہ داری لگائی گئی تھی کہ اللہ کو پہچانو اس سے تم مکر گئے' اس سے تم

غافل ہو گئے۔ میں نہیں کہتا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

ہم نے انسان اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا کہ عبادت کریں یعنی میری پہچان حاصل کریں۔ اس پہچان کو حاصل کرنے کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ جستجو ہمیں اپنے دل میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ علم حاصل کرنے کی ہمیں ضرورت ہے۔ تب ہم انسانیت کے نام کے قابل بن سکیں گے۔ تب ہم انسان کہلوانے کے قابل بن سکیں گے۔

دوستو یہ زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت ہی حسین اور خوبصورت ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اس کو استعمال کرنے کا بھی تم کو اختیار دے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی کے لیے ہدایت بھی دیتا ہے، توفیق بھی دیتا ہے جیسے اتنے سارے ہم بے شمار لوگ آج یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پہلی بات یہ کہی تھی اللہ نے چاہا اس وجہ سے ہم یہاں پہنچے ہیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یاد آتا ہے۔ ان کے اشعار کو خوش الحانی سے پڑھنے کا طریقہ مجھے تو نہیں ہے ورنہ اس کا مزہ بھی کچھ اور ہوتا ہے تو میں مفہوم بتاتا ہوں۔ ایک آقا صبح سویرے گھر سے نکلا۔ آقا کیوں تھا؟ اس لیے کہ ساتھ غلام تھا، اس وجہ سے وہ آقا تھا۔ غلام نوکری کے لیے اپنے ساتھ رکھے جاتے تھے، خریدے جاتے تھے۔ آقا نے اپنے غلام کو نہانے کا سارا سامان دے دیا تھا کہ میں حمام کی طرف جا رہا ہوں تو بھی میرے ساتھ حمام کی طرف جائے گا اور میں نہاؤں گا اور تو میری مدد کرے گا۔ جب جانے لگے تو اچانک مسجد سے آذان کی آواز بلند ہوئی تو اس غلام نے اپنے آقا سے کہا اگر آپ چند لمحے اجازت دیں تو میں اس مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھوں۔ آقا نے کہا ٹھیک ہے تم پڑھ لو اور وہ باہر کھڑا ہو گیا۔ غلام جب اندر نماز پڑھنے گیا اس کو کافی ٹائم گذر گیا۔ انتظار کرنے کے بعد آقا نے باہر سے آواز لگائی

اس کا نام لے کر ''او فلاں تم باہر کیوں نہیں آتے' وہ کون ہے جس نے مسجد کے اندر تیرے پاؤں باندھ دیے ہیں؟'' تو اس نے اندر سے جواب دیا' اس نے کہا ''اس نے میرے پاؤں مسجد کے اندر باندھ دیے ہیں جس نے تیرے پاؤں مسجد کے باہر باندھ دیے ہیں''۔ سوچنے کی بات ہے' دماغ کو استعمال کرنے کی بات ہے یعنی اللہ نے میرے لیے پسند کیا ہے کہ میں مسجد میں پہنچ کر اس کے فرض کو ادا کروں' اس کی عبادت کروں اور تیرے لیے یہ ہے کہ تم باہر کھڑے ہو اور نماز تمہیں نصیب نہیں ہے۔ تو میرے دوستو! اس مہربان' شفیق مولا نے ہمارے پاؤں اس محفل میں باندھ دیے ہیں۔ ہم یہاں بیٹھ گئے اور بھی بے شمار لوگ ایسے ہونگے جنہوں نے ارادے کیے ہونگے لیکن وہ نہیں آسکے۔ ان کے پاؤں کہیں اور باندھ دیے گئے۔ اچھی جگہ بھی ہوسکتی ہے اچھی جگہ نہیں بھی ہوسکتی ہے۔ اس نے ہمیں یہاں پہنچنے کی توفیق دی اور ہمارے پاؤں اس محفل میں ان نیک لوگوں کے ساتھ باندھ دیے ہیں۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت ہی بڑا انعام ہے۔ اس کی بہت ہی بڑی مہربانی اور اس کی شفقت ہے۔ اب بات آجاتی ہے انسان کی اس پیدائش اور تخلیق پر۔ میں نے پہلے بات کیا کہی تھی کہ انسان کو اللہ نے اس لیے تخلیق کیا کہ وہ اللہ کو پہچانے۔ اب انسان نے جتنی چیزیں اللہ سے مستعار لی ہیں ان کا بھی میں نے ذکر کیا۔ آنکھیں' زبان' کان' ہاتھ' پاؤں اور ان کو استعمال کرتا ہے۔ کسی کو آپ نے اس طرح نہیں دیکھا ہوگا کہ اس کے پاس سلامت ہاتھ ہو اور وہ ان کو استعمال نہ کرتا ہو۔ اسکے پاس ماشاء اللہ اللہ کی دی ہوئی نعمت آنکھیں ہوں اور وہ ان آنکھوں پر پٹی باندھ کر گھومے۔ کسی کو اس طرح نہیں کرتے ہوئے دیکھا ہوگا اگر دیکھیں گے تو آپ کہیں گے یہ پاگل ہے۔ تو دوستو جسم تو ظاہری ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے اور ہم اپنے ارادے سے کام کرتے پھرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان تم بڑے بہانے بناتے ہو لیکن یاد رکھو بَلِ الْاِنْسَان

عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَہ۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان خود اپنے اوپر گواہ ہے۔ کس طرف اشارہ دیا جا رہا ہے؟ اس طرف اشارہ دیا جا رہا ہے کہ اس کے اندر ایک ایسی سوچ رکھی ہے کہ وہ اچھے برے کو جان لیتا ہے کہ یہ درست ہے' یہ غلط ہے۔ یہ گناہ ہے یا ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر ایک کے اندر ہم نے یہ احساس باطنی جسے قلب کہا جائے یا حس کہا جائے ہر انسان کے اندر ہم نے رکھ دی ہے کہ وہ سمجھ لیتا ہے یہ غلط ہے' یہ درست ہے۔ چلے جائیں اس واقعے کی طرف حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو صاحبزادے ہابیل اور قابیل ان میں سے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا۔ تو قابیل اس کام کرنے کے بعد حرکت کیا کر رہا تھا؟ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب میں اس کو کیا کروں؟ کیوں سوچ میں پڑ گیا کیونکہ اس کو پتا تھا میں نے غلط کام کیا ہے۔ اس سوچ میں مشغول و پریشان کھڑا ہوا تھا کہ دو کوے آئے۔ ایک نے دوسرے کوے سے لڑائی کی' ان کی آپس میں لڑائی ہوئی پھر ایک نے دوسرے کو مار دیا اور کوے نے زمین کھودنا شروع کر دی اور مرے ہوئے کوے پر مٹی ڈال کر دبانا شروع کر دی تو قابیل کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس نے اپنے مرحوم بھائی کے لیے بھی قبر کھودی اور اس کو دفن کر دیا۔ کیوں دفن کیا؟ اس لیے دفن کیا کہ وہ لوگوں سے چھپانا چاہتا تھا اور اس لیے چھپانا چاہتا تھا اس کا دل' اندر میں اس کا احساس اس کو بار بار کہہ رہا تھا کہ تو نے غلط کام کیا ہے' غلط کیا ہے۔ اب ہم اور آپ اپنے حال پر آ جائیں۔ بے شمار مرتبہ ہم کام کرتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے لیکن اندر جو ایک حس' ایک احساس' ایک ضمیر اللہ نے رکھا ہے وہ بار بار ہمیں ٹوکتا رہتا ہے کہ غلط کر رہے ہو' غلط کر رہے ہو لیکن قابیل کی طرح ہم اس آواز پر دھیان نہیں دیتے۔ ہم کوشش کیا کرتے ہیں کہ قابیل کی طرح لوگوں سے چھپا لیں

اور جو ہماری اچھی عادات ہوتی ہیں ان کو لوگوں کے سامنے نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ان اچھی عادتوں کی وجہ سے لوگ ہماری تعریفیں کریں۔ دوستو اس طرح ہم اپنے ضمیر کو یہ بات سنوانا چاہتے ہیں لوگوں کے زبان سے کہ بھئی یہ حاجی صاحب بڑا اچھا ہے۔ چودھری صاحب بڑا نیک انسان ہے۔ اس نے یتیم کو یہ دے دیا۔ اس نے غریب کو وہ دے دیا۔ اس نے یہ سخاوت کر دی۔ اب ہم کس لیے یہ حرکت کرتے ہیں؟ ہمارا اندر والا مفتی جو بار بار ہمیں تنگ کرتا ہے وہ اتنی ساری گواہیاں سن لے کہ اتنے سارے لوگ کہہ رہے ہیں تم اچھے ہو، تم اچھے ہو۔ اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے جو اندر بیٹھا ہے اور وہ کہہ رہا ہے تم خراب ہو، تم خراب ہو۔ تو اس کی آواز پر بہت سارے لوگوں کی آوازیں غالب کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اس کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھائی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایک ایسا ہی احساس ہے، ایسا ہی عضو ہے جیسا کہ کوئی اپنی آنکھ نکالے۔ کوئی پسند کرے گا؟ اپنا ہاتھ کاٹے کوئی پسند کرے گا؟ اپنا پاؤں کاٹے کوئی پسند کرے گا؟ اپنا کان کاٹے کبھی بھی پسند نہیں کرے گا کیونکہ اس کو پتہ ہے یہ کان میرے لیے کتنا فائدہ مند ہے۔ ہاتھ میرے لیے کتنا فائدہ مند ہے۔ آنکھ میرے لیے کتنی فائدہ مند ہے۔ تو دوستو یہ احساس بھی اسی طرح اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ضمیر، یہ دل بہت بڑی نعمت ہے۔ لوگوں کے سامنے معتبر بننے کی کوشش مت کرو۔ اپنے اندر والی آواز کے سامنے معتبر بن کے دکھاؤ۔ وہ گواہی دے تم ٹھیک ہو تو بات بنے گی۔

میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے ہدایت فرمائیں، مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اس کو نصیحت کے کلمات ارشاد فرمائے نماز کے لیے کہا، احکامات بیان کیے، حلال و حرام کی بارے میں تلقین فرمائی۔ مگر میں پھر اس پہلی بات کی طرف لوٹتا ہوں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے

کہ ان بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرو۔ یہ بلب ہمارے سامنے جل رہا ہے۔ یہ شیشہ جو اس کے اوپر ہے جو اس کی روشنی کو پھیلا رہا ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ تو پھر اس کے اندر بجلی پائی گئی وہ کہاں سے آئی؟ اس کے لیے جو تار لگی ہوئی ہے جس کے ذریعے کرنٹ اس کے پاس آ رہا ہے یہ کہاں بکھری ہوئی ہوگی؟ اور کسی سائنسدان، عقل مند انسان نے ہم پر احسان کیا۔ اس چیز کو جو مخفی تھی اس کائنات میں اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر، بہت ساری چیزوں کو ملا جلا کر ایک تار بنا دی اور اس طرح بلب بن گیا۔ کتنی ساری چیزوں کا یہ مجموعہ ہے۔ تو یہ اس کی محنت اور کوشش کا ثمر ہے جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ تو دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ احساس جو ہمارے اندر میں ہے وہ ایک بڑی نعمت ہے۔ اس کے سامنے ہم اپنے آپ کو صحیح ثابت کر سکیں تو یہ بڑی کامیابی ہوگی تو پھر میں واقعہ عرض کر رہا تھا اعرابی کا۔ حضور ﷺ نے اس کو ساری ہدایات دیں۔ حلال اور حرام کی باتیں کہہ دیں۔ آپ اور ہم ڈر جاتے ہیں بھائی شریعت بڑی مصیبت ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ نہیں دوستو شریعت تو بڑی نعمت ہے۔ وہ احکام جو اللہ نے اپنے حبیب پر نازل فرمائے ہیں آپ اس کو پڑھ کر تو دیکھیں۔ ان کو سمجھنے کی کوشش تو کریں۔ بے شمار چیزیں اس میں اللہ تعالیٰ نے ہم اور آپ کے لیے مباح اور حلال قرار دی ہیں۔ بے شمار چیزیں۔ اگر ان میں سے کچھ چیزیں ممنوع قرار دی ہیں تو وہ محدود ہیں۔ وہ تھوڑی ہیں اور ان کی وضاحت کر دی، ان کے نام لے لے کر بتا دیا کہ چوری بھی نہ کرو، ڈاکہ بھی نہ ڈالو، مال غصب بھی نہ کرو، جھوٹ بھی مت بولو۔ ایک ایک چیز کا نام لے کر ان چیزوں کو متعین کیا اور کچھ چیزوں کے لیے تعین نہیں کیا، ان کے لیے کھلا ہوا میدان چھوڑ دیا۔ کچھ چیزوں سے کیوں ان کو منع کیا گیا؟ اس لیے کہ انسانی فطرت کے لیے وہ چیزیں ناپسندیدہ ہیں۔ اس لیے منع کیا جھوٹ بولنے سے۔ کسی بھی مذہب کا آدمی ہو، کہاں کا بھی رہنے والا ہو، وہ یہی کہے گا کہ جھوٹ بولنا بالکل ہی صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منع کیا

وعدہ خلافی سے۔کوئی بھی شخص ہو،مشرق کا ہو یا مغرب کا ہو، گورا ہو یا کالا ہو وہ کہے گا وعدہ خلافی بالکل ٹھیک نہیں۔تو دوستو یہ تعلیمات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ بار بار دے رہا ہے اور ہم سن رہے ہیں لیکن کتنے ہیں ہم میں سے یہاں بیٹھے ہوئے لوگ جو اپنا وعدہ وفا کرتے ہوں؟ ابھی میں گذشتہ دنوں اخبار میں پڑھ رہا تھا کہ جاپان کے لوگوں کے متعلق سروے کیا گیا کہ یہ لوگ کتنے ایماندار ہیں۔ایک سروے ٹیم بنائی گئی اس نے بٹوے جس میں پیسے تھے مختلف جگہوں میں گرادیے۔وہ اپنی قوم کو جانچنا چاہتے تھے کہ ایماندار کتنی ہے۔تو جاپان ایک وسیع ملک ہے اور اس کے سینکڑوں شہر ہونگے تو بٹوں میں رقم تھی اور بے شمار جگہوں پر اسٹیشن، بس اسٹینڈ، ہاسپٹل، ڈاکخانہ، روڈ راستے، ٹائکیٹ ان جگہوں پر انہوں نے پھینک دیے۔جب تجزیہ کیا گیا تو ان میں سے نوے فی صد بٹوے واپس آ گئے۔لوگوں نے وہاں سے اٹھائے اور جو پتہ لکھا ہوا تھا اس جگہ پہنچادیا۔یہ تناسب کم وبیش نوے فی صد سے تو اوپر ہی تھا۔دوستو یہ ایک قوم ہے۔جاپان میں رہنے والے لوگ ہیں۔یہ ان کی ایمان داری کی بات ہے۔ہم اور آپ ہم سب اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر سوچیں ہم کتنے پانی میں ہیں؟ ہم ہوا میں دس فیٹ اچھلتے ہیں کہ ہم بڑے پاکباز ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں لیکن جو بڑوں کی عادات ہیں وہ ہمارے اندر ہیں ہی نہیں۔

تو دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ اس اعرابی کو ساری تعلیمات بتائی گئیں اور جب جانے لگا تو عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کوئی ایسی بات ہو جو میرے سامنے آ جائے اور اس کا جواب ان تعلیمات میں جو آپ ﷺ نے ابھی مجھے دی اس میں نہ پاؤں تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا استفتا بقلبک۔کہیں بھاگنے دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔اپنے دل سے پوچھ لینا لیکن دل کی آواز کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔تمہارا جو دل کہے گا وہی صحیح ہوگا۔اس سے کیا ہمیں تعلیمات دی جا رہی ہیں؟ کیا سمجھایا جا رہا ہے؟ یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ

قرآن مجید کی تعلیمات کا جو خلاصہ ہے وہ اس ضمیر کے ذہن میں ڈال دیا گیا ہے۔ وہ ضمیر بھی کہتا ہے کہ ٹھیک ہے کوئی ایسی بات نہیں یعنی کہ صرف مسلمانوں کے متعلق نہیں بلکہ پوری انسانیت کا ضمیر بھی تسلیم کرے گا کہ ہاں واقعی یہ صحیح ہے۔ اس لیے تو حضور ﷺ نے فرمایا کسی اور سے مت پوچھنا اپنے دل سے پوچھنا۔ جو تجھے بتائے، جو کہے، جو تمہیں آواز آئے اس پر عمل کرنا۔ اور ہمیں یہ توفیق ہی نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کے پاس جائیں، اس سے پوچھیں۔ پوچھیں گے مگر پھر بھی یقین نہیں آئے گا۔ وہ جس طرح کہتے ہیں کہ ایک شخص تھا جو شک میں مبتلا تھا وہ پیش امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔ یقین کی اس میں کمی تھی تو نماز کے لیے نیت احناف کے نزدیک دل کی ہی کافی ہوتی ہے لیکن وہ زور زور سے کہہ رہا تھا "میں نے نماز کی نیت کی" بار بار کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "پیچھے اس امام کے" مگر دل نے اس کی بات نہیں مانی یعنی وہ شک میں پھنسا ہوا تھا۔ امام سامنے کھڑا ہے بات ختم مگر نہیں۔ پھر اس نے آنکھ کے اشارے سے کہا "اس امام کے پیچھے"۔ پھر بات نہیں بنی۔ ابھی بھی یقین نہیں ہے۔ پھر وہ آگے بڑھا اور پیش امام کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگا "اس امام کے پیچھے" اب جا کے اس کو اطمینان ہوا۔ تو دوستو ہم بھی اس طرح گومگو کی صورت حال سے دوچار رہتے ہیں۔ اس سے پوچھیں گے، اس سے پوچھیں گے کہ شاید وہ بات، وہ جواب جو میں نے جو سوچ رکھا ہے۔ جو میرا نفس کہتا ہے۔ وہ جواب ملے تو پھر وہ مولوی صحیح ہے۔ وہ تو غلط ہے۔ یہ ہمارے نفس کی شرارت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے بات واضح کر دی کہ اپنے دل سے پوچھو۔ وہ دل، وہ ضمیر تمہیں بتا دے گا کہ یہ صحیح ہے یا یہ غلط ہے۔

تو دوستو جو آیت کریمہ میں تلاوت کر رہا ہوں وہ بھی اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ انسان خود اپنے نفس پر گواہ ہے۔ اس کو اپنے کچے چٹھے کا پورا پتہ ہے۔ اس کو سب خبر ہے کہ صحیح ہے یا غلط ہے لیکن وہ کرتا کیا ہے وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ

بہانے بناتا ہے۔ بڑی چالاکی دکھاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ انسان بڑے بہانہ بناتا ہے حالانکہ جانتا ہے اس کا نفس۔ اسکو خبر ہے لیکن بڑے بہانے بناتا ہے۔

دوستو اللہ تعالیٰ نے اتنی نعمتوں سے نوازا ہے، اتنی مہربانیوں سے نوازا ہے، ہم کیوں اس طرح گمراہی، ذلت اور رسوائی سے دوچار ہیں۔ ماشاء اللہ اتنا عقل، اتنی سمجھ، اتنا علم آپ سب کو اللہ نے دیا ہے۔ استعمال تو کریں دوستو استعمال تو کریں۔ کسی کے گھر میں خزانے پڑے ہوں۔ اس کے گھر میں دس لاکھ پڑے ہوں اور وہ بیچارہ دھکے کھا رہا ہو ایک روپے کے لیے روڈوں پر تو وہ بیوقوف نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ ہمارا حال بھی یہی ہے۔ ایمان کی دولت بھی اللہ نے ہمیں بخشی اور نفس چوں کہ ہمارا سرکش ہے لہذا اس کو سمجھانے کے لیے اندر احساس باطنی بھی اللہ نے رکھدیا ہے۔ ہدایت ہمارے سامنے واضح کردی۔ نبی بھی بھیج دیے لیکن ابھی تک ہم سمجھے نہیں۔ پتہ نہیں کہ اب اور کیا چیز آئے گی جس کا ہم انتظار کررہے ہیں۔ نکل آؤ اس گومگو کی کیفیت سے۔ یقین اپنے دل میں پیدا کرو۔ اعتماد اپنے اندر پیدا کرو۔ یکسوئی اپنے اندر پیدا کرو اور اپنے دل کی آواز سنو۔ آپ نے دیکھا ہوگا آپ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میری آنکھیں کمزور ہوگئی ہیں کوئی دوائی ایسی دے دو میری آنکھ کی نظر مزید تیز ہوجائے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ ہاں فلاں چیز۔ دوسرا جاتا ہے ڈاکٹر صاحب میرے دانت کمزور ہوگئے ہیں کوئی مجھے دوائی دے دو کہ میرے دانت بہتر ہوجائیں۔ بھئی یہ نسخہ لے لو۔ تیسرا کہتا ہے میرا دماغ کمزور ہوگیا ہے ڈاکٹر اس کو دوائی دے دیتا ہے۔ ہم اور آپ نے سوچا ہے کہ ہمارا دل کمزور ہوگیا ہے۔

یا مریض الباطن علیک بالدواء

لایکون ھذہ الدواء الا عند الصالحین

اے باطن کے مریض واجب ہے تم پر اپنے دل کا علاج۔ اور کہیں نہیں ملے گا یہ علاج،

کہیں نہیں ملے گا صالحین کی صحبت کے سوا۔غوث اعظم نے یہ حکم اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ قرآن مجید کا حکم ہے یَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّـٰدِقِينَ۔

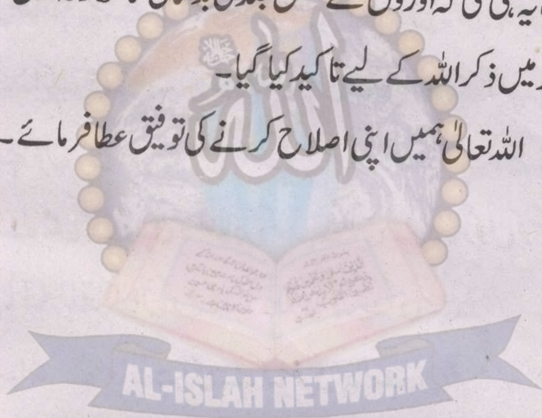
اے ایمان والو سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ان کے ساتھ رہو۔پھر میں پہلی والی بات دوبارہ دہراتا ہوں کیونکہ میرا موضوع یہی ہے اس لیے دہراتا ہوں۔جب ہم غلط کام کر رہے ہوتے ہیں ہمارے اندر سے آواز آ رہی ہوتی ہے نہیں کرو نہیں کرو۔درست نہیں ہے۔ صحیح نہیں ہے۔نہیں سنتے ہم لیکن وہی کام جو ہم چھپ کر کر چکے ہیں کوئی ہمارے سامنے، سب لوگوں کے سامنے کرے۔انگلی اس پر سیدھی کریں گے کہ وہ دیکھو یہ کر رہا ہے۔یہ ایسا ہے۔یہ ویسا ہے۔یہ دیکھو اپنا دوغلا پن۔حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ طریقہ نقشبندیہ کے پیشوا ہیں۔وہ اپنے خادم کے ساتھ حرمین کی زیارت کے لیے گئے۔جب وہ مکہ مکرمہ یا مدینہ عالیہ میں پہنچے تو لوگوں نے سنا عارف بایزید آ گئے تو لوگ ٹوٹ پڑے ہر ایک شخص آگے بڑھ رہا ہے۔کتنے وہ کھرے لوگ تھے۔ہمیں اپنے حال پہ شرم آتی ہے۔ہم تو گندگی کا ڈھیر ہیں۔لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔اے عارف ادھر آ جاؤ، حضرت ادھر آ جاؤ میری دعوت پر۔وہ مہینہ رمضان کا تھا۔کتنے عجیب ان کے اسرار تھے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کاملین کی صحبت میں جاؤ تو ان کی باتوں پر اعتراض مت کرو۔ان کے ہاں نظام ذرا نرم ہوتا ہے۔مولویوں کی طرح کڑک نہیں ہوتے کہ ہر ایک چیز پر ٹوک دیں۔لوگوں کے لیے تھوڑی خلاصگی رکھتے ہیں۔تھوڑی آسانی رکھتے ہیں اور پھر جیسے جیسے صحبت میں آگے بڑھتے ہیں تو ان پر وزن بڑھاتے جاتے ہیں۔ان کو سکھاتے جاتے ہیں، ان کو تلقین کرتے جاتے ہیں، احکامات پر عمل کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں لیکن شروع میں لوگ آتے ہیں تو تھوڑا ماحول ڈھیلا ڈھالا رکھتے ہیں۔لوگ اس سے بددل ہو جاتے ہیں یہ کیوں ہوا؟

وہ کیوں ہوا؟ یہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ بھائی فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ وہ تمہیں انجکشن چبھو دے تم اس سے لڑ پڑو کہ بھائی یہ کیا کر رہے ہو؟ وہ کہے گا تمہیں کیا پتہ ہے مجھے پتہ ہے۔ تو بایزید بسطامی پر لوگ ٹوٹ پڑے اور وہ پریشان ہو گئے کہ اب ہم کیا کریں۔ حرمین شریفین کی زیارت کریں گے یا ان لوگوں سے ملیں گے۔ تو انہوں نے کیا کیا رمضان کا مہینہ تھا جیب سے روٹی نکالی اور بھری بازار میں کھانی شروع کر دی۔ لوگوں نے کہا کہ بھائی ہم اس کو عارف سمجھتے تھے، بایزید کو ہم بڑا ولی سمجھتے تھے مگر یہ بازار میں کھا رہا ہے۔ سب بھیڑ بھاڑ بالکل ہی ختم ہو گئی۔ کوئی اِدھر بھاگا، کوئی اُدھر بھاگا سب بھاگ گئے۔ ایک ہی جو آپ کا خادم تھا وہ ان کے ساتھ تھا۔ آپ نے کہا دیکھو، وہ الفاظ مجھے یاد نہیں آ رہے ہیں میں دوبارہ اس واقعہ کو پڑھوں گا۔ تو آپ نے غالباً کہا دیکھو یہ لوگ بدگمانی کا شکار ہونے میں کتنی جلدی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سکھانے کا کیا فائدہ۔ میں تو اس لیے کھانا کھا رہا تھا کہ ان کو بھگانا مقصود تھا اور پتہ بھی چلے تو اس لیے روٹی کھا رہا تھا کہ میں سفر میں ہوں۔ اللہ نے اجازت دی ہے کہ سفر کی حالت میں تم روزہ چھوڑ سکتے ہو۔ تو دوستو لوگ اس طرح ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ جو ہوتا ہے وہ اتنا کمزور ہوتا ہے۔ بہر حال میں اس بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ اوروں کی بات، بایزید کی بات لوگوں کو جلدی کس طرح محسوس ہوئی یہ غلط کر رہا ہے۔ پتہ نہیں ان میں کتنے روزہ دار ہونگے۔ وہ خود روزے سے ہونگے بھی یا نہیں۔ لیکن اوروں پر، انہوں نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر انہوں نے اٹیک کرنے میں دیر نہیں کی۔ دوستو کیا ہم بھی ان میں شامل ہیں؟ تو پھر کبھی بھی درستگی نہیں ہو سکتی۔ علیک بالدواء تیرے اوپر علاج واجب ہے۔ میں اوروں کی بات نہیں کہہ رہا ہوں جس طرح فوجدار بندے ڈنڈے لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ غلط کر رہا ہے میں اس کو نہیں چھوڑوں گا، اس کو سیدھا کروں گا۔

بھئی پہلے ہم اپنے آپ کو تو سیدھا کریں، ہم اپنی درستگی تو کریں پھر اوروں کی طرف دیکھیں۔اسی طرح ہی یہ بات بن سکتی ہے۔

میرا اصل مقصود آپ کو یہ پیغام دینا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس مقصد کے لیے تخلیق کیا ہے؟ میں دوبارہ اپنا مفہوم دہرا رہا ہوں۔ ہمیں خدا نے اپنی پہچان کے لیے پیدا کیا اس پر اس عاجز نے روشنی ڈالی۔ پھر دوسری بات یہ کہی گئی کہ اللہ نے ہمارے اندر ایک حس رکھی ہے باطنی۔ وہ ہمیں ہر وقت فتویٰ سناتی ہے کہ کیا درست ہے کیا غلط۔اس کی بات پر ہم توجہ دیں۔تیسری بات یہ کہی گئی کہ اوروں کے متعلق جلدی بدگمانی کا شکار نہ ہوں اپنے نفس پر کڑی نظر رکھیں۔اور پھر آخر میں ذکر اللہ کے لیے تاکید کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔



طریقہ تبلیغ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدعُ اِلیٰ سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَۃِ وَ المَوعِظَۃِ الحَسَنَۃِ وَجَادِلھُم بِالَّتِی ھِیَ اَحسَنُ۔

صدق اللہ العظیم۔

نصیحت کا سلسلہ تقریباً ہر دن تقریر اور واعظ کی صورت جاری رہا ہے۔ اتنی کثرت اور اتنی محنت جو علماء کرام نے اور فقراء نے کی ہے یقیناً اس سے خوبصورت اثرات ہمارے قلب پر مرتب ہوئے ہونگے۔ قدردان شخص ہی فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔ اگر قدر نہ ہوتو پھر کتنا ہی عمدہ نصیحت کرنے والا کیوں نہ ہوحتیٰ کہ جو سب انسانوں میں بہترین انسان انبیاء علیہم

السلام‘ ان کے واعظ اور نصیحت کو سننے والے بے قدر لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور سننے سے انکار کر دیتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ ہم آپ کی بات سننا نہیں چاہتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں آپ کے ساتھ کوئی امیر نہیں ہے‘ آپ کے ساتھ کوئی وقت کا حکمران نہیں ہے بلکہ چند مسکین اور غریب لوگوں کا ٹولہ آپ کے ساتھ ہے تو ہم آپ کی بات کیونکر سنیں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ جادوگر ہے‘ بعض لوگ ان کو کچھ کہتے تھے لیکن جن کے دل میں قدر تھا‘ جو اس بات کی حقیقت کو جان چکے تھے۔ وہ ان کی بات پر‘ حکم پر لبیک کہتے ہوئے عمل کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ پھر جو لوگ ان کے خلاف تھے‘ ان کے دشمن تھے۔ وہ ان کے متبعین پر‘ ان کے امتیوں پر ظلم ڈھاتے تھے۔ اس کی بہترین مثال میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی سیرت میں آپ کو ملے گی کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کسی موقعہ پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی حالت زار بیان کرتے ہوئے بتایا تھا ”جب میں ایمان لے آیا جو دشمنان اسلام تھے‘ جو مشرکین تھے انہوں نے مجھے اس ایمان لانے سے‘ توحید کی دعوت پر لبیک کہنے سے مجھے روکنا چاہا‘ ہر طرح سے مجھے لالچیں دیں۔ جب میں باز نہیں آیا تو مجھ پر انہوں نے تشدد شروع کیا اور تو بہت سارے انہوں نے تشدد مجھ پر آزمائے لیکن یہ بھی انہوں نے مجھے تکلیف دی کہ انہوں نے دہکتے ہوئے انگاروں کا ایک بہت سارا ڈھیر جمع کر دیا اور مجھے پیٹ کے بل اس پر لٹا کر بہت بھاری پتھر سینے پر رکھ دیا اور اس قدر انگاروں نے کام کیا کہ میری چمڑی جل گئی۔ اور میری چربی پگھلنے لگی۔ پگھلتے پگھلتے اس قدر پگھلی کہ ہڈیوں تک جا کر انگارے پہنچے۔ اس چربی کے پگھلنے کی وجہ سے وہ انگارے بجھ جاتے مگر مجھے اٹھنے کے لیے اجازت نہیں ہوتی تھی“ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی قمیص مبارک اوپر اٹھا کر دکھائی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے چیخ نکل گئی۔ انہوں نے کہا ”خدا کی قسم میں نے ایسی پیٹھ آج تک نہیں دیکھی جس پر نہ جلد سلامت ہے نہ گوشت

سلامت''۔ تو میں عرض کر رہا تھا نصیحت اور واعظ تو کافی ہو چکا ہے اور ماشاء اللہ آپ سن بھی رہے ہیں اب ہمیں اگلے مرحلے کے لیے تیار ہونا ہے کیونکہ اتنے دن محنت ہوئی ہے' پروگرام ہوتے رہے' آپ لوگ اس میں شرکت فرماتے رہے۔ یہ کوئی رسمی کاروائی تھی نہیں کہ جس طرح ہم اپنے دوستوں کی دعوت پر جاتے ہیں' گپ شپ لگاتے ہیں' کھانا کھاتے ہیں اور پھر اٹھ کر روانا ہو جاتے ہیں۔ جو پہلے حال تھا وہ ہی ہمارا حال ہوتا ہے۔ یہ محفلیں کچھ اس طرح کی نہیں تھیں۔ یہ محفلیں میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور ان کی تابعداری میں منعقد کی گئیں جس طرح آپ ﷺ صحابہ کرام کو کافی دن اپنے صحبت میں رکھتے تھے' نگاہ کرم فرماتے تھے' محبت اور پیار دیتے تھے' ان کو تعلیم دیتے تھے' ان کو تربیت دیتے تھے' ان کو قرآن مجید پڑھاتے تھے' ان کو احادیث سناتے تھے جب وہ پوری طرح تیار ہو جاتے نماز سیکھ کر' شریعت کے مسائل سیکھ کر تو پھر ان کو حکم دیتے تھے کہ اب تم چلے جاؤ ایسے لوگوں کے پاس جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا' جو دین حق سے ناواقف ہیں۔ جو توحید کی دعویٰ کو ابھی تک نہیں سن سکے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جو آپ نے خطاب فرمایا ایک لاکھ صحابہ کا مجمع موجود تھا۔ جب آپ نے اپنے خطاب کو ختم فرمایا تو آخر میں یہی تلقین فرمائی ''جو لوگ یہاں حاضر ہیں ان کا فریضہ یہ ہے کہ ہمارا پیغام غائبین تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں''۔ تو میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد صرف اس وقت کے صحابہ کے لیے نہیں تھا بلکہ موجودہ زمانے کے لیے بھی یہ حکم ہے کہ بلغو عنی ولو کان آیۃ

میری طرف سے پہنچاؤ' اگر ایک ہی آیت تمہاری طرف پہنچی ہے۔ تو یہ تمہارا فرض ہے کہ اس ایک آیت کو' اس ایک مسئلے کو تم لوگوں کی طرف پہنچانے کی کوشش کرو۔ یقین جانیے کہ اگر شریعت کا ایک مسئلہ ہم نے یاد کر لیا' اتنی ساری محفلیں ہوتی ہیں ان سے اگر ایک

مسئلہ بھی ہم نے یاد کرلیا یہ بھی ایک بہت بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔اس کا قدر آج تو ہمیں ہو نہیں سکتا لیکن آگے چل کر اس کا قدر ہمیں ضرور ہوگا۔ہم تو سرمایہ روپے اور پیسے کو سمجھتے ہیں کہ دولت ہو، ہزار درہم ہوں، لاکھ درہم ہوں، پاکستان میں جاگیر ہو، دکانیں ہوں، عمدہ بنگلے ہوں، گاڑیاں ہوں، نوکر چاکر ہوں۔ہم تو سرمایہ اور اعزاز اس کو سمجھتے ہیں حالانکہ جس طرح ہم اس کو حاصل کر رہے ہیں اور جس طرح اس کی محبت میں مبتلا ہیں تو یہ سب ہمارے لیے وبال جان ہے۔جایئے ان لوگوں کے پاس جو دن رات اسی فکر میں مبتلا ہیں کہ ہمیں زیادہ دولت ملے، انہوں نے اپنا معبود اور مقصود دولت کو بنالیا، غیر اللہ کو بنالیا اور اس کی طلب اور جستجو میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ان کے اوپر یہ عذاب نازل کیا ہے کہ ان کی دلوں سے سکون رخصت ہوگیا۔ان کی دل میں فرحت نہیں، ان کی دلوں میں آرام نہیں، ان کو کوئی چین حاصل نہیں۔اس دنیا نے ان کو اتنا بے کل اور پریشان کردیا کہ وہ یہاں تک تیار ہو جاتے ہیں کہ بھلا ہم مرجائیں، خودکشی کرلیں ایسی زندگی سے تو موت اچھا ہے۔جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے۔

گھبرا کر کہتے ہیں کہ مرجائیں گے اگر مر کر بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

دنیا کے مشکلات اور مصائب سے پریشان ہوکر آدمی یہ تمنا کرتا ہے کہ میں مرجاؤں لیکن وہ جب قبر میں پہنچے تو وہاں بھی اس کے لیے سخت ترین سزا موجود ہو تو پھر وہ کیا کرے گا۔ پھر تو کوئی راستہ نہیں بچتا۔تو جب انسان اس دولت کے فکر میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کی محبت میں پھنس جاتا ہے اور یوں پھنستا ہے کہ اپنے رب کو بھلادیتا ہے تو پھر حلال وحرام کی تمیز مٹ جاتی ہے اور وہ صرف دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔دولت آوے ہی آوے ایمان جاوے تو جاوے۔ معاذ اللہ۔تو جب یہ نعرہ بن جاتا ہے تو پھر یہ دولت اس کی سانپ سے زیادہ خطرناک ہوجاتی ہے۔وہ سانپ تو صرف جان لے لیتا ہے لیکن یہ دولت، غیر اللہ کی محبتیں اس کی جان کے ساتھ

اس کے ایمان کو بھی لے جاتیں ہیں۔ وتایو فقیر ایک درویش ہمارے سندھ میں گذرے ہیں۔ اس کی نصیحت اور واعظ مشہور ہے۔ ان کی حکایتیں بظاہر ہنسنے کی باتیں ہوتی ہیں لیکن ان میں اتنی معنیٰ اور حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے کہ اہل نظر ہو وہ سمجھ لے گا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ جا رہے تھے، ان کو راستے میں کہیں روپیہ مل گیا۔ پہلے وہ چاندی کے روپے ہوتے تھے، آج کل تو نوٹ ہو گئے ہیں، کاغذ کے تو ایک روپیہ جو مل گیا۔ وہ پریشان ہو گئے وہ فقیر درویش آدمی، انہوں نے کہا یہ دنیا ہے، یہ پیسہ ہے، یہ اگر میرے ساتھ رہا تو میرے لیے وبال بن جائے گا۔ مشکلات پیدا کرے گا۔ اس سے ابھی سے جان چھڑانا ہی بہتر ہے۔ انہوں نے کیا کیا کہ ایک درخت کی جڑ میں اس روپیہ کو پھینک دیا اور جس سفر پہ جا رہے تھے روانا ہو گئے۔ جس کام کے لیے گئے تھے وہ ختم کیا اور کافی دنوں کے بعد پھر ان کی واپسی ہوئی۔ ان کی واپسی سے پہلے کوئی شخص اس درخت کی جڑ کے قریب بیٹھ کر پیشاب کر رہا تھا۔ جب اس نے پیشاب کیا تو وہ پیشاب کی وجہ سے وہاں سے مٹی ہٹنے لگی اور روپیہ باہر نکل آیا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ کیا ہوا؟ جلدی جلدی ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے کیونکہ روپیہ آج کے دور میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اگر بچے کو دو تو وہ بھی ناراض ہو جاتا ہے اگر کسی بھکاری کو دو تو وہ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ یہ کیا دے رہے ہو لیکن اس وقت جب چوبیس روپے میں سونے کا تولہ ملتا تھا اس وقت روپے کی بڑی قیمت تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا فوراً اس نے اس روپے کو اٹھا لیا۔ اس نے سمجھا کہ اس درخت کی جڑ میں یقیناً خزانہ موجود ہے۔ رات کے ٹائم میں کسی مزدور کو ساتھ لے کر آیا کہ اس جگہ کو کھودو میں تمہیں اتنے اتنے پیسے دوں گا۔ اس جگہ بہت بڑا گڑھا کھودوایا مگر وہاں کچھ نہیں ملا۔ درخت کے دوسرے طرف دوسرا بڑا گڑھا کھودوایا۔ کیونکہ پچھلے زمانے میں بینکیں تو ہوتی نہیں تھیں، تو لوگ کسی ایسے درخت کی نشانی بنا کر وہاں چھپا دیتے تھے کہیں جنگل میں کہیں کسی جگہ۔ تو اس نے سمجھا

کہ یہاں کسی نے دولت چھپائی ہے۔ چاروں طرف سے گڑھے اس نے کھدوائے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ درخت بے چارہ گر گیا۔ جب وتایو فقیر وہاں سے گذرا اس نے سوچا کہ وہاں روپیہ میں نے پھینکا تھا اس کا کیا ہوا۔ گذرتے گذرتے اس جگہ پر پہنچا تو اس نے یہ ماجرا دیکھا کہ بڑے گھڑے کھودے ہوئے ہیں اور درخت بے چارہ گرا ہوا ہے اور اس کی ٹہنیاں بے چاری ساری سوکھی ہوئی ہیں اور وہ ختم ہو چکی ہیں۔ وہ فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوا کہ یارب العالمین تیرا شکر ہے کہ یہ روپیہ میرے ساتھ نہیں تھا ورنہ میں بھی جڑ سے چلا جاتا۔ مجھے بھی اس طرح برباد کر دیتا۔ اور یہ حقیقت ہے جب انسان اس روپے کو اپنے دل میں بٹھا لیتا ہے، اس کی محبت کو دل میں بٹھا لیتا ہے تو یہ روپیہ بھی اس درخت کا حال بنا لیتا ہے اور پھر نہ ہی اس کا زمین پر پاؤں لگتا ہے اور نہ ہی کسی اور جگہ پر آرام اور سکون ملتا ہے۔ تو میرے دوستو عزیزو اس محبت دنیا کو اپنے دل سے آزاد کرانا ہمارا فریضہ ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ نکل جائیں ایسے لوگوں کے پاس جنہوں نے یہ پیغام نہیں سنا۔ ان تک یہ پیغام پہنچائیں اور ان کو دعوت دیں تاکہ وہ دین حق کی دعوت قبول کر کے دنیا اور آخرت کی نجات پالیں، کامیابی اور فلاح کو حاصل کریں۔ اس کا بدلہ یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں بھی ان انبیاء علیہم السلام کے صدقے میں وہ مقام عطا فرمائے گا کہ روز قیامت لوگ تمہارے اس مقام کو، اس شان کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ یہ کون ہے۔ کوئی ان کا عمل نہیں بتایا جائیگا، یہی بتایا جائیگا کہ یہ خادم دین تھے، مبلغ دین تھے کیونکہ جو خدمت اسلام کرتے ہیں، خدمت دین کرتے ہیں، حقیقت میں وہی انبیاء کے وارث ہیں۔ تو میرے دوستو یہ جو محفلیں منعقد ہوتی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ جو باتیں ہم نے آج سن لیں، ان کو اپنے دل میں سمو لیا ہے، اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ اس

پیغام کو آگے بڑھائیں۔ لوگوں تک پہنچائیں تا کہ ان کی دلوں میں بھی اللہ کا خوف پیدا ہو اور وہ بھی راہ راست پر چلنا شروع کر دیں مگر اس پیغام کو پہنچانے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ ایسے کام نہیں ہوگا جیسے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو بغیر پاک ہوئے نہ چھوؤ جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو پہلے تم وضو بناؤ' اپنے حدث سے پوری طرح پاکائی حاصل کرو۔ پھر تم قرآن کو اٹھا کر دل کی محبت اور شوق سے پڑھو۔ صرف ظاہری اعضاء کا وضو نہیں ہونا چاہیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نماز اور تلاوت کے لیے اپنے باطنی اعضاء کا بھی وضو ہونا چاہیے۔ ایک تو وضو وہ ہے کہ تو نے ہاتھ کو دھویا۔ اس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ انسان کے جو ہاتھ کے گناہ ہیں وضو کرنے والے کے' وہ ہاتھ کے سارے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ پورے خلوص اور محبت سے وضو کرتے ہوئے اپنے چہرے کو دھویا تو اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے' آنکھوں کے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ کلیاں کرتا ہے تو اللہ اس کے منہ کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اگر بازوؤں کو دھوتا ہے تو اس کے بازوؤں کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ عمل اتنا اعلیٰ اور پسندیدہ ہے اور اس لیے وضو کیا جاتا ہے تا کہ یہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر اس لائق بن سکے کہ اپنے محبوب رب العالمین سے ہم کلام ہو۔ ہم تو اس ہم کلامی کو بھی نہیں جانتے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ نماز تو صرف اٹھنے بیٹھنے کا نام ہے۔ کھڑے ہو گئے' دو سجدے کیے' رکوع کیا' دعا مانگی اور چلے گئے۔ نہیں' نماز اتنی بڑی اعلیٰ اور ارفع چیز ہے کہ جب تک انسان کا اس میں دل شامل نہ ہو جائے' اس کا شوق اس میں شامل نہ ہو' اس کی محبت اس میں شامل نہ ہو اس وقت تک نماز کا کماحقہ فائدہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔ حکومت اگر ڈنڈے بردار مقرر کر دے کہ بھئی کسی کو بھی نہیں چھوڑو۔ جو نماز کے ٹائم پر نماز نہیں پڑھتا اس کو مارو پیٹو۔ بے شک یہ بہتر کام ہوگا لیکن ان کی نماز جو ڈنڈے کے خوف سے پڑھی جاتی ہے تو وہ نماز پسندیدہ نہیں ہے بلکہ نماز تو

وہ ہے جو اللہ کی رضا کے لیے پڑھی جاتی ہے۔اس کے محبت میں اور شوق میں پڑھی جائے۔اور ایک نماز ہوتی ہے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھی جاتی ہے۔لوگ کہیں کہ بڑا صوفی صاحب ہے' یہ بڑا بزرگ صاحب ہے۔اس کو میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے شرک اصغر فرمایا ہے

ایاک والشرک الاصغر قالوا من الشرک الاصغر قال الریاء۔او کما قال النبی ﷺ۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچاؤ اپنے آپ کو شرک اصغر سے' چھوٹے شرک سے اپنے آپ کو بچاؤ۔شرک کے جو تین اقسام محدثین نے بیان فرمائے ہیں' اس کا تیسرا قسم یہ ریا بتایا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچو اس شرک اصغر سے۔صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا شرک اصغر یہ ہوتا ہے جب تم عبادت کرو' جب تم خیرات کرو' جب تم قربانی کرو' جب تم نماز پڑھو وہ اس لیے پڑھو کہ لوگ تمہیں نیک کہیں۔لوگ تمہاری تعظیم بجالائیں۔لوگ تمہاری توقیر بجالائیں۔اس کو ریا کہا جاتا ہے۔ایسی عبادت کی بارگاہ خداوندی میں کچھ مقبولیت نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ایک دکاندار تھا وہ نماز پڑھ رہا تھا۔نماز اس نے پوری کی اور جب سلام پھیرا تو وہ کہنے لگا کہ اے بوڑھی نمک کا سیر ڈیڑھ آنے میں ہے۔اس کو لینا ہے تو لے لو ورنہ چلی جاؤ۔لوگ حیران رہ گئے۔یہ نماز پڑھ رہا ہے اور یہ نمک کی بات کر رہا ہے۔ہے کیا اسرار؟ لوگوں نے اس سے پوچھا بھئی کیا تو نے یہ بات کہی؟ اس نے کہا خدا کے لیے چھوڑ دو' مجھے ایسے ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔جب انہوں نے اصرار کیا اس نے کہا دراصل بات یہ ہے کہ روزانہ شام کے ٹائم پر ایک بوڑھی میرے دکان پر آتی ہے' ہر ایک چیز پر ہاتھ رکھتی ہے پیاز پر ہاتھ رکھے گی اس کا کلو کتنے کا ہے؟ گھی پر ہاتھ رکھے گی اس کا کلو کتنے کا ہے؟ چینی پہ ہاتھ رکھے گی اس کا کلو کتنے کا ہے پھر کسی ایک چیز پر آ کر اڑ جائے گی ''اس کا اتنا تو نہیں میں اتنا دونگی''

پھر جب میں نے نماز شروع کی اللہ اکبر کہا تو تصور ہی تصور میں دکان پہ پہنچ گیا۔ وہ کھڑا مسجد میں ہے' اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور دکان پہ پہنچ گیا۔ اسی موقع پر وہ بوڑھی بھی آ گئی۔ میں رکوع میں جا رہا ہوں' سجود میں جا رہا ہوں لیکن گفتگو میری اس بوڑھی سے ہو رہی ہے۔ لڑائی جھگڑا اسکے ساتھ ہو رہا ہے آخر میں میں جب التحیات میں گیا تو اس نے نمک پر ہاتھ رکھا۔ میں اس سے پریشان ہو گیا تھا کہ ابھی بھی جان نہیں چھوڑ رہی ہے۔ تو سلام پھیرتے ہوئے بے اختیار میرے منہ سے یہ بات نکل گئی کیونکہ میں اتنا محو ہو گیا تھا' اس تصور میں غرق ہو گیا تھا کہ میں نماز کو بھول گیا تھا۔ میں نے سمجھا کہ میں دکان پہ بیٹھا ہوا ہوں اور بوڑھی عورت میرے سامنے کھڑی ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ ڈیڑھ آنے سیر نمک کا کلو ہے۔ لینا ہے تو لے لو ورنہ نکل جاؤ۔ تو ہماری نماز بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ نماز پڑھ رہے ہیں اور اپنے دنیا کے حساب میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے مقبول ہو سکتی ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم وضو بناؤ تو ایک ظاہری وضو ہے۔ دوسرا تمہیں باطنی و روحانی وضو کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب تم مسجد میں پہنچو تو اس سے پہلے اپنے دل کو بھی وضو کراؤ۔ دل کا وضو کیا ہونا چاہیے؟ اسے محبت خداوندی' معرفت خداوندی کے نور سے وضو کراؤ تا کہ اس میں جو ریاء کے اثرات موجود ہیں۔ ان سب چیزوں سے دل بالکل پاک اور صاف بنجائے اور جب تم اللہ اکبر کہو تو تمہارا دل بھی مانے کہ واقعی سب سے بڑا اللہ ہے اور میں اس کے سامنے کھڑا ہوں۔ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے' جو مہربان ہے اور قہار بھی ہے' وہ رحمت والا بھی ہے اور عذاب کرنے والا بھی ہے۔ یہ کیفیات اپنے دل میں رکھ اور امید بھی تیرے دل میں موجود ہو اور اس کے ساتھ خوف بھی تیرے ساتھ موجود ہو پھر تم نماز ادا کرو تو ایسی ایک رکعت دیگر لاکھ رکعتوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بلند مقام رکھتی ہے۔ ورنہ تو کوئی بڑا عالم کیوں نہ ہو' بہت بڑا قاری کیوں نہ ہو'

بہت بڑا مجاہد کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے دل میں نیت صحیح اور خلوص موجود نہیں ہے تو وہ اس کے سارے عمل اکارت چلے جاتے ہیں۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک قاری کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا۔ اندر خواتین، مستورات باپردہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ یقیناً وہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں گذشتہ پروگراموں میں تشریف لاتی رہیں۔ جس طرح احباب نے بتایا ہے اور آج بھی ضرور تشریف لائی ہونگی۔ تو یہ نصیحتیں صرف مردوں کے لیے نہیں ہیں یہ خواتین کے لیے بھی ہیں۔ یہ سب باتیں جو میں عرض کر رہا ہوں، یہ خرابیاں ہم سب کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مردوں میں بھی، عورتوں میں بھی، بوڑھوں میں بھی اور جوانوں میں بھی۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک قاری کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ اے بندے میں نے تیرے اوپر یہ نعمت کی کہ تجھے احسن صورت سے نوازا، میں نے تمہیں اتنی دولت سے نوازا، تمہیں یہ سب کچھ عطا فرمایا، تمہیں میں نے پینے کے لیے پانی عطا فرمایا، تمہیں سانس لینے کے لیے ہوا عطا فرمائی اور تم سے کوئی ٹیکس بل وغیرہ نہیں لیا، یہ سب چیزیں تیرے لیے میں نے مفت میں عطا فرمائی تھیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کیا تو نے کچھ قدر دانی کی؟ کیا کچھ عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا یارب العالمین یہ تیری ساری نعمتیں برحق ہیں لیکن میں نے بھی کچھ کم نہیں کیا میں نے قرآن پڑھا تھا جیسا کہ میرے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ خیر کم من تعلم القرآن و علمہ

تم میں بہترین شخص وہ ہے جو پہلے قرآن سیکھے اور پھر اوروں کو بھی سکھائے۔

تو یا اللہ العالمین میں نے قرآن پڑھا تھا، قرأت اور تجوید کے ساتھ پڑھا تھا اور پڑھنے کے بعد میں نے لوگوں کو پڑھایا تھا، لوگوں کو اسٹیج پر کھڑے ہو کر بڑے خوش الحانی کے انداز میں میں نے

ان کو سنایا تھا' میری ساری زندگی اسی عمل میں گذر گئی۔ یارب العالمین میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا۔ تیری خوشنودی کے لیے کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا۔ یہ سب کچھ تو نے واقعی کیا تھا۔ تو نے قرآن پڑھا اور پڑھایا بھی۔ لوگوں کو سنایا بھی تجوید قرأت اور بڑی خوش الحانی کے ساتھ' مگر یہ سب کچھ تو نے میرے لیے نہیں بلکہ اس لیے کیا تھا کہ لوگ تمہیں قاری کہیں۔ لوگ تیری تعظیم کریں۔ لوگ تجھے اعزاز اکرام اور القاب سے نوازیں۔ پس دنیا میں تجھے یہ سب چیزیں مل چکیں اب اللہ کے پاس ان چیزوں کا کچھ اجر نہیں ملے گا۔ ملائکہ کو امر ہوگا کہ اس کو جہنم میں پھینک دو۔ حدیث میں آتا ہے کہ ملائکہ اس کو پاؤں سے پکڑیں گے' منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے اس کو جہنم میں پھینکیں گے۔ اب اس سے اندازہ لگاؤ قرآن مجید کی تلاوت بڑی اعلیٰ بات ہے لیکن اگر دل میں خلوص موجود نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی موجود نہیں ہے تو یہ سارا عمل رائگاں چلا جاتا ہے۔ اس طرح سے اللہ کے سامنے ایک غنی مالدار امیر شخص پیش کیا جائے گا۔ اللہ پاک اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ میں نے تمہیں اتنا مال دیا' تجھے اتنی دولت عطا فرمائی تو نے اس دولت کو کہاں خرچ کیا اور کس لیے خرچ کیا؟ وہ کہے گا یارب العالمین میں نے دولت کو تیری راہ میں خرچ کیا' اتنے غریبوں کو میں نے کھانا کھلایا' اتنی خیراتیں کیں اور قربانیاں کیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں یہ تو نے سب کچھ کیا لیکن اس لیے کیا کہ تیرا نام بلند ہو' تیری شہرت ہو' لوگ تجھے بڑا آدمی سمجھیں' مرعوب ہو جائیں تو یہ سب دنیا میں تو نے دیکھ لیا اب میرے پاس تیرے مال کے خرچ کرنے کا کچھ اجر نہیں ہے۔ اس لیے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں فرمایا

محبت رکي من ۾ رند روڙيا جن

تن جو صرافن اٽ توريو اگھائيو

وہ کہتے ہیں کہ جس کے دل میں محبت تھی اس نے بظاہر اتنا اعلیٰ اور نفیس کام نہیں کیا۔ وہ سوت کاتنے کی بات کر رہے ہیں۔ وہ سوت جتنا نفیس اور نرم ہو، نازک ہو، ملائم ہو اسکا اتنا مقام بلند ہوتا ہے۔ اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ پہلے وقت میں کاتا جاتا تھا آج کل یہ کم ہو گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو جس نے بڑا نفیس اور نرم سوت کاتا تھا لیکن اس کے دل میں دغا تھی، اس دل میں خلوص نہیں تھا۔ ظاہری مثالیں دے کر وہ آخرت کا منظر بیان کر رہے ہیں کہ وہاں لوگوں کی قطاریں ہونگی، نامہ اعمال ہاتھوں میں ہونگے، اللہ تعالیٰ کی کورٹ میں ہر ایک کی پیشی ہوگی، ترازو وہاں موجود ہوگا، نیک اعمال رکھے جائیں گے، برے اعمال بھی رکھے جائیں گے۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ اس لمحے کی منظر کشی کر رہے ہیں کہ جن کے دل میں دغا تھی، انہوں نے عمل بظاہر بڑے اچھے کیے تھے، سوت انہوں نے اچھا کاتا تھا یعنی عمل بڑے اچھے کیے تھے۔ لوگ تو یہی سمجھتے رہے کہ یہ بہت بڑی منزل پائیں گے، ان کو بڑا اجر ملے گا، ان کو بڑی قیمت ملے گی لیکن اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے۔ وہ دل کے بھیدوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ جس طرح ہمارے ظاہر کو جانتا ہے اسی طرح ہمارے باطن کو بھی جانتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ تو جب وہ بڑے عمل کے پہاڑ لے کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوئے اور جب دیکھا گیا تو ان کے دل میں خلوص کی رتی بھی نہیں تھی۔ تو ان کے سارے اعمال کو رد کر کے جہنم میں پھینکا گیا۔ اور دوسری طرف وہ سادہ مزاج آدمی، وہ غریب آدمی اس نے بھی سوت کاتا تھا لیکن سوت اس کا کچھ اچھا نہیں بنا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں موٹا تھا، نفیس نہیں تھا، خوبصورت نہیں تھا لیکن اس کی دل میں محبت تھی، اس کی دل میں خلوص تھا۔ جب وہ سوت لے کر صراف کے پاس گیا تو صراف نے اس کو بغیر تولے بہت سارا بھر کے دے دیا۔ بھئی لے جاؤ تمہارا میں تولتا نہیں۔ جتنی بھی تمہیں دولت چاہیے اتنی لے جاؤ۔ تو فرماتے ہیں جن کے دل میں خلوص اور محبت تھی

بظاہر لوگ ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے، ان کی تکریم نہیں کرتے تھے، ان سے مرعوب نہیں ہوا کرتے تھے لیکن جب خدا کی بارگاہ میں وہ مسکین، وہ غریب، وہ عاجز، فقیر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے کہا یہ بڑا محبوب دوست ہے، اس کی دل میں میری محبت تھی، یہ ہر عمل میرے لیے کرتا تھا۔ فرشتوں کو حکم ہوگا اس کے اعمال نامہ کو تولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کو تولے بغیر اور بغیر حساب کتاب کے اس کو جنت میں پہنچا دو۔ تو یہ ایک بنیادی چیز ہے۔ جب تک انسان کے دل میں پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک اس کے اعمال مقبول نہیں ہو سکتے۔ اس لیے میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحابی اگر اللہ کی راہ میں ایک کھجور کی گٹھلی خیرات کریں اور بعد میں آنے والے لوگ اگر جبل احد، جو بہت بڑا وسیع اور اعلیٰ پہاڑ ہے، اس کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خیرات کریں تب بھی میرے صحابی کے اس گٹھلی کے برابر یہ سونا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ کی نگاہ کرم سے، آپ کی توجہ باطنی سے ان کے قلوب کا وہ تزکیہ ہوگیا تھا کہ ان کی نظر صرف اللہ پر ہوتی تھی اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے تھے۔ تو یہ عاجز عرض کر رہا تھا کہ پہلی مقدم چیز تو یہی ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں اور اپنے اندر عجز وانکساری پیدا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز بڑی پسند ہے۔ مبلغین میں یہ چیز ہونی چاہیے۔ صوفیاء کرام کا بھی یہی طریقہ تھا کہ ان کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی تھی اور عجز وانکساری ہوتی تھی اور اس چیز کی تعلیم قرآن پاک میں دی جارہی ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ۔

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ لوگوں کو حکمۃ کے ساتھ۔ ایسے نہ ہو کہ تم ایسی بات کہہ دو بغیر موقع دیکھے، بغیر اس کے مزاج کو دیکھے، بغیر اس کے علم اور شعور کو دیکھتے ہوئے ایسے ہی تم اس کو کہہ دو اور نتیجہ میں وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ نہیں تم اس کے مزاج کو دیکھو، اس موقعہ کو دیکھو، اس کے ماحول کو دیکھو اور پھر اس انداز سے کہو کہ اگر سیدھی بات کہنے کا موقعہ نہیں

ہے تو تم اشارتاً بھی اس کو کہہ سکتے ہو۔ اپنا مثال سامنے پیش کر کے تم اس کو کہہ سکتے ہو جس طرح کہ ایک اللہ والا تھا' اس کی خدمت میں ایک بڑا آدمی آتا تھا۔ اس کی عادت تھی اس کے شلوار کے پائنچے ایسے زمین پر گھسٹ کر آتے تھے۔ تو یہ عادت اس اللہ والے کو پسند نہیں تھی۔ یہ متکبرین کی علامت ہے۔ اب دیکھیں کہ اس اللہ والے نے اس کی تربیت کیسے کی۔ اس کو ایک دن تنہائی میں بلایا۔ تنہائی میں بلا کر پھر اس کو کہا بھائی میری ایک بڑی خراب عادت ہے۔ تم بہت سمجھدار آدمی ہو' بڑے عقل مند آدمی ہو۔ ذرا تم اس خراب عادت پر غور کر کے بتاؤ کیا واقعتاً وہ عادت ایسی ہے تو میں اس کو چھوڑ دوں۔ اس نے کہا حضرت کیا عادت ہے؟ آپ تو ماشاء اللہ نیک ہیں۔ اس نے کہا خراب عادت یہ ہے کہ کبھی کبھی میری شلوار کے پائنچے جو ہیں وہ گھسٹ کر نیچے آجاتے ہیں۔ تو میں کھڑا ہو جاتا ہوں تم دیکھو یہ پائنچے صحیح ہیں یا نہیں؟ تو وہ قدموں میں گر پڑا اور رونے لگا "حضرت آپ کے پائنچے کہاں گر سکتے ہیں یہ تو بیماری میرے اندر پائی جاتی ہے"۔ وہ اس بات سے اتنا متاثر ہوا کہ اس سے تائب اور پشیماں ہو گیا۔ حسنین کریمین کا واقعہ آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک بدوی آیا جو بالکل ان پڑھ تھا' جاہل تھا۔ وہ وضو کر رہا تھا مگر وضو صحیح نہیں کر رہا تھا۔ ان دونوں شہزادوں نے سوچا جنہوں نے میرے آقا کی گود میں رہ کر تعلیم اور تربیت حاصل کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس کو اگر سیدھا کہیں گے تو وہ بوڑھا آدمی ہے' مبادا وہ ناراض نہ ہو جائے۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ انہوں نے بدوی کو کہا کہ ہمارا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ میرا وضو صحیح ہے' حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں وضو اچھا بناتا ہوں۔ اب ہم باری باری وضو کرتے ہیں' آپ دیکھ لیں کہ کس کا وضو صحیح ہے۔ بدوی کھڑا ہو گیا کہ ان سے بہتر اچھے طریقے سے وضو کون بنا سکتا ہے۔ انہوں نے وضو بنایا۔ کلی کی' فرائض' سنت و مستحبات کا پورا خیال رکھا۔ بدوی دیکھ کر حیران رہ گیا بھئی میں تو خود اپنا وضو نہیں جانتا ہوں ان کا

فیصلہ کیا کروں۔ اس نے کہا کہ قبلہ میں اپنا وضو پہلے صحیح کرلوں پھر میں آپ کے وضو کا فیصلہ کروں گا۔ تو میرے دوستو عزیزو یہ وہ طریقے ہوتے ہیں جو تبلیغ اور تقریر میں کام آتے ہیں۔ اختیار کرنے چاہییں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ کی طرف بلاؤ لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور اچھے وعظ کے ساتھ۔ ایسے نہ ہو کہ ان کو معاذ اللہ کم و بیش بولو۔ کسی کو جاہل کہو' کسی کو بے نمازی کہو' کسی کو ڈاکو کہو' کسی کو رشوت خور کہو' کسی کو برا بھلا کہنا شروع کردو۔ ایسا کہنے سے وہ نصیحت حاصل نہیں کرسکے گا البتہ لڑائی کے لیے ضرور تیار ہو جائے گا۔ جس طرح ہمارے حضرت واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک کوئی مولانا صاحب تھے مسجد میں رہتے تھے۔ تھے وہ گرم مزاج کے آدمی۔ تو ایک دیہاتی آدمی آیا۔ سردی کا موسم تھا' بارش پڑ رہی تھی۔ بے چارے کو کوئی راہ نظر نہ آئی مسجد میں گھس گیا اور سو گیا۔ رات کو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صبح کو جب مولانا صاحب آئے اور انہوں نے یہ دیکھا تو وہ سخت غصہ ہوئے اور انہوں نے اس کو بڑی تڑی لگائی ''نادان' احمق مسجد میں پیشاب کر دیا ہے' تو تو کافر ہے' اللہ کے گھر کو پلید اور ناپاک بنا دیا تو نے''۔ اس نے کہا ''فقیر صاحب میں بیمار آدمی ہوں' کمزور آدمی ہوں' مجھے غصہ بھی آتا ہے اس لیے مہربانی کر کے زیادہ نہ بولیں ورنہ تو کام زیادہ خراب ہو جائے گا''۔ ''بے وقوف اس سے زیادہ کام خراب کیا ہوگا' تو نے پیشاب تو کر ہی لیا ہے' مسجد کو ناپاک بنا ہی دیا ہے' اب اس سے زیادہ خرابی اور غلاظت کیا ہوگی''۔ اس کو جو کچھ آیا مولانا صاحب کہتا چلا گیا۔ اس نے کہا ''مولانا صاحب میرے مثانے میں کمزوری ہے'' مگر وہ نہ مانا اور برا بھلا کہتا رہا۔ اس نے کہا ''مثانے کی کمزوری کے ساتھ میرا معدہ بھی خراب ہے''۔ وہاں اس نے پائخانہ بھی کر دیا۔ اب مولانا صاحب اور بھی زیادہ غصہ ہو گئے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے اس بات کو اس طریقے سے لینے کی وجہ سے وہ بھی ضد میں آ گیا۔ تو وہ پھر ضد میں ایسا آ گیا کہ اس کے دل سے

خدا کا خوف بھی چلا گیا' اس کے دل سے مسجد کا احترام بھی چلا گیا۔ اگر اس اس کو تناسب میں دیکھا جائے جس طرح میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک بدوی مسجد میں داخل ہوتا ہے اور وہ بے خبر آدمی' لاعلم آدمی کسی مسجد کے کونے میں اس نے پیشاب کر دیا۔ صحابہ فوراً اٹھتے ہیں کہ اس کو بھگائیں۔ اس کو اٹھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں پیشاب کرنے کے دوران فوراً کسی کو اٹھانے سے اس کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ مثانے کی' پیشاب کی خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کو اس لیے نہ اٹھاؤ اس کو پیشاب کرنے دو۔ اس نے پیشاب کیا پھر وہ قطرے گراتے ہوئے آقا ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ بڑے تکریم و تعظیم کے ساتھ اس سے ملے۔ اس سے خیر و برکت دریافت کی اور پھر محبت کی باتیں بتائیں اور پھر آخر میں کہا "بھائی شاید تمہیں معلوم نہیں ہے یہ جو چار دیواری ہم نے بنائی ہوئی ہے۔ یہ ہماری مسجد ہے۔ یہاں ہم اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس نے حکم دیا ہے کہ اس کو پاک رکھو۔ یہاں پیشاب نہیں کیا جاتا"۔ اس نے کہا "یارسول اللہ ﷺ میں بے خبر تھا۔ خدا کے لیے مجھے معافی عطا فرمائیں۔ آئندہ ایسی بات نہیں ہو گی"۔ صحابہ کو آپ ﷺ نے فرمایا اس جگہ کو جہاں بدوی نے پیشاب کر دیا تھا وہاں پانی سے اس کو دھو دو۔ تو یہ آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت تھی جس سے وہ بالکل ان پڑھ' جاہل انسان جو شعور اور علم سے نابلد تھے بلکہ وہ دیہاتی زندگی بسر کرنے والے وہ بھی وقت کے امام بن گئے۔ مبلغ بن گئے۔ ان کے اخلاق اور کردار اور عمل کو دیکھ کر بھی لوگ ہدایت پکڑتے تھے۔ تو یہ آپ سب کا فرض بنتا ہے کہ یہ باتیں آپ سنیں۔ اپنے اندر یہ حوصلہ پیدا کریں' یہ ہمت پیدا کریں' محبت پیدا کریں' اخلاص پیدا کریں اور پھر اس پیغام کو عام کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ لوگوں کو ذکر کی دعوت دیں۔ لوگوں کو مراقبہ کی بات بتائیں۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فرض نماز کی طرف بلائیں۔ ان کو شریعت اور پیروی

رسول کی طرف بلائیں۔ میں جیسے عرض کر رہا تھا کہ ایک مسئلا بھی آج ہم نے یاد کرلیا تو جب اس کا اجر اور عوض آخرت میں ملے گا پھر ہمیں پتا چلے گا کہ کس طرح یہ اعلیٰ ترین چیز تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص تھا بالکل بے چارہ دیہاتی ان پڑھ۔ اس نے کبھی دین اسلام کی بات بھی نہیں سنی تھی۔ اس کی وفات ہوگئی۔ جب وہ قبر میں پہنچا تو کسی شخص نے مرنے کے بعد اس کو خواب میں دیکھا۔ اس سے پوچھا کہ ہم تجھے قبر میں پہنچا کر تو آئے تھے لیکن ہم نے تجھے بالکل اس طرح پایا کہ نہ تو نماز پڑھتا تھا' نہ تو نے دین شریعت کے مسائل سیکھے تھے بتاؤ تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے کہا میرا حال یہ ہوا کہ جب میں قبر میں پہنچا تو منکر نکیر پہنچ گئے انہوں نے مجھ سے سوال پوچھا من ربک تیرا رب کون ہے؟ تو میں نے کہا مجھے تو اور کچھ بات معلوم نہیں ہے صرف ایک بات مجھے آتی ہے۔ ایک مرتبہ میں مسجد کے قریب سے گذر رہا تھا' کوئی مولوی صاحب درس دے رہے تھے' تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے تقریر کے دوران یہ بات بتائی جس آگ میں لکڑیوں کو جلایا جاتا ہے اور اس کے بعد جو خاک بنتی ہے ان لکڑیوں کی' وہ خاک مٹی کی جنس میں سے نہیں ہے۔ وہ کہہ رہے تھے اس پر تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے۔ تیمّم مٹی کی جنس سے کیا جاتا ہے' خاک پر تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے۔ مجھے یہی آتا ہے اور کچھ نہیں آتا۔ فرشتے حیران رہ گئے۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا رسول کون ہے؟ تیرا دین کیا تھا؟ اور یہ جواب میں یہی کہہ رہا تھا کہ تیمّم مٹی کی جنس سے کیا جاتا ہے' خاک پر تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے۔ مجھے یہی آتا ہے اور کچھ نہیں آتا۔ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے یارب العالمین یہ تیرا عجیب بندہ ہے ایک ہی بات بتاتا ہے' تیرے محبوب کی شریعت کا ایک مسئلہ بتاتا ہے کہ لکڑی کی جلی ہوئی خاک ہوتی ہے' اس پر تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے اور کچھ بھی نہیں بتاتا۔ نہ نماز پڑھی ہے' نہ عبادت کی اور کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ اس شخص نے میرے محبوب کی شریعت کا ایک مسئلہ یاد کرلیا ہے۔ اس وجہ سے اس کو بخش دو۔ تو میرے

دوستو عزیزو ان مسائل کو سیکھو انشاء اللہ جب سیکھو گے تو عمل کا بھی جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر انشاء اللہ اس علم کے حاصل کرنے کی برکت سے ہماری مغفرت ہو جائیگی ۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.

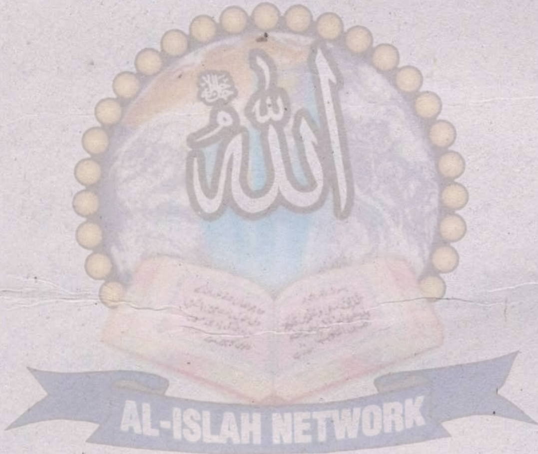
وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ۔

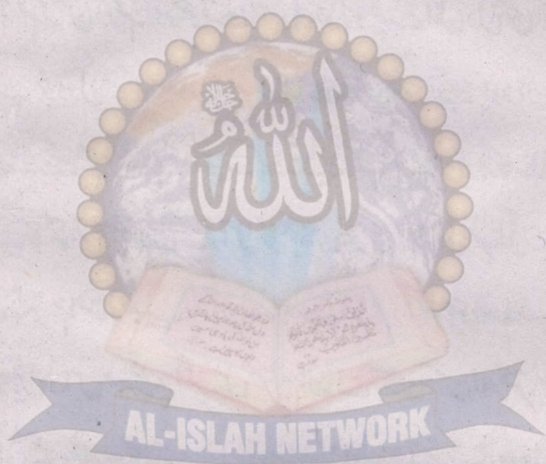
ان سے بحث کرو اگر ضرورت پڑ جائے۔ یعنی پہلے تو حکمت اختیار کرو' محبت بھری نصیحت کرو اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے تو بحث بھی کرو مگر یہ بحث بھی احسن طریقے سے' اچھے طریقے سے' اخلاق کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے۔ اور سننے سنانے والے کے دل میں یہی خیال ہو کہ جو حق کی بات ہوگی اس کو میں اختیار کرلوں گا اگر وہ پہلے سے یہ رٹ لگا کر بیٹھ جائے کہ میں نہ مانوں تو پھر کس طرح مسئلہ حل ہوگا۔ پھر تو لڑائی ہوگی۔ تو اس لیے بحث ایسی ہونی چاہیے جس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہو کہ ہدایت حاصل ہو' حق کی بات معلوم ہو اور اس پر دونوں فریق عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی امت کا یہ فرض اللہ نے قرار دیا کہ ان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں نکلیں اور لوگوں کو ہدایت دیں۔ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ۔

تم امتوں میں سے بہترین ہو اس لیے کہ تم کو لوگوں کے ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہو۔ لوگوں کو اچھائی کا امر کرتے ہو اور برے کاموں سے' غلط کاموں سے روکتے ہو۔ اس وجہ سے جمیع امتیں جو بھی گذری ہیں آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے تک' ان سب امتوں میں سے یہ جو میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے' وہ سب امتوں میں بہترین امت ہے کیونکہ یہ تبلیغ کرتے ہیں۔ اس لیے آج اگر آپ شرف پانا چاہتے ہیں تو آپ بھی لوگوں کو شریعت کا پیغام' ذکر کا پیغام

پہنچائیں ۔الحمداللہ یہاں ذکر کے حلقے جاری رہتے ہیں ان میں ضرور شرکت کریں کیونکہ نیک صحبت کے بغیر کبھی بھی ہدایت نہیں ملے گی ۔کبھی بھی استقامت پیدا نہیں ہوگی ۔اس لیے فقیروں کی صحبت اور ہم نشینی کو لازم سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔




AL-ISLAH NETWORK

قلب سلیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ۔

صدق اللہ العظیم۔

معزز سامعین! یہ جو کچھ احباب نے ابھی پیش کیا' جو تقاریر کیں حقیقی بات یہ ہے کہ میں شرمسار ہوں۔ ایک ایسا ماحول بن چکا ہے۔ سب لوگ اسی ماحول کے مطابق چلتے ہیں۔ کسی میں کوئی ہمت نہیں ہے۔ جو ایک لگا لگایا ماحول' ایک رسم ہے موجودہ زمانے میں کہ مبالغہ آرائی تعریف میں اور بے شمار باتیں۔ آپ کہیں گے ان سے باتیں بھی کروائیں۔ اور اب ان کی مذمت بھی کر رہا ہے۔ میرے پاس تو کچھ لفظ ہی نہیں ہیں گفتگو کرنے لیے۔ میں بہت

شرمسار ہوں۔ میں ان لوگوں کی گفتگو سے بالکل متفق نہیں ہوں۔ اس سے تو بہتر تھا محبت رسول کی باتیں کرتے، آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی محبت کی باتیں کرتے، اولیاء ماسلف کی محبت اور عشق کی باتیں کرتے۔ پتا نہیں کیا کچھ بولتے رہے۔ دل میں آیا کہ میں نہیں بولوں بیٹھا رہوں لیکن پھر وہی کہ کہیں گے کہ بھئی ایک معمول ہے، ایک رسم ہے، چلی آ رہی ہے، آج اس طرح کیوں نہیں ہوا؟ کچھ لوگوں کے دل میں افسوس پیدا ہوگا۔ مایوسی پیدا ہوگی۔ محض اس وجہ سے خانہ پری کے لیے ورنہ تو حقیقی بات عرض کرتا ہوں میں اس قابل ہی نہیں رہا اخلاقی طور پر کہ میں ایک لفظ بھی کہہ سکوں۔ اس لیے ہم نے آپ کو یہاں جمع نہیں کیا۔ جو لوگ یہ باتیں کر رہے تھے یہ باتیں تو آپ ہر جگہ سن سکتے ہیں کہ فلاں سے بیٹا ملا۔ فلاں سے بیٹی ملی اور یہ ملا اور وہ ملا۔ ہم یہاں اس لیے جمع نہیں ہوئے۔ میرے دوستو! میں بہت شرمسار ہوں۔ ہم یہاں اپنے دل کی بستی آباد کرنے کے لیے آئے ہیں۔ دل کی بستی کا جو ہم نے حال بنایا ہے، جس طرح اس کو کھنڈر بنایا ہے، جس طرح اس کو ویران کیا ہے۔ میں اپنے دل کی بات کرتا ہوں آج اس میں الو بول رہے ہیں۔ اس میں کچھ باقی نہیں رہا۔

ہم یہاں اپنے دل کی بستی آباد کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ذوق دلانے کے لیے دوستوں کو بلاتے ہیں کہ اللہ کا ذوق ہمیں ملے۔ یہ جو ہم وسائل صرف کرتے ہیں اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ذوق ہمیں ملے۔ جب تک یہ ذوق نہیں ملے گا تو بارش کیسے برسے گی؟ اس طرح سے کیسے یہ ہمارے ویراں دل آباد ہونگے؟ کس طرح یہ بنجر زمین یہ جو دل، یہ جو گھر، یہ جو بیت ہے یہ کس طرح آباد ہوگا؟

دل گلستان تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

آج واقعی بیابانی ہے۔ میں اپنے دل کی بات کرتا ہوں آپ کو اپنے دل کا پتا ہوگا کہ کس حال میں ہے آپ کا دل۔ کوئی ایک زخم تو نہیں ہے میرے اس دل پر جس پر مرہم رکھا جائے۔ یہ غیر اللہ کے تعلقات اور دوسری محبتوں اور ان کے ساتھ وابستگیوں میں اس دل کا ایک روئیں روئیں، وہ پورے کا پورا زخمی ہو چکا ہے۔ کیا حال ہوگا اس دل کا میرے دوستو؟ آج آپ دیکھ رہے ہیں یہ پنڈال، یہ بھی کوئی مذاق نہیں ہے کہ اس کو اس طرح بنانا۔ کتنے لوگوں نے اپنا ٹائم اور وقت صرف کیا ہوگا؟ کس طرح انہوں نے انتظامات کیے ہوں گے اور کس طرح انہوں نے پلاننگ کی ہوگی؟ مہینوں اس پر سوچا ہوگا کہ اس پر یہ بھی ہونا چاہیے وہ بھی ہونا چاہیے تب یہ اس صورت میں آپ کے سامنے بنا۔ انتظامات کتنے بھی کیے گئے وہ ناکافی تھے۔ نامکمل تھے۔ تو جب اتنے معمولی سے پنڈال کو، اس پنڈال کو چھوڑیے ایک بستی، ایک شہر، ایک گاؤں، ایک دیہات کو آباد کرنے کے لیے کتنا زمانہ درکار ہوتا ہے؟ کتنا ٹائم درکار ہوتا ہے؟ بستیاں بسنے میں بڑی دیر لگاتی ہیں۔ ایسے ہی بستیاں آباد نہیں ہو جاتیں۔ سندھی میں کہتے ہیں کہ صرف باتیں کرنے سے گاؤں نہیں بن جاتے۔ تو یہ دنیا، یہ بستیاں جب آباد ہوتی ہیں اور اتنا ٹائم لیتی ہیں کیا یہ دل کی بستی ایک منٹ میں آباد ہو جائے گی؟ اس کو ہم سمجھ رہے ہیں یہ کوئی بچوں کا کھیل ہے؟ وہ دل جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ''میرا گھر ہے''۔ آپ اپنے گھر میں کس طرح صفائی کرتے ہو کس طرح اس کو اچھا بناتے ہو کس طرح اس کو سنوارتے ہو کس طرح اس کو سجاتے ہو کس طرح اس کو خوبصورت بناتے ہو اور پھر بھی تسلی نہیں ہوتی کہ نہیں میرا گھر ٹھیک نہیں ہے۔ اس میں اور بھی حسن آنا چاہیے۔ اس میں اور بھی خوبصورتی ہو۔ اس میں اور بھی چیزیں آنی چاہییں۔ تو وہ چیزیں نکال کر باہر پھینکی جاتی ہیں پھر نئی چیزیں۔ پھر بھی تسلی نہیں ہوتی۔ بھئی دنیا کے گھر کو آباد اور خوبصورت بنانے کے لیے اتنی جدوجہد اور اللہ کے گھر کو بنانے کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس

کواور بھی زیادہ غیر آباد کررہے ہیں۔ یہاں صرف ذکرالٰہی کے لیے ہمارا اجتماع ہوا ہے۔ اس کی یاد کے لیے اس کی رضا کے لیے۔ میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کو یہی چیز پسند تھی کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ جا کر بیٹھوں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، جو خدا کو یاد کرتے ہیں، جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان کے ساتھ جا کر بیٹھوں اور ان کے ساتھ جا کر ذکر کروں، صبح کو بھی اور شام کو بھی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

ہمارے مشائخ کہتے ہیں ذکر سب اچھے ہیں، سب بہتر ہیں، سب افضل ہیں، سب اعلیٰ ہیں لیکن ذکر قلبی کی بات ہی نرالی ہے۔ اس ذکر کو پانے کے لیے، اس ذکر کو سیکھنے کے لیے، اس ذکر کو اختیار کرنے کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا

جو میرا نام زبان سے بھی لے رہا ہو اور تم سمجھو کہ ہاں یہ خدا کا ذکر کر رہا ہے، مجھ اللہ کو یاد کر رہا ہے، مجھ اللہ سے محبت کرتا ہے اور میں صبح اور شام اس کے ساتھ بسر کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہیں نہیں دیکھنا کہ اس کا دل میری یاد سے غافل تو نہیں؟ زبان سے تو کہہ رہا ہے مگر یہ بات تو نہیں کہ اس کا دل میری یاد سے، اس کا دل میرے ذکر سے غافل ہو۔ پھر اگر یہ بات ہے تو اس کے ساتھ مت بیٹھنا کیونکہ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

وہ فرماتے ہیں کہ بہت سارے لوگ بظاہر انسانی شکل میں ہیں لیکن

درحقیقت وہ اندرونی خرابیوں کی وجہ سے، اپنی قلبی ویرانیوں کی وجہ سے، بیت اللہ کو، عرشِ رحمٰن کو یعنی اپنے قلب کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان پر نفس اور شیطان قابض ہو جاتے ہیں۔ ان کی دلوں میں خواہشات کے جنگل اگ آتے ہیں۔ اس قدر شیطان اور نفس ان پر حاوی ہو جاتے ہیں کہ وہ خود شیطان ہو جاتے ہیں۔ شکل انسانی، صورت انسانی، گفتگو انسانی، رنگ انسانی، لباس انسانی لیکن ان کے اعمال شیطانی ہوتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان وہ نیکوکار بن جائیں گے جس طرح ہم بن جاتے ہیں۔ لوگ ان کے ساتھ محبت کریں گے۔ یہ نیک ہیں، یہ پرہیزگار ہیں، یہ ذاکر ہیں لیکن جب ان کے دلوں کو دیکھو گے۔ اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ۔

انہوں نے اللہ کو نہیں یاد کیا، انہوں نے اللہ کو نہیں پوجا، سجدے کیے ہیں لیکن ان کے صرف سر جھکے ہیں، ان کی پیشانیاں جھکی ہیں، ان کے دل نہیں جھکے ہیں۔ اللہ نے ان کو پہچان لیا ہے۔ ان کی دلوں کو دیکھ لیا ہے۔ وہ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ او کم علم لوگو اور بیوقوف انسانو! بڑے عقلمند بنے پھرتے ہو ایسے نہ ہو کہ تم بھی اپنا ستیاناس کر دو۔ جو بظاہر مجھے پوجتے ہیں جو بظاہر مجھے یاد کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کے دل غافل ہیں لیکن چونکہ ان کے دل مردہ ہیں۔ وَلَا تُطِعۡ

ان کی تابعداری مت کرو۔ ان کے ساتھ بیٹھنا بھی مت۔ تو میں کیا عرض کر رہا تھا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ رحمت کی بارش برسے۔ جس طرح آج ہر طرف پانی پانی کی پکار ہے۔ واقعی مشکلات کا ہم شکار ہو چکے ہیں۔ آج شہروں میں بسنے والے پانی کے لیے پریشان ہیں۔ دیہات والے پہلے نہیں ہوتے تھے۔ آج وہ بھی پریشان ہیں کہ پانی کی قلت ہے۔ ہم بہت زوردار بیان بھی دیتے ہیں، احتجاج بھی ریکارڈ کرواتے ہیں لیکن ہم نے کبھی یہ سوچا ہے

ضمناً میں بات کر رہا ہوں کہ اس عظیم قربانی کا قدر ہم نے کس قدر کیا ہے؟ آج حقوق انسانی کی بات ہوتی ہے۔ آج جانور کے حقوق کی بات ہوتی ہے۔ آج قوموں کے حقوق کی بات ہوتی ہے لیکن میں آپ کو عرض کر دیتا ہوں میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ نے جو شریعت اور اسلام میں ہمیں حقوق کا درس دیا ہے اس میں نے یہ امر فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ نے تخلیق کی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً۔

اس ذات نے جو کچھ زمینوں میں پیدا کیا ہے وہ تمہارے لیے ہے۔ وہ ایک ایک چیز جس سے تم استفادہ کرتے ہو جس سے تم نفعہ پاتے ہو۔ یاد رکھو اس چیز کا حق بھی اللہ نے تم پر عائد کیا ہے۔ جب نعمت کی کثرت ہوتی ہے تو مستی مت کیا کرو۔ ایک اللہ والے کی طواف کرتے ہوئے کسی آمر جابر بادشاہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ان کا باہمی ٹکراؤ ہوگیا۔ اس فقیر کا پاؤں اس کے پیر پر آ گیا یا اس کے چوغے پر آ گیا۔ اس نے فوراً سوچا کہ میں حکمران، میں بادشاہ جس طرح میں کہتا ہوں کہ میں پیر اور لوگ میری تعریف کرتے ہیں کہ بھئی واہ واہ۔ بیڑا غرق ہوگیا۔ لوگ ساری دنیا میری پیچھے ہو لیکن میرا مالک مجھ پر اگر راضی نہیں ہے تو میں ان لوگوں کا کیا کروں گا۔ میری تو ذلت اور رسوائی ہے۔ اسی ایک کو راضی کرنا ہے۔ وہی سبق پکانے کے لیے ہم یہاں آتے ہیں۔ بڑی کتابیں، بڑے الفاظ، بڑے دلائل، ہم سن چکے اور پڑھ چکے۔ سینہ نہیں کھلا۔ سینہ بند رہا۔ عشق کے حالات حل نہیں ہوئے۔ بڑھتے چلے گئے۔ وہی ہماری مشکلاتیں، وہی ہمارے مصائب، وہی ہمارے آلام صرف اس لیے کہ تم نے دنیا کو اپنا مقصد بنالیا ہے اور اسی کے حصول میں لگے ہوئے ہو۔ جو اصل محبوب ہے وہ تو تمہارے آنکھ سے اوجھل ہو چکا۔ شاہ صاحب کا بیت مجھے بہت پسند آیا تھا میں نے یاد کیا تھا لیکن میرے ذہن سے نکل گیا ہے۔ تو میں دیکھ کر آپ کو بتا رہا ہوں کہ پڑھ پڑھ کر، پڑھ پڑھ کر وہ خود کتاب بن گئے۔ انسانیت

ان میں رہی ہی نہیں۔ اللہ نے تو ان کو انسان بنایا تھا۔ جس میں ایک دکھ اور درد کو محسوس کرنے والا دل رکھا تھا۔ محبت کرنے والا قلب رکھا تھا۔ جو ڈرتا بھی تھا۔ جو اللہ سے امید بھی رکھتا تھا۔ جو لوگوں کا درد بھی محسوس کرتا تھا۔ جو لوگوں سے پیار بھی کرتا تھا وہ ختم ہو گیا۔ جیسے جیسے پڑھتے چلے جاتے ہیں دل میں کڑھتے نہیں ہیں، اپنے محبوب کی محبت میں نہیں کڑھتے۔ اس علم کو حاصل کرنے کے بعد افسوس نہیں کرتے، ندامت نہیں کرتے۔ ہم نے عمل کچھ بھی نہیں کیا اور پڑھنا چاہتے ہیں اور پڑھنا چاہتے ہیں۔ تو جوں جوں صرف پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں اتنے گناہ ان پر اور لگائے جاتے ہیں، لگائے جاتے ہیں۔ خوف ہی نہیں ہے۔ اللہ کا خوف ہی نہیں ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ اس مالک کو ہم بھلا تو نہیں چکے ہیں۔ ''میں وہ میں'' پھنس تو نہیں چکے ہیں۔ یہاں اس مقصد کے لیے آئے ہیں، اس غرض وغایت کے لیے آئے ہیں کہ اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو ہم دوبارہ جوڑ دیں۔ ہمیں کسی اور دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں۔ اے میرے مولا تو ایک ہی میرے لیے کافی ہے۔

الف ہکو ہی بس وے میاں جی

الف کہی دل کس وے میاں جی

اے میرے مولا! تیرا ایک نام میرے لیے کافی ہے۔ میں چاہتا ہوں میں تیری محبت میں فنا ہو جاؤں۔ تیرے حضور کو پالوں۔ اگر تیرے حضور تک میری رسائی نہیں تو کم از کم ان لوگوں کے قریب ہو جاؤں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور اگر ان کے قریب نہیں بھی ہو سکا تو ان کے جوتی بردار کے لسٹ میں ہی میرا نام شامل ہو جائے۔ یہی میرے لیے غنیمت ہے۔ مجھے ضرورت نہیں ہے کسی اور لقب کی۔ کسی اور فضیلت کی۔ کسی اور مقام کی۔ تو میرے دوستو! یہی بات میں عرض کر رہا تھا کہ بھئی جس مقصد کے لیے آئے ہو، جس غرض کے لیے آئے

ہو اس غرض کو اپنے ذہن سے محومت ہونے دو۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ بلکہ ہمارا حال وہی ہونا چاہیے، میں مثال دے رہا تھا پانی کی قلت ہو چکی ہے۔ بیان بازیاں دی جا رہی ہیں۔ میں نے پھر آیت کریمہ تلاوت کی۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

جو کچھ بھی زمین میں تخلیق کیا گیا ہے تیرے لیے۔ انسان تیرے لیے ہے۔
تو میرے آقا نے فرمایا یہ نعمتیں تیرے لیے ہیں لیکن یہ نہیں کہ نعمت کو پاؤ اپنا پیٹ بھرو پھر اس کو یوں پھینک دو۔ پھر اس کی ناقدری شروع کر دو۔ حضور نے فرمایا نہیں اس پانی کا بھی تیرے اوپر حق ہے۔ میں عرض کروں گا کہ آنحضرت ﷺ نے ماں باپ کے بھی حق بتائے ہیں، بچوں کے بھی حقوق بتائے ہیں، پڑوسیوں کے بھی حقوق بتائے ہیں اور بڑے تفصیل سے۔ بہت تفصیل سے۔ بہت تفصیل سے۔ پڑھ کر دیکھو۔ عبادات تو بہت پڑھی ہونگی آپ نے کبھی یہ چیزیں بھی پڑھ کر دیکھو۔ حضور نے پڑوسیوں کے حقوق بتائے ہیں، یتیموں کے حقوق بھی بتائے ہیں، بیواؤں کے حقوق بھی بتائے ہیں بلکہ خود عمل کر کے دکھایا ہے۔ جو محبت، جو شفقت، جو رفعت، جو رحمت آپ ﷺ کے سینے میں اللہ کی جمیع مخلوق کے لیے تھی اس کا مثال ہمیں نہیں ملتا۔ تاریخ کو کھنگال کے دیکھ لیں نہیں ملے گی بلکہ آپ ﷺ نے ان سب کے ساتھ انسانیت کے حقوق بھی بتائے ہیں کہ اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں بلکہ وہ چیزیں جن کا ہم اپنے اوپر کوئی حق نہیں سمجھتے جیسے کہ پانی۔ اس کا بھی ہمیں حق بتایا ہے۔ اس کا بھی تیرے اوپر حق ہے۔ کبھی سوچا ہوگا ہم نے جو روٹی لے رہے ہیں اس کا بھی ہم پر حق ہے۔ جو پانی لے رہے ہیں اس کا بھی حق ہے ہم پر۔ جانوروں کے بھی حقوق ہمیں حضور نے بتائے ہیں۔ ایک سفر کے موقع پر کچھ صحابہ میرے آقا کے ساتھ ہیں وہ سفر کے دوران ایک منزل پر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ صحابہ رہائش کی جگہوں کو تیار کرنے میں مشغول ہو جاتے

ہیں۔ کچھ صحابہ کھانے پینے کے بندوبست میں شامل ہو جاتے ہیں وہ چولھا جلاتے ہیں۔ آپ ﷺ جب وہاں پہنچتے ہیں نظر آ رہا ہے آپ کو کہ چیونٹیوں کا ایک بل ہے جہاں سے وہ اندر جا رہی ہیں اور باہر نکل رہی ہیں اور اس آگ کے چولھے کے قریب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فوراً آگ بجھاؤ، آگ بجھاؤ، آگ بجھاؤ۔ تین مرتبہ فرمایا۔ صحابی حیران رہ گیا۔ ''حضور کیوں کیا غلطی ہوئی ؟'' آپ ﷺ فرمایا ''یہاں چیونٹیوں کا بل ہے۔ ان کو تکلیف مت پہنچاؤ۔ ان میں سے کوئی جل نہ جائے، کسی کو تکلیف نہ آئے۔ یہاں سے اٹھو کہیں اور آگ جا کے جلاؤ''۔ تو یہ میرے آقا کی محبت تھی جانوروں کے ساتھ۔ ایک مرتبہ صحابہ کی معیت میں کہیں تشریف لے جا رہے ہیں حالانکہ مجھے تو پہلے والدین کے حقوق بتانے چاہییں پھر مجھے بتانا چاہیے تھا کہ والدین کے، بچوں کے کیا حقوق ہیں۔ پھر مجھے بتانا چاہیے تھا کہ زوجین کے باہمی حقوق کیا ہوتے ہیں۔ یہ لمبی بات ہو جائے گی تو میں نے جانوروں کے حوالے سے بات کی ہے۔ ہم تو کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ گھر میں گدھا کھڑا ہوا ہے بھوکا ہے، پیاسا ہے، میری بلا سے۔ کچھ پرواہ نہیں ہے۔ مرغیاں ہیں گھر میں ان کی کچھ پرواہ نہیں۔ پرندے پال رکھے ہیں ان کی کچھ پرواہ نہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ہمیں جو درس دیا ہے وہ سوچنے اور عمل کرنے کے قابل ہے۔ سفر میں تشریف لے گئے، کسی پرندے کے چھوٹے سے ننھے منے سے وہ پیارے بچے وہ کسی صحابی کو پسند آئے۔ وہ ہاتھ میں پکڑ کر لائے۔ مجھے بھی بڑے پسند ہوتے ہیں مرغیوں کے چوزے۔ چھوٹے چھوٹے بہت پیارے لگتے ہیں۔ مجھے یاد ہے میں بالکل چھوٹا تھا تو ہم نے ایک مرغی رکھی۔ اس کو ہم نے شوق سے انڈوں پر بٹھایا۔ جب اس کے چوزے نکل آئے تو اس مرغی کی بچوں سے محبت، بچوں کی مرغی سے محبت یہ مجھے اتنا پیارا رشتہ لگتا تھا اتنا پیارا کہ آج تک میں دیکھتا ہوں تو میں کھو جاتا ہوں۔ کیا ان جانوروں میں پیار اور محبت ہے۔ انسان تو بھیڑیا بن چکا ہے۔ کیا نہیں ہو رہا ہے

ہمارے معاشرے میں۔ تو میں گھنٹوں بیٹھ کر ان کو دیکھتا تھا خصوصاً وہ شام کا ٹائم' اندھیرا پھیلنے کا وقت' سردی کا موسم' ٹھنڈی ہوائیں' چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ماؤں کو یاد آتے ہیں۔ اس بے زبان مرغی کو اپنے چھوٹے چھوٹے چوزے یاد آتے ہیں۔ وہ اپنے پروں کو یوں پھیلا دیتی ہے وہ اس کے پروں میں گھس جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا نظارہ ہوتا ہے۔ کس نے اس کے دل میں یہ محبت ڈالی؟ کوئی کتاب پڑھا ہے انہوں نے؟ کہاں سے پیار سیکھا ہے؟ واللہ میرے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں جب یہ نظارا میں دیکھتا ہوں۔ جب ہمیں اللہ نے نصیب کیا کہ خانہ کعبہ میں پہنچے۔ دوست میرے ساتھ تھے۔ جو میرے ہم سفر تھے وہ موجود ہیں۔ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم رکن یمانی کی طرف سے مطاف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رمضان شریف کے دن تھے۔ گرمی کا موسم نہیں تھا۔ خانہ کعبہ کا سایہ سورج غروب ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ آگے ڈھل رہا تھا۔ تو ایسا انعام اور احسان ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے بڑھتے' وہ سایہ ہمارے اوپر بھی آگیا۔ تو میرے ساتھ جو دوست بیٹھے ہوئے تھے میں نے کہا یہ رحمت الٰہی ہے۔ دیکھو جس طرح وہ مرغیاں اپنے چھوٹے چھوٹے چوزوں کو اپنے پروں میں میں چھپا لیتی ہیں۔ اللہ کی رحمت نے آج ہمیں اپنے پروں میں چھپا لیا ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں ہم۔ مجھے وہی تحفظ محسوس ہو رہا تھا جو ایک چھوٹا چوزہ' ایک بے زبان' بے سمجھ مرغی کے پروں میں محسوس کرتا ہے' اس میں چھپ جاتا ہے۔ تو میں وہی تحفظ وہاں محسوس کر رہا تھا۔ وہ رحمت الٰہی کی کرنیں وہ احساس دل میں آرہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ایک عجیب سرور مل رہا تھا۔ تو وہ محبت اللہ تعالیٰ کی جو بندوں کے ساتھ ہے جب میں مرغی کو دیکھتا ہوں تو اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اے میرے مولا ہم بھی گنہگار ہیں' ہم بھی نفس اور شیطان کے مارے ہوئے ہیں' ہم نے بھی اپنے اوپر ظلم کیا ہے اپنے پیروں پر ہم نے خود کلہاڑی ماری ہے' تیرے حدود کو توڑا ہے' تیرے حقوق کا خیال نہیں کیا'

بندوں کے حقوق کا خیال نہیں کیا لیکن یارب العالمین کیا اس طرح ہمارے لیے بھی ہو سکتا ہے جس طرح شام کو وہ مرغی اپنے چوزوں کو چھپا لیتی ہے۔ تیری رحمت تو بہت بڑی ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم

توں کہ بادشمناں نظر داری

تو تو اپنے دشمنوں کو بھی رحمت میں ڈال دیتا ہے۔ ویسے ہمارا حال تو وہی ہے جو حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ وہ اشعار عجیب ہیں کہ میں اپنے آپ کو کس طرح پاتا ہوں۔ وہ اپنی کیفیت کو بیان کرتے ہیں

نہ در اسلام شایانم نہ در کفار یا اللہ

میرا حال تو ویسا ہو چکا ہے کہ مسلمانوں میں جاتا ہوں وہاں بھی میں اپنے آپ کو گنہگار پاتا ہوں وہاں سے بھاگ جاتا ہوں۔ نہ میں کفار میں نہ میں مسلمانوں میں۔ یعنی کہ اپنے اعمال کی نفی کرتے ہیں۔ اپنی انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اے میرے مولا میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

تو میں یہ آپ کو عرض کر رہا تھا کہ وہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہیں ان کا حق ہمارے اوپر ہوتا ہے۔ یہ ایک سبق ہے۔ ہم سب کو یہ بھی حضور نے بتایا۔ یہ ہمیں اولیاء کاملین واصلین باللہ نے محبت اور عشق سے بتایا ہے۔ جس طرح میرے شیخ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے پانی لیا اور اس نے دو گھونٹ لیے اور باقی سارا پانی یوں زمین پر گرا دیا۔ وہاں جو بندہ خداوند اللہ والے، محبت کے متوالے وہاں کھڑے تھے۔ انہوں نے یہ منظر دیکھا بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے سوچا کہ حضرت کو کیا ہوا۔ کوئی ان کے ہاتھوں کو ملنے لگا، کوئی ان کے پاؤں کو ملنے لگا، کسی نے کچھ حیلہ کیا، کسی نے کچھ حیلہ کیا۔ کافی وقت کے بعد جب وہ ہوش میں

آئے تو دوستوں نے عرض کیا کہ حضرت کس چیز نے آپ کو اس قدر مدہوش کیا؟ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے روتے ہوئے فرمایا کہ اس بندے کو میں نے دیکھا۔ پانی گلاس میں لیا دو گھونٹ پیے باقی پورا گلاس اس نے زمین پہ گرا دیا۔ میں نے سوچا یہ کتنی بڑی نعمت ہے اور اس پانی کا اللہ نے ہم پر حق رکھا ہے۔ جس طرح یہ اس کو ضائع کر رہا ہے اگر اللہ کو غیرت آ جائے اور پانی سے ہمیں محروم کر دے تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ ہے ہمیں اس نعمت کا قدر؟ یہ ہوا۔ جس میں سب سانس لے رہے ہیں کس قدر ضروری ہے۔ کتنی انمول ہے۔ ہے ہمیں اس کا قدر؟ کس نے دیا ہمیں یہ سورج؟ جو نکل آتا ہے تمہاری روشنی کے لیے۔ کس نے دیا ہے یہ؟ جب بھی سورج نکلتا ہے واللہ اس نظر سے دیکھو یہ اللہ کی محبت کا پیغام لے کر آیا ہے اس کے بندوں کے لیے کہ سورج بھی تیرے لیے حاضر ہے۔ لو یہ ہوا بھی میرے بندو تمہارے لیے حاضر ہے۔ لو یہ پانی بھی تمہارے لیے حاضر ہے لیکن ہم کیا کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور شعر ہے۔ جب آپ جا رہے تھے حج کے لیے اس واقعے کو شعروں میں بیان کیا ہے۔ وہ شعر تو مجھے یاد نہیں آ رہا ہے تو ان کو پیاس لگی۔ ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے آپ نے پانی پیا۔ منہ دھویا اور بیٹھ گئے۔ اتنے میں دیکھا دور سے بکریاں دوڑتیں ہوئی آئیں۔ بہت پیاسی تھیں۔ پانی کو دیکھا ان کا ہوش جاتا رہا۔ جا کر پانی پر ڈھے گئیں۔ گھٹنوں کے بل گر گئیں اور بڑی تیزی سے وہ پانی کو پینے لگیں۔ جب وہ پانی پی کر فارغ ہوئیں، ان کی پیاس ختم ہوئی، ہوش بحال ہوا۔ بڑے مزے سے وہاں کھڑے ہو کر جگالی کرنے لگیں اور وہیں پر مینگنیاں گرانے لگیں اور اسی پانی میں پیشاب کرنے لگیں۔ شاہ صاحب کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اللہ والوں کی رمز کچھ اور ہوتی ہے۔ ہم تو ظاہر پرست ہیں۔ سندھی میں کہتے ہیں کیا دال کیا بسم اللہ۔ جس طرح کہ اردو میں کہتے ہیں حلوے کھانے کے لیے منہ چاہیے۔ ہمارا نہ منہ نہ شکل اور چلے

ہیں عاشق بننے ۔شاہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ کہنے لگے اے میرے پروردگار کیا نظارا تو نے مجھے دکھایا۔ بکریاں پیاسی تھیں' پانی کے لیے مر رہی تھیں ۔ پیٹ بھر گیا تو پانی کی بے قدری شروع کردی۔ اے عبداللطیف تو بھی مکہ مدینہ جارہا ہے۔ وہاں حاضری تو دے گا یہ تو نہیں کہ دیکھنے کے بعد تمہارا ابھی پیٹ بھر جائے اور وہیں پر تم بھی بے ادبی شروع کردو۔ پھر انہوں نے کہا اے میرے حبیب' اے میرے محبوب میں تمہیں ڈھونڈتا ہی رہوں' ڈھونڈتا ہی رہوں' ڈھونڈتا ہی رہوں کبھی بھی نہ پاؤں۔ یہ کیفیت ہے ان اللہ والوں کی ۔کہ جو میری تمنا ہے' میرا جذبہ ہے' میرا شوق ہے' میری پیاس کی شدت ہے اے میرے مولا ایسے نہ ہو کہ میں حبیب کے قدموں میں پہنچوں اور وہ میری پیاس کم ہو جائے۔ اس کو بھی میں بے ادبی سمجھتا ہوں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ بھائی یہ پیاس بنیاد ہے۔ یہ پیاس' یہ شدت پیاس' یہ طلب یہ جستجو بنیاد ہے۔ کیا کہا گیا ہے۔

در طلب مردن شرط است

یہ نہیں کہا گیا کہ پہنچ گئے تو تم کامل ہو گئے اور اب تم سب پا گئے ۔ جو کوئی بھی ہمیشہ اپنے دل میں طلب کو محسوس کرے مرتے دم تک تبھی کامیابی ممکن ہے۔ اگر یہ طلب جس کی طرف شاہ صاحب نے اشارہ کیا ہے' یہ کم ہو گئی تو پھر ناکامی اور نامرادی مل سکتی ہے۔ تو یہ طلب یہ جستجو' جس طرح کسی شاعر کا شعر ہے:

یا بم یا نیابم آرزوئے مے کنم

اے میرے مولا میں تمہیں پا سکوں یا نہ پا سکوں ۔تمہارے حضور میں پہنچ سکوں یا نہ پہنچ سکوں' آرزو کرتا ہوں' آرزو کرتا ہوں۔ سبحان اللہ

حاصل آید یا نہ آید جستجوئے مے کنم

کچھ ملے یا نہ ملے جستجو تو میری قائم ہے۔ بس مجھے اسی جستجو میں ہی رکھیو۔ اسی طلب میں ہی رکھیو اسی شوق میں ہی رکھیو۔ کبھی میرا شوق، کبھی میرا یہ عشق، کبھی میرا یہ جذبہ کم نہ ہونے پائے۔ اس میں اضافہ ہو۔ اس میں ترقی ہو۔ اسی طرف اللہ نے اشارہ فرمایا: يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔

نہیں نفع دے گا مال۔ ہمیں مال پر بہت اعتماد ہے۔ نفع نہیں دے گی تمہیں تمہاری اولاد۔ بہت پیاری ہے تجھے اولاد۔ قریش میں یہ رواج تھا کہ جس کے پاس مال زیادہ ہو اور اولاد زیادہ ہو تو وہ اپنے آپ کو سرداری کے قابل سمجھتا تھا کہ ہاں میں سردار بننے کے قابل ہوں۔ کیونکہ میری اولاد بھی ہے اور میرے پاس مال بھی ہے۔ آج بھی ویسا ہی ماحول ہے ہمارے دیہات میں کہ جس کے بیٹے زیادہ ہوتے ہیں۔ بھلے ان کو تعلیم نہیں دی، انکی تربیت نہیں کی، ان کو کچھ اخلاق نہیں سکھایا، نہ ان کو کوئی سلیقہ، نہ کوئی ادب نہ آداب سکھایا لیکن پھر بھی وہ زیادہ بیٹے ہونے پر فخر کر پھرتا ہے۔

تو جو کچھ اللہ نے نعمتیں تخلیق کی ہیں اس کا ہم پر حق رکھا ہے۔ وہ حق کیا ہے کہ اس نعمت کی جو بنیادی افادیت ہے، جس طرح پانی ہے۔ اس کی بنیادی افادیت کیا ہے کہ پیاس بجھائے۔ اس کی بنیادی افادیت کیا ہے؟ کھیت کو سرسبز و شاداب بنانا۔ اس کی بنیادی افادیت کیا ہے؟ پاک بنانا۔ جسم کو صاف بنانا۔ اب ہمارے اوپر اس پانی کا حق ہے کہ اس کی بنیادی افادیت کو خراب مت کریں۔ یورپ والے آج ہمیں سکھاتے ہیں۔ بھئی ہمیں تو پہلے ہی کالی کملی والے نے، ہمارے آقا نے سکھا دیا لیکن آج ہمیں شوق ہی نہیں ہے ان باتوں کو پڑھنے کا، کرامتیں پڑھنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ بے شک اللہ والوں کی کرامتیں برحق ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن موجودہ زمانے میں جو بات اسلام نے ہمیں سکھائی تھی۔ وہ کوئی اور سکھانے

آ جائے اور ہمیں یہ طعنہ دے کہ تمہارا دین تو کچھ بھی نہیں۔ تمہارے مذہب میں تو کچھ بھی نہیں۔ شریعت میں تو کچھ بھی نہیں۔ چند عبادات ہیں۔ تو اس لیے ہمیں ان سب باتوں کو سمجھنا چاہیے اور صرف پڑھنا کافی نہیں ہوتا بلکہ عمل سے اوروں کے سامنے ثابت کریں کہ ہاں اگر پانی ہے تو اس کا بھی ہم پر حق ہے اور اس کی حق ادائیگی ہم کر رہے ہیں۔ اس طرح سے دیگر نعمتیں مثلاً ہوا ہے۔ میں اگر تفصیل میں جاؤں گا تو آپ کہیں گے یہ کیا باتیں اس نے اخبار والی بیان کرنا شروع کر دی ہیں۔ یہ باتیں اکثر لوگوں کے سروں کے اوپر سے گذر جاتی ہیں۔ میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حوالے سے کہہ رہا ہوں کہ اس ہوا کی بنیادی افادیت کیا ہے کہ ہم سانس لیں اور یہ ہوا ہمارے پھیپھڑوں کو تازہ دم بنائے۔ ہمارے خون کو صاف بنائے۔ ہماری قوت کو بحال کرے۔ اس ہوا کا کیا فائدہ ہے؟ جب چلے تو ہمارے پسینے کو خشک کرے۔ ہمارے جسم کو فرحت بخشے۔ اس ہوا کا بنیادی فائدہ کیا ہے؟ جب کسی خاص موسم میں چلے تو ہمارے کھیتوں کو تیار کرے۔ وہ پک کر تیار ہو جائیں۔ کیا کیا باتیں بتائیں' کیا باتیں بتائیں سبحان اللہ کیا نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی۔ اب ہمارے اوپر یہ حق ہے کہ ان کی بنیادی افادیت کو خراب مت کریں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے مگر کیا ہم کرتے ہیں خیال؟ اس ابتلاء اس آزمائش کے آنے کے بہت ساری وجوہات ہیں۔ ان میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نعمت الٰہی کی ناقدری ہم نے انتہا تک پہنچا دی۔ ہم کہیں گے کہ بھئی تسبیح پڑھ رہا ہوں۔ ہم کہیں گے نماز میں پڑھ رہا ہوں۔ عمرے پر گیا تھا۔ ماں باپ کو حرام ہو جو ایک پیسہ بھی دے۔ عمرے کا بڑا شوق ہے۔ میں منع نہیں کر رہا ہوں عمرے سے لیکن ارشاد ربانی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے اگر تمہارے پاس ملکیت اور مال ہے تو اس کو خرچ کس طرح کرنا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

اگر تم کوئی چیز' فائدہ مند چیز' نفعہ پہنچانے والی چیز خرچ کرنا چاہتے ہو تو پھر یہ خرچ کرو تم اپنے والدین پر۔ تو پھر یہ خرچ کرو تم اپنے عزیزوں پر' قریبوں پر۔ میں نہیں کہہ رہا ہوں مالک مختار کہہ رہا ہے۔ ہمیں تو مزہ نہیں آئے گا۔ عمرے پر جائیں گے تو بھئی سب کو پتا چلے گا۔ اخبار میں خبر لگے گی فلاں صاحب حج و عمرہ کر کے آ گئے ہیں۔ بھئی گئے تو تھے مگر کیا واقعی تمہارا جانا محبوب کی خدمت میں پسندیدہ بھی تھا؟ کیونکہ آپ ﷺ جہاد پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ صحابہ جا رہے ہیں۔ ایک آ کر کہتا ہے حضور میں بھی ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ حضور نے فرمایا جاؤ جا کر ان کی خدمت کرو تمہارا جہاد یہی ہے۔ یہاں تک کہ جن مجاہدین کو والدین کی اجازت نہیں ہوتی تھی تو حضور ﷺ کی بھی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ تم جہاد پر چلو۔ میرے دوستو! یہ صرف اپنے خیال پر چلنے والی بات نہیں ہونی چاہیے کہ جو مجھے پسند آئے گا وہ میں قبول کروں گا۔ اس طرح دیگر مذاہب کے لوگ کرتے تھے۔ جو چیز ان کو پسند آتی تھی ان کو اختیار کر لیتے تھے اور جو چیز ان کے نفس کے خلاف ہوتی تھی اس کو رد کرتے تھے۔ ہم بھی خیرات کریں گے اپنے دوستوں پر۔ ریستوران میں بڑا کھانا کھلائیں گے۔ خیرات کریں گے ہم اپنے خوش آمدیوں پر تا کہ وہ کہیں کہ واہ واہ یہ سخی ہے۔ بڑے بیوقوف ہیں۔ بڑے احمق ہیں۔ یہ حضور کی تعلیم نہیں ہے۔ خوش آمد کرنے والے کے متعلق آپ ﷺ نے کہا کہ اس کو کہو کہ تمہارے منہ میں دھول۔ اس خوش آمد کرنے والوں نے اس ملک کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ یہ جو آج مشکلاتیں' دقتیں نظر آ رہی ہیں یہ انہیں خوش آمدیوں کا نتیجہ ہے۔ جب بھی تمہارے اردگرد خوش آمد کرنے والے جمع ہو جائیں سمجھو بیڑا غرق ہو گیا۔ بھئی یہ تو بڑا پیر ہے۔ اس کی تو بڑی کرامتیں ہیں۔ اتنی کسی کی جماعت نہیں ہے۔ تباہی و بربادی

کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بھئی یہ جو ساری جدوجہد پوری زندگی میں اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ مالک ہم پر راضی ہو جائے۔ بھئی یہ ڈھنگ سیکھنے کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس اسی لیے جایا جاتا ہے۔ بیشک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دعا قضا کو رد کرتی ہے کیونکہ میرے آقا ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم مانتے ہیں لیکن یہ خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اگر سنے تو بھی اس کی مرضی اگر نہ سنے تو بھی اس کی مرضی۔ ہم تو اس کی ملکیت ہیں۔ ہم یہاں یہ بھی سیکھنے آئے ہیں کہ عبدیت کا مفہوم کیا ہے؟ وہ ہمارا مالک ہے۔ کہے گا اٹھو اٹھ جائیں گے۔ کہے بیٹھو بیٹھ جائیں گے۔ کہے کہ تم سو جاؤ ہم سو جائیں گے۔ بھئی یہ بات ایک دن میں سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے پہلے کہا تھا کہ دل کی بستی آباد کرنی ہے۔ اس پنڈال کو تعمیر کرانے میں، بنانے میں بڑے دن لگے ہونگے۔ بستی کو بنانے میں بھی بڑے دن لگتے ہیں۔ کسی کراچی جیسے شہر کو آباد کرنے میں کتنا عرصہ، کتنے سال بلکہ کہا جائے صدی درکار ہے تو دل کی بستی آباد کرنا اس سے بھی مشکل ہے۔ یہ تب آباد ہوتی ہے کہ جب تم اس جدوجہد میں، اس فکر میں، اس کوشش میں لگے رہو۔ تمہیں فکر ہو اس بستی کو آباد کرنے کا، تمہیں فکر ہو اس کو سجانے کا۔ کیوں میں زور دے رہا ہوں کیونکہ میرے رب نے فرمایا

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔

نفع نہیں دے گا مال۔ نفع نہیں دے گی اولاد بلکہ سجا ہوا دل، سلیم، سنورا ہوا دل چاہیے اور پھر یہ بھی ہو کہ خدا تعالیٰ کیسی سنوار چاہتا ہے۔ اس کی پسند تو دیکھو۔ میں اپنی بیوی کی پسند کو دیکھوں گا۔ اپنے بیٹوں کی پسند دیکھوں گا۔ دوستوں کی پسند دیکھوں گا۔ بھئی اس طرح مالک کی سجاوٹ کا معیار کیا ہے وہ تو میں نہیں جان سکتا۔ اب جاننا یہ ہے کہ اس کی سجاوٹ کا معیار کیا ہے؟ کس قسم کی سجاوٹ مطلوب ہے؟ تو جو اس کا معیار ہے، جو اس کو سجاوٹ مطلوب ہے اس کو جاننے کے لیے اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں لیکن ہم یہاں یہ بھی سیکھنے آئے ہیں کہ اللہ والوں

کے پاس کس نیت سے، کس لیے جانا چاہیے۔ بھئی آج ہمارا وہ حال ہو چکا ہے اگر کوئی پیر صحیح راستے پر بھی چلنا چاہے تو ہم جو مرید ہوتے ہیں اسے غلط راستے پر لے آتے ہیں۔ زبردستی پیسے دے کر، اس کو بے شمار غلط روایتوں میں پھنسا کر اس کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ وہ جس طرح کہتے ہیں کہ ڈبہ پیر۔ تو ہم یہ معتقدین ہی ہوتے ہیں جو اچھے بھلوں کا خانہ خراب کر دیتے ہیں۔ ایک مثال مشہور ہے ایک کوے کو ماوے کا چھوٹا ذرہ مل گیا تھا۔ وہ اسے چونچ میں لے کر درخت پر بیٹھ گیا اور وہ ماوے کو کھانے لگا۔ بڑا مزیدار تھا۔ گیدڑ وہاں سے گذر رہا تھا۔ اس نے سوچا واہ واہ اس کوے کے تو مزے ہو گئے کہ اس کے پاس ماوا ہے۔ ہم تو ماوا کہتے ہیں۔ اردو میں شاید کھویا کہتے ہیں۔ تو وہ کھویا اس کے منہ میں ہے۔ یہ دیکھ کر اس گیدڑ کے منہ میں پانی بھر آیا وہ نیچے بیٹھ کر سوچ سوچنے لگا کہ یہ کیسے کھویا حاصل کیا جائے؟ سوچ کر اس کو کہنے لگا ماشاءاللہ نام تو کوے کا سنا تھا آج دیکھنے کو ملا ہے۔ تعریف تو بڑی سنی تھی لیکن آج نظارہ ہوا ہے۔ کیا حسن ہے۔ کیا خوبصورتی ہے۔ رنگ تو دیکھو سیاہ۔ واہ واہ کیا حسین خوبصورت کلر ہے۔ کوا بھی اپنے اندر سوچنے لگا کہ واقعی میں کچھ ہوں تو وہ بھی خوش ہو کر پھیلنے لگا۔ اس نے کہا واہ واہ صورت بھی دیکھ لی اب پر بھی دیکھ لیں ذرا پروں کو تو پھیلاؤ۔ اس نے پر کھول کر پھڑ پھڑائے۔ گیدڑ کہنے لگا واہ واہ کتنے حسین پر ہیں۔ یہاں تو کسی اور پرندہ کا مقابلہ ہی نہیں ہے۔ پھر اس نے کہا پر بھی دیکھ لیے، چونچ بھی بڑی خوبصورت ہے لیکن میٹھا میٹھا آواز نہیں سنا۔ آج میٹھا آواز سننے کو ملے تو ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ کوا تو پہلے ہی اس کی تعریف میں آ چکا تھا جس طرح ہم پیر آ جاتے ہیں۔ کوئی کچھ تعریفیں کر رہا ہے، کوئی کچھ تعریفیں کر رہا ہے۔ تو اس کوے نے بھی اپنی چونچ کھول کے کائیں کی آواز نکالی۔ اب کوے کی آواز کیا ہوتی ہے؟ دماغ کو خراب کر دیتی ہے۔ اس میں کیا حسن ہوگا؟ جیسے ہی چونچ اس نے کھولی تو کھویا نیچے گر پڑا اور وہ خوش ہو کر زیادہ کائیں کائیں کرنے لگا۔ گیدڑ نے

وہ کھو یا لیا اور چلتا بنا۔ اس نے سوچا وہ گیدڑ کہاں جا رہا ہے۔ ابھی تو میں نے ایک قرأت سنائی ہے پانچ قرأتیں تو پیچھے ہیں۔ تو گیدڑ نے کہا کہ بھئی مجھے تمہاری آواز کے ساتھ کوئی کام نہیں تھا۔ مجھے کام کی چیز مل گئی مہربانی اور وہ چلتا بنا۔ تو بھئی ایسے ہی ہوتا ہے۔ جو تھوڑی بہت نیکی ہوتی ہے معمولی سی، وہ بھی اس طرح مریدین چھین لیتے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ تمہاری دعا سے یہ ہو گیا، اب دعا سے یہ کر دو جس طرح وہ ڈبہ رکھتے ہیں اور اس میں فرمائشیں ڈالتے ہیں۔ یہ فرمائش پوری ہو، یہ فرمائش پوری ہو پھر وہ پیر بھی فرمائش گاہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ اصل جو بڑا ہوتا ہے اس کو بھول جاتا ہے پھر ''میں وہ میں'' ہو جاتا ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ سجا ہوا دل اللہ کی بارگاہ میں کام آئے گا۔ وہ سجاوٹ ہمیں یہاں سیکھنی ہے۔ اس دل کو سجانا ہے۔ اس کو پہلے تو گندگی سے، خرابیوں سے خالی کرنا ہے۔ جیسے ہم جب گھر لیتے ہیں، خریدتے ہیں تو اس میں سینکڑوں خرابیاں ہوتی ہیں۔ گرد و غبار ہوتا ہے، مٹی اور دھول ہوتی ہے، اس میں جھاڑیاں اُگی ہوتی ہیں، اس میں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر ہوتا ہے، رنگ خراب ہو چکا ہوتا ہے، دروازے ٹوٹ چکے ہوتے ہیں، کھڑکیاں ٹوٹی ہوئی ہوتی ہیں، اس کا کوئی بورڈ وغیر سلامت نہیں، نہ لائیٹنگ کا کوئی سسٹم ہوتا ہے۔ من جملہ سینکڑوں خرابیاں ہوتی ہیں۔ تو پہلے یہ سب مٹی، گرد و غبار سے اٹی ہوئی چیزیں سب نکالی جاتی ہیں پھر اسکی سجاوٹ کی باری آتی ہے پھر آہستہ آہستہ گھر کو سجایا جاتا ہے۔ اس طرح پہلے تو کرینگے اس دل کو خرابیوں سے آزاد۔ سب سے بڑی خرابی غیر اللہ کی محبت ہے۔ دنیا کی محبت ہے۔ ہے ہمت کہ ہم اس دنیا کی محبت کو اپنے دل سے آزاد کریں؟ یہ کہنا آسان ہے۔ کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ جو باتیں اس ناچیز گنہگار کی دل میں ہیں وہ میں آپ کو عرض کر رہا ہوں۔ آپ چاہیں گے ہم ملیں اور کچھ کہیں کہ وہ بھی بات، وہ بھی بات۔ بھئی مجھے فائدہ اس بات میں نظر آ رہا ہے کہ جو میں ابھی آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ تو میرے دوستو یہ بات کہ دنیا کی محبت سے دل کو

آزاد کرالینا۔ یہ کہنا آسان ہے مگر یہ کرنے کے لیے صبر چاہیے ۔استقامت چاہیے ۔ الاستقامة فوق الكرامة۔

کرامت سے بڑھ کر ہے استقامت ۔اسی لیے تو کہا گیا ہے ہما شما کی بات نہیں ۔محبوب الٰہی حقیقی کی رضا اور خوشنودی کا طالب چاہیے۔ جو اس کے نام پر خوش ہو جاتا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ مجنوں کے سامنے کوئی گذر رہا تھا کہ اس کو خاک سے بھرا ہوا دیکھا۔ پھٹا ہوا گریبان، گرد و غبار سے اٹے ہوئے بڑے بڑے بال تو اس نے کہا جس طرح کہ شاعر نے بیان کیا ہے۔

یکے پرسی ز از مجنوں غمگین　　زلیلیٰ تو چہ می خواہی اے مسکیں

تو کیا ہو گیا ہے؟ غریب ہو گئے ہو، مسکین ہو گئے ہو۔ تم بڑے امیر کے بیٹے ہو۔ بڑے صاحب عقل ہو۔ صاحب حیثیت ہو۔ تو مجنوں تو فدا تھا، محبت میں فنا تھا، اپنے یار کی رضا کا جویا تھا، اس کے علاوہ اس کو کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ تو مجنون نے لیلیٰ کا نام سنا، اس کی ہمت جواب دے گئی اور لیلیٰ کا نام سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہم اللہ کا نام سنتے ہیں ہمارے روئیں بھی نہیں اٹھتے۔ ہمارے روئیں میں کوئی حرارت نہیں آتی اور مجنوں نے لیلیٰ کا نام سنا بے ہوش ہو گیا!

تو از من چند معنیٰ جوئے باشی　　ترا ایں بس کہ لیلیٰ گوئے باشی

تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ لیلیٰ کیا ہے؟ میں کہتا ہوں محبت سے لیلیٰ کہہ کر تو دیکھو۔ یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ ایسے اللہ اللہ آپ نے کیا ہوگا۔ یہ گنہگار، بدکار، آپ کا خادم کہتا ہے کہ دل سے، محبت سے، عشق سے ایک مرتبہ اللہ کہہ کر تو دیکھو۔ اس طرح کہ واقعی دل کو احساس ہو کہ یہ دل پیاسا ہے۔ اس دل پر رحمت کی بارش برسے ہوئے سال بیت چکے ہیں۔

اے میرے مولا! اس رحمت کی تلاش میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ تو جہاں بلائے گا ہم وہاں آئیں گے جس طرح کہ تیرے حبیب نے بتایا۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحْیِی الْاَرْضَ الْمَیْتَةَ بِمَاءِ الْمَطَرِ۔

جب زمین ویران ہو جائے۔ جب زمین بنجر ہو جائے۔ جب زمین غیر آباد ہو جائے۔ اس زمین پر کوئی آنا پسند نہیں کرتا۔ کوئی چوپایہ نہیں آتا' کوئی گدھا' گھوڑا نہیں آتا تو انسان کیا آئے گا کہ ویران اور بنجر زمین ہے۔ اس کی ویرانی پر' اس کی حالت خراب پر رحمت کو جوش آتا ہے۔ بارش برس پڑتی ہے۔ اس کی ویرانی' اس کی غیر آبادی' اس کا بنجر پن آبادی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ سرسبز شاداب ہو جاتی ہے۔ اس میں کھیت اگ آتے ہیں۔ اس میں بڑی میٹھی' دھیمی' پیاری خوشبوء والے پھول کھلتے ہیں۔ وہاں جانور بھی پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں انسان بھی پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں درند و پرند ہر چیز پہنچ جاتی ہے۔ یہ کب ہوتا ہے؟ جب میرے مولا تیری رحمت کی بارش برستی ہے۔ آج ہمارا دل ویران ہو چکا' اس دل کو ہم نے غیر آباد کر دیا' یہ دل ہم اپنے ہاتھوں میں خراب کر چکے۔ یہاں اس خطے و زمین پر' تیرے پیارے' ہمارے شیخ کامل کی اس خانقاہ پر یہ اپنا دل لا کر ہم نے پھینک دیا ہے۔ اس کی ویرانی پر رحم فرما۔ اس کے بنجر پن پر رحم فرما۔ اس کی غیر آبادی پر رحم فرما۔ اپنے حبیب کے صدقے میں۔ اس کے اہل بیت کے صدقے میں۔ اس کے ازواج مطہرات کے صدقے میں۔ کیونکہ مجھے روایت یاد ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کا وسیلہ لے کر دعا مانگی تھی۔ مہاجرین کا توسل و تصدق دیکر دعا مانگی تھی۔ اے اللہ تو ویسے ہی سننے والا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خدا کے پاس بڑے پیارے ہوتے ہیں۔ جن کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا وَبِهِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔

کہ جن کی وجہ سے بارش برستی ہے۔ جن کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔ یہ

اللہ کی رحمت تو ہے لیکن کسی کے صدقے میں۔ کسی ایک کے وسیلہ میں اللہ عطا فرما دیتا ہے۔ تو میرے مولا ہم بھی وہ ویران دل لے کر تیری بارگاہ میں آئے ہیں۔ ہم یہ تمنا اور آرزو کرتے ہیں کہ جہاں مجھ جیسے خطاکار، گنہگار کا ویران دل ہے۔ وہاں ایسے ایسے حسین صورت والے اور حسین دل والوں کے محبت اور عشق سے رنگین دل ہیں۔ مجھ جیسے نکمے کی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے صدقے میں میرے دل کو بھی آباد کر دے۔ یقیناً تیری بارش برسے گی۔ یقیناً تیری رحمت کو جوش آئیگا۔ یقیناً تو اپنی بخشش کے دروازے کھول دیگا کیونکہ تیرا ہی درس ہے۔

لَاتَقْنَطُوْ مِنْ رَّحمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعًا۔

میری رحمت سے مایوس مت ہو۔ یہ تیرا اعلان ہے۔ ہمیں تیرے اعلان پر پکا یقین ہے۔ ہم مایوس نہیں ہیں۔ جب اپنے حالت کو دیکھتے ہیں، جب اپنے بدافعالی کو دیکھتے ہیں، بدکرداری کو دیکھتے ہیں، بے فائی کو دیکھتے ہیں تو یقیناً ہم مایوس ہو جاتے ہیں لیکن شاعر کے بقول:

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے   تیری رفعتوں کا خیال ہے

تیری کیا بلندی، تیرا کیا شان، تیری کیسی وہ سخا ہر ایک کے لیے۔ اپنوں کے لیے بھی اور جو تجھے نہیں مانتے، تیری ذات کے دشمن ہیں، تیری ذات کے منکر ہیں ان پر بھی تیری عنایتیں ہیں۔ کیا تیری رفعت؟ کیا تیری بلندی؟

تیری اک نگاہ کی بات ہے   میری زندگی کا سوال ہے

ایک قطرہ عطا فرما دے۔ ایک قطرہ عطا فرما دے۔ میری زندگی بن جائے گی۔ میری مشکل حل ہو جائے گی۔ اے میرے مولا! میرے اندر تو سلیقہ انتظار کا بھی نہیں ہے۔ تجھ سے مانگنے کا طریقہ بھی نہیں ہے۔ میں تو وہ آلودہ انسان ہوں جو کبھی دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے،

کبھی دوستوں کے پیچھے بھاگتا ہے' کبھی امیروں کے پیچھے بھاگتا ہے' کبھی وزیروں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ تیرے در کا خیال کبھی نہیں آیا لیکن اگر آج آ ہی گیا ہے' اگر آج آ ہی گیا ہے تو یہ تیری سخا ہے۔ یہ تیری عنایت ہے۔ یہ تیری کشش ہے۔ یہ تیرا پیار ہے۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

تو خود کہتا ہے اللہ جس کو چاہے چن لے۔ اگر کسی مجھ جیسے بے کار' نکمے' نااہل کو بھی چن لے تو تجھ سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ تو مالک و مختار ہے۔ اے میرے مولا! ایک قطرہ چاہیے۔ یہ سب امیر' یہ سب غریب' یہ مسکین' یہ سندھی' یہ پنجابی' یہ بلوچی' یہ پٹھان' یہ مختلف صورتوں والے' یہ مختلف نام رکھنے والے' مختلف لباس' مختلف رنگ' مختلف ڈھنگ یہ سب تیری تخلیق کے حسین نمونے ہیں۔ یہاں صرف جمع ہوئے ہیں صرف ایک بات کے لیے۔ صرف ایک قطرہ چاہیے۔ ہمیں مایوس نہ لوٹانا۔ ہمیں مایوس نہ لوٹانا۔ ہمیں مایوس نہ لوٹانا۔

تو میرے دوستو یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

وہ سلامتی والا قلب اس کو مدنظر رکھیں۔ اس کو سمجھیں۔ جب ہمیں اس چیز کی سمجھ آجائے گی کہ قلب سلیم کیا ہوتا ہے تو پھر اس دل کی پیدائش کا غرض بھی ہمیں سمجھ میں آجائے گا۔ ہاتھ ملا ہے یہ بھی نعمت ہے۔ اگر تم اس کو استعمال کرو اس مقصد میں جس کے لیے اللہ نے اس کو نہیں پیدا کیا۔ تو اللہ تم سے پوچھے گا یہ میں نے تمہیں نعمت دی تھی۔ اس کو تو نے اس طرح کیوں استعمال کیا؟ آنکھ اللہ کی نعمت ہے' پاؤں اس کی نعمت ہے' زمین کے خطے اس کی نعمت ہیں۔ جس مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں' جو ان کا کام ہے وہ ہی ان سے لینا چاہیے۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے ایک حسین مثال کے ذریعے صحابہ کو فرمایا ایک شخص بنی اسرائیل کے

انبیاء کے دور میں سے کسی بیل پر چڑھ کر سفر کر رہا تھا تو بیل نے اس بندے کو کہا تم مجھ سے کیا کام لے رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے سواری کے لیے نہیں پیدا کیا کہ میری پیٹھ پر چڑھ کر تم بیٹھو۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں ہمیں یہ درس دیا ہے کہ جو بیل کا کام ہے وہ ہی بیل سے لیا جائے۔ گائے کا جو کام ہے وہ ہی گائے سے لینا چاہیے۔ بھینس کا جو کام ہے وہ ہی بھینس سے لینا چاہیے۔ اسی طرح اعضاء کا جو کام ہے وہ ہی اعضاء سے لینا چاہیے۔ اگر اس کے علاوہ کام لیتے ہیں تو لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔

اگر تم نعمتوں پر شکر کرتے ہو تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہیں اور زیادہ دونگا لیکن اگر ان کی ناشکری کی، ان کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کیا تو پھر میرا عذاب بھی شدید ہے۔ تو اسی لیے اگر ان اعضاء سے اور کوئی کام لیں گے تو پھر یہ کفران میں شمار ہوگا۔ تو یہ جو مشکلاتیں آتی ہیں ہمارے بداعمالیوں کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ دل اللہ تعالیٰ نے کس لیے پیدا فرمایا ہے؟ کس لیے ہے؟ کہ قلب المؤمن بيت الرحمٰن۔

مؤمن کا قلب عرش رحمٰن ہے یعنی خدا کا گھر ہے۔ اللہ کا عرش اس دل میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلیوں کا ورود اسی میں ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم قلب کا ذکر بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ذکر کرو اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ذکر اللہ ہے اور بھی کوئی وظیفہ بتائیں۔ بھئی اس سے بڑھ کر کیا وظیفہ ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ سے نوازے اور توفیق عمل عطا فرمائے۔

خلاصہ تصوف

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ٥ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ٥ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا کَانَ غَرَامًا ٥

صدق اللہ العظیم

معزز سامعین اکرام یہ محفل ایک عظیم المرتبہ ہمارے پیشوا، رہنما، محسن سندھ بلکہ محسن عالم اسلام بلکہ جمیع عالم حضرت خواجہ خواجگان، قطب دوراں، قیوم زماں حضرت پیر

سوہنا سائیں رحمۃ اللہ علیہ کی یاد' ان کی سیرت وسوانح' ان کے فیوض وبرکات' ان کے اخلاق و عادات' ان کی پسند و ناپسند جو کہ عین سنت و شریعت کے مطابق تھی۔ اس کو بیان کرنے کے لئے منعقد کی گئی ہے۔ جب ہم یہاں آتے ہیں تو ہمارے دل ودماغ میں یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ ہم یہاں سیکھنے آتے ہیں۔ ہم اپنے ذہن وقلب میں اپنے نفس کی خباثت وخرابی کو سیکھنے اور جاننے کے لیے آتے ہیں۔ اور جب یہاں سے واپس ہوں تو یہ خوب صورت تبدیلیاں ہمارے اندر یقینی طور پر رونما ہونی چاہییں۔ محبت میں اضافہ ہو' نسبت میں اضافہ ہو اور ہم ان کے نقشِ قدم پر چلیں' جن کے نقش قدم پر چلنے کے لیے خدا تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ جن کی تابعداری کے لیے آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ایک عظیم الشان کتاب قرآن مجید کی صورت میں ہمارے درمیان چھوڑ گئے بلکہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو نبی نہیں ہونگے' رسول نہ ہونگے مگر نبوی رنگ میں رنگے ہوئے ہونگے۔ رسالت کی وراثت کے صاحب ہونگے۔ ان کا مقام مرتبہ اور کام یہ ہوگا کہ قرآن مجید کا عملی تفسیر اپنے اخلاق وکردار' رفتار وگفتار کے ذریعے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ یہ اولیاء کرام کے گروہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس دھرتی کا قائم رہنا' اس زمین کا فتنہ فساد کی بربادی سے بچنا اولیاء کرام کے وجود مسعود کے صدقے سے ہے۔ ورنہ آج جب ہم اپنے حال واحوال کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یقیناً ہم اپنی زمین کو اپنی بدافعالی اور بدکرداری کی وجہ سے تباہی کے کنارے پر لا چکے ہیں۔ وہ کونسی خرابیاں ہیں جو ہمارے اندر نہیں ہیں۔ ہمارے اندر ہر طرح کی خرابیاں اور بیماریاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے ان ولیوں کے وجود کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اس دھرتی کو تباہی وبربادی سے ابھی تک محفوظ رکھا ہے۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے

کہ تب تک اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ یعنی قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ اس خطہ زمین پر ایک بھی خدا کا نام لیوا موجود ہوگا۔ حدیث میں ہے آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے آگے بڑھیں گے اور عرض کریں گے یا الٰہ العالمین دنیا میں ہر قسم کی برائی عام ہو چکی ہے۔ بے فرمانی عام ہو چکی ہے۔ مخلوق میں گمراہی عام ہو چکی ہے۔ عبادتوں کو انہوں نے ترک کر دیا ہے۔ خواہشات کو انھوں نے اپنے آگے لگا دیا ہے۔ نفسانیت ان میں پیدا ہو چکی ہے۔ عداوت ان میں پیدا ہو چکی ہے۔ محبت ان میں مفقود ہو چکی ہے۔ یارب العالمین قیامت قائم ہونے میں اب کون سی دیر ہے؟ نشانیاں تو سب ظاہر ہو گئیں۔ جس طرح کہ آج ہم بھی کہتے ہیں کہ قیامت کی نشانیاں جو آنحضرت ﷺ نے بتائیں تھیں، آج وہ سب پائی جا رہی ہیں۔ یہ بھی نشانی پائی جا رہی ہے، یہ بھی نشانی، یہ بھی نشانی۔ گن گن کر اوروں کو سناتے ہیں۔ فرشتے بھی یہی بات عرض کرینگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائینگے ہاں سب یہ باتیں پیدا ہو چکی ہیں، لوگ غافل ہیں، اپنی خواہشات میں پھنسے ہوئے ہیں، گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن پورے خطہ زمین پر ایک آدمی موجود ہے جو صبح بھی کہتا ہے اللہ اور شام کو بھی کہتا ہے اللہ۔ جب تک وہ میرا نام لینے والا موجود ہے تب تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔ دیکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد کو ہمارے پیر ومرشد نے کس خوبصورت طریقے سے واضح کر کے دکھایا کہ اس خطہ پر ایک تو کیا بلکہ خدا کے فضل وکرم سے اور ہمارے پیر ومرشد یعنی حضرت پیر مٹھا رحمۃ اللہ علیہ اور سوہنا سائیں رحمۃ اللہ علیہ کی محنتوں سے ایسے لاکھوں لوگ موجود ہیں جو صرف زبان سے اللہ اللہ نہیں پکارتے بلکہ دل سے اور چوبیس گھنٹے اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسے نہیں کہ صرف صبح وشام اللہ کا نام لیتے ہیں اور پھر شام تک بھلا دیں اور پھر شام کو خدا کا نام لیں بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا ذکر کرو صبح سے لے کر شام تک۔ یعنی صبح سے لے کر شام تک کوئی بھی ایسا لمحہ نہ ہو جب تو میرے ذکر سے غافل

ہو جائے۔ اللہ والوں نے اپنی محنت' اپنی توجہ سے مخلوق کی دلوں میں وہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ ان کا ایک ایک سانس' ایک ایک لمحہ' ایک ایک ساعت اور ایک ایک منٹ خدا کے ذکر میں گذرتا ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ ان سب فتنوں سے بچانے والی یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ان اللہ والوں کے صدقے میں ہمیں ذکر کی صورت میں عطا فرمائی۔ قیامت قائم نہ ہوگی' زمین کا خطہ سلامت ہوگا اور اللہ کی رحمت نازل ہوگی۔ بیشک قیامت آنے والی ہے لیکن ہمیں حضور ﷺ کے اس فرمان پر یقین ہے کہ زمین تب تک سلامت ہوگی جب تک ذکر والے آتے رہیں گے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ذکر والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ میرے مرشد کا عرس مبارک اس کی واضح مثال ہے۔ مایوس نہ ہوں۔ ناامید نہ ہوں۔ ان لوگوں میں سے نہ بنو جو تھوڑی بات پر کہنے لگتے ہیں کہ کل قیامت آئے گی' پرسوں قیامت آجائے گی۔ آپ ایسے مت بنیں۔ آپ مایوس مت ہوں بلکہ خدا کی رحمت میں امیدوار بنے رہو۔ خدا سے آپ کا عقیدہ مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے۔ یقین تمہارا مضبوط ہونا چاہیے۔ حوصلہ تمہارا بلند ہونا چاہیے۔ کاہل اور سست بن کر بیٹھ نہ جاؤ۔ کیا قیامت قائم ہونے کے اثرات دیکھ کر تجارت کرنے والوں نے تجارت چھوڑ دی ہے؟ قیامت قائم ہونے کے اثرات دیکھ کر سیاست کرنے والوں نے سیاست چھوڑ دی ہے؟ جب وہ اپنے کاموں میں مشغول ہیں' اپنی محنت میں مشغول ہیں تو پھر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ صرف واعظ حضرات سے اس طرح کی باتیں سن کر کہ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ اب اصلاح ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اب بس کر کے ایک کونے میں بیٹھ جاؤ۔ اب اللہ اللہ کرو۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ سراسر غلط بات ہے۔ یہ ہمارے ایمان میں کمزوری کی نشانی ہے۔ ہماری محبت میں کمی کی نشانی ہے اور خدا پر بھروسے میں کمی کی علامت ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ذکر کرنے والا ایک بھی ہوگا تو قیامت قائم نہیں ہو سکتی۔ تو جب لاکھوں ذکر کرنے والے موجود

ہیں تو ہمیں کونسا فکر، کونسی پریشانی ہے۔کوشش کرنی چاہیے کہ ان ذکر کرنے والوں کا سلسلہ بڑھتا رہے ۔کم نہ ہو۔انشاء اللہ پھر اس زمین پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی رہے گی۔مشکلیں دور ہوجائینگی۔ جو اندھیرا نظر آرہا ہے، جو مایوسی نظر آرہی ہے، جو تکالیف رکاوٹیں نظر آرہی ہیں۔وہ بہت معمولی اور تھوڑی ہیں۔ جب کہ ایمان والوں کا حوصلہ بہت بڑا ہے۔آنحضرت ﷺ جن حالات و کیفیات سے گزرے آپ اس کا جائزہ لیں۔مکی زندگی کو دیکھیں، مدنی زندگی کو دیکھیں کیا وہ حالات آج سے کئی گنا زیادہ نہ سخت تھے؟مشرکین مکہ مسلمانوں پر ظلم کرتے ۔ان کو کم وبیش کہتے۔ ان کے اوپر طعنہ زنی کرتے ۔انکی ملکیتوں پر قبضہ کر لیتے۔ جب سب نے یک زبان ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اجازت ہو کہ ہم ان سے مقابلہ کریں اور ان کو ظلم کرنے سے روکیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں تم صبر کرو۔صبر ہی تمہیں کامیابی دلائے گا۔صبر کے ذریعے ہی تم خدا تعالیٰ کی رحمت کے حقدار ٹھہرائے جاؤ گے۔ کیوں کہا؟ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔نہیں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ تم ان سے جنگ کرو اور نہ ہی ان پر جبر کرو، ظلم کے بدلے ظلم کرو۔ ہرگز نہیں ۔تم استقامت کرو۔تبلیغ کرو۔تم اللہ کے حکم اور پیغام کو عام کرو۔اس کی توحید کو عام کرو۔ تمہیں مکے سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ادھر ہی رہو۔ کتنے ہی سال گذر گئے ۔ایک سال، دو سال جب حالات ناگفتہ ہو گئے اور صحابہ کا اسرار بڑھ گیا۔ تکلیفیں بڑھ گئیں۔ پریشانیاں بڑھ گئیں تو آپ نے صحابہ کی تکالیف اور پریشانیوں کو دیکھ کر ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمائی۔ایسے نہیں فرمایا کہ سب چلے جاؤ۔ جو جانا چاہتے ہیں وہ چلے جائیں اور جو ادھر رہنا چاہتے ہیں وہ ہمارے پاس ادھر ہی رہیں۔ ثابت قدم رہیں۔دین کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہیں۔ پھر کچھ صحابہ تبلیغ کی غرض سے اور کچھ صحابہ تکلیف سے بچاؤ کی غرض سے، کچھ مردوں اور کچھ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت

کی جیسے کہ آپ نے تاریخ میں ان کی باتوں کو پڑھا ہوگا۔ یہ عاجز تو اتنا علم نہیں رکھتا جو بیٹھ کر تاریخ کے کتابوں کا حوالہ دے۔ چند مختصر الفاظ میں جو مقصد اس عاجز کا ہے وہ آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ تو صحابی گئے پھر لوٹ آئے۔ پھر تکلیفوں اور مشقتوں کا دور شروع ہو گیا۔ ابھی موجودہ زمانے میں جو ہمارے اوپر حالات ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ کہنا شروع کر دیں کہ ہمارا دین معاذ اللہ مغلوب ہو گیا ہے یا ہمارے دین پر معاذ اللہ کفر اور گمراہی غالب ہو گئی ہے۔ یہ آج کی صورت نہیں ہے۔ ایسا زمانہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کو دیکھیں۔ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی ظاہری جدائی کے بعد، وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر مسند خلافت پر بیٹھے اور سب صحابہ نے بالاتفاق آپ کی دست بیعت کی اسوقت حالت یہ ہو گئی تھی کہ مدینے کے چاروں طرف شور و غوغا شروع ہو گیا۔ سب قبیلوں نے ایسے سمجھا کہ اب دین ختم ہو گیا کیونکہ جب آنحضرت ﷺ ہی اس دنیا میں نہیں رہے تو اب دین بھی نہیں رہے گا۔ اب نمازیں بھی نہیں رہیں گی، روزے بھی نہیں رہیں گے، اب زکوٰۃ بھی نہیں دینی پڑے گی، جہاد بھی نہیں کرنا پڑے گا اور وہی کافر قبیلے غالب آجائیں گے۔ اسی وجہ سے کئی قبیلے اسلام کو چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ نمازیں انھوں نے چھوڑ دیں، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ تاریخ داں لکھتے ہیں بلکہ آپ کے بھی علم میں ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دین کتنا وسیع ہو چکا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر کتنا جم غفیر موجود تھا۔ کتنے ہی قافلے ہزاروں کی تعداد میں، کئی شام کی طرف، کئی یمن کی طرف، کئی عراق کی طرف، کئی ایران کی طرف بلکہ پوری دنیا میں اسلام کا پیغام لے کر نکل چکے تھے۔ کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ پھر دیکھیں آزمائش کتنی بڑی آتی ہے۔ مستند تاریخی کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ اس ارتداد کے فتنے سے وہی لوگ بچ سکے جو مدینہ میں موجود تھے۔ ورنہ سب اس کے اثر پذیر ہو گئے۔ کن پر زیادہ، کن پر تھوڑا لیکن اثر ان تک پہنچا۔ صحابہ

کرام نے مل کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرتا مدینے کو بچائیں۔اب دوسرے سب دین کو چھوڑ کر بھاگ گئے' دین سے انہوں نے منہ موڑ لیا' اسلام سے روگردانی کرلی اس لیے باہر کی فکر آپ چھوڑ دیں اور مدینہ کی حفاظت کے لیے اس لشکر کو روک لیں جو حضرت اسامہ کی قیادت میں محاذ پر جانے والا ہے مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں' جس لشکر کو آنحضرت ﷺ جانے کا حکم دے چکے تھے اس کو میں روک نہیں سکتا۔ یہ لشکر ضرور جائے گا۔یعنی کہ ایسی مشکل صورتحال میں بھی آپ ناامید نہیں تھے بلکہ انہیں یقین تھا کہ اس دین کو کوئی بھی ختم نہیں کرسکتا۔اس لیے آپ نے اس لشکر کو مدینے کی حفاظت کے لیے روکا نہیں۔اور ہمارا یہ حال کہ معمولی باتوں سے گھبرا کر یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اب معاذ اللہ ہمارا دین مغلوب ہوگیا۔یعنی کہ صدیق اکبر نے سب کی رائے سنی اور ان میں' رائے دینے والوں میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ موجود تھے مگر آپ نے فرمایا کہ اس لشکر کو ضرور بھیجا جائے گا کیونکہ ان کو بھیجنا رسول اللہ کا حکم تھا۔اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرام اس معاملے میں کتنے محتاط تھے' کتنا ادب کا لحاظ رکھتے تھے۔اس حد تک کہ غالباً ایک صحابی ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو بڑے مدبر اور دانا صحابی ہیں' ان کے بارے میں اس عاجز نے پڑھا کہ انہیں پیغام ملا کہ حضرت عمر فاروق نے انہیں بلایا ہے۔ جب وہ حضرت عمر فاروق کے دروازہ پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔انہوں نے دوبارہ آواز دی' السلام علیکم کہا مگر جواب نہیں آیا۔تیسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوا تو وہ واپس چلے گئے۔جب حضرت عمر فاروق باہر آئے تو آپ نے حضرت طلحہ یا کوئی اور صحابی ہیں۔ان سے پوچھا کہ ہمارے پیغام پر آپ کیوں نہیں آئے؟ یہ بھی آداب ہیں شریعت کے۔ان سے کبھی بھی منہ نہ موڑیں۔ایسے نہ ہو کہ کسی کے دروازے پر جائیں اور کھٹکھٹانا شروع کردیں' آواز لگانا شروع کردیں' بس ہی نہ کریں۔میاں کچھ سمجھ رکھو۔پتا نہیں وہ بیچارہ کس

مصروفیت میں ہو۔ اگر اندر سے جواب ملتا ہے تو ٹھہرو اگر تین دفعہ بلانے کے بعد جواب نہیں آتا تو خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں، چھوٹے چھوٹے آداب ہم ایمان والوں کے لیے بہترین اخلاق کے مظہر ہیں۔ لمبی گفتگو و تبلیغ سے زیادہ یہ باتیں لوگوں کے اوپر اثر انداز ہوتی ہیں۔ آج کے دور میں جو دوسری قومیں ہیں، جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو ان قوموں نے ان اسلامی اخلاق کو، اسلامی عادات کو اپنا کر بڑی ترقی حاصل کر لی اور ہم نے اپنے اس اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ اقدار کو، اعلیٰ ورثے کو بلکل بھلا دیا ہے اور آنکھیں بند کر کے غیروں کے طریقے اپنانا شروع کر دیے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ہمارے پاس آتا ہے تو ہم ان کو آنکھوں پر بٹھا لیں گے بلکہ ادھر کی بنی ہوئی چیزوں کو بھی آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ جیسے کہ ادھر سے گھومنے والے جاتے ہیں باہر کے ملک میں تو وہاں کے کپڑے کی تلاش کرتے ہیں۔ بھائی ہم یہاں کا، اپنے ملک کا کپڑا نہیں پہنیں گے، ہم باہر کے ملک کا کپڑا پہنیں گے۔ کوئی دوست بات کر رہا تھا کہ باہر کے کپڑے کے لیے بہت دوکان گھوما۔ وہ کہتا ہے گھوم گھوم کر مجھے رات کا ٹائم ہو گیا۔ جہاز بھی جانے والا تھا۔ پھر ایک ایسا کپڑا نظر آیا جو مہنگا تھا۔ آنکھیں بند کر کے لے لیا کہا کہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو دونگا۔ جب لیکر اپنے گھر پہنچا تو دوستوں سے کہا کہ یہ لندن کا کپڑا ہے۔ یہاں کا نہیں ہے بلکہ لندن شہر کا کپڑا ہے۔ جب دوست کو دیا اور اس نے کھول کر دیکھا اور لیبل اس کا، مہر اس کی ظاہر ہوئی تو لکھا تھا میڈ ان پاکستان۔ مجھے دوست نے کہا کہ میاں تو باہر ڈھونڈتا پھرتا ہے یہ تو ہمارے اپنے ملک کا کپڑا ہے اور یہاں تو پتا نہیں کتنا سستا ملتا ہے اور پتا نہیں کتنا خرچہ کر کے باہر سے لایا ہے۔ ایسی کتنی ہی مثالیں ہونگی۔ تو یہ ہمارے دل میں بڑا شوق ہوتا ہے کہ اچھی سے اچھی چیز حاصل کریں۔ قیمتی سے قیمتی چیز حاصل کریں۔ تو میں نے عرض کیا کہ وہ اقدار، وہ اخلاق جو انگریز مسلمانوں سے حاصل کر کے گئے۔ جیسے وہ اسپین کے ملک کے

بارے میں آپ نے سنا ہوگا۔ادھر کم وبیش سات سوسال مسلمانوں کی حکومت قائم رہی۔کیا اسلام کا دور تھا! کیا سنہری دور تھا! کیا عزت اور بلندی تھی جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی کہ یورپ میں اسلام کا ڈنکا بجتا رہا۔بڑے بڑے ماہر' بڑے بڑے عالم' بڑے بڑے مدبر' مفسر' محدث اور فلسفی اس ملک میں رہتے تھے۔پورے یورپ کے لوگ گروہ در گروہ' جماعت در جماعت ان کی خدمت میں آکر ان سے علوم حاصل کرتے تھے۔ ہماری اپنی بداعمالیاں' اپنی کمزوریاں' باہمی اختلافات اور انتشار نے غیروں کو یہ موقعہ فراہم کیا کہ ہمارے باہمی اختلافات اور لڑنے جھگڑنے کا فائدہ لیتے ہوئے وہ ان ملکوں کے اوپر قابض ہو گئے۔وہ حکومتیں ختم ہوگئیں۔وہ ذکر فکر اسلام اور ایمان اور سائنسی علوم کے مرکز غیروں کے قبضے میں آگئے۔آج بھی تم وہاں جاؤ وہاں ان مساجد' ان مدرسوں' ان درسگاہوں کو انہوں نے آثار قدیمہ کی صورت میں محفوظ کیا ہے۔ وہ آثار قدیمہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ ادھر مؤمن' مسلمان اور کلمہ گو رہتے تھے۔تو میرے دوستو ہم ان غیروں کی تلقید میں ان باتوں کو ڈھونڈتے ہیں جو ہمیں ان سے ملتی ہیں لیکن ہم نے کبھی اپنے ورثے کو دیکھا ہے؟ اگر دیکھا بھی ہے تو گہری نظر سے نہیں دیکھا۔اس کو ہم نے کبھی جانچا ہی نہیں ہے کہ اس میں کتنی معنائیں پوشیدہ ہیں' اس میں کتنے بڑے مقاصد پوشیدہ ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ نے جو بھی حکم فرمائے ان سب میں بڑے مقاصد پوشیدہ ہیں۔مثلاً ایک چھوٹا سا مثال میں آپ کو بتاؤں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم کو جماہی آئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھو۔آج کی سائنس کے مطابق معلوم ہوتا ہے اگر آدمی منہ پھاڑ کر جماہی لیتا ہے تو اس کے اندر جو جراثیم موجود ہیں' وہ فضا میں پھلیں گے اور وہاں پر بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کو وہ بیماری لگ سکتی ہے۔تو حضور ﷺ کی ایک ایک بات میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں لیکن ہم اپنی سوچ اور ذہن پر چلتے ہیں۔اسی طرح پانی پینے کے دوران تین دفعہ سانس لینے کا حکم دیا کہ جب آپ

پانی پئیں تو تین دفعہ سانس لیں۔ جلدی نہ کریں۔ آج کی جدید سائنس کہتی ہے جو ایک سانس میں پانی پیتا ہے تو جو اس کے حلقوم کے جو حصے ہیں ان پہ اثر پڑتا ہے۔ ان کے اوپر پریشر پڑتا ہے۔ اس سے نقصان ہوتا ہے کیونکہ پہلے حلق خشک ہوتا ہے تو تھوڑا سا پانی پیو پھر دوسری مرتبہ چھوٹا سا گھونٹ لیں جیسے کہ آپ کا حلق گیلا ہو جائے پھر اس کے بعد آپ پورے کا پورا پانی پی لیں جیسے آپ کی صحت ٹھیک رہے۔ تکلیف سے محفوظ رہو۔ بیماری سے محفوظ رہو۔ ان سب آداب کو اپنانے میں ہمارے لیے دین و دنیا کی بہتری ہے۔ ترقی ہے۔ کامیابی کے راستے موجود ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں انسان کو بلند مرتبے پر فائز کرنے کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تین دفعا کھٹکھٹانے کے بعد لوٹ گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ جب ان کو لوٹایا گیا اور وہ خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کیوں تم نہیں آئے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے تین مرتبہ دروازے پر دستک دی اور پھر میں لوٹ گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہی حکم ہے۔ آپ نے فرمایا جو تم یہ بات کر رہے ہو اور اس کو جو اللہ کے رسول کی طرف منسوب کر رہے ہو تو پھر گواہ پیش کرو ورنہ عمر کا درہ تمہیں نہیں چھوڑیگا۔ وہ صحابی سخت پریشان ہوئے۔ عادل، منصف، متقی، پرہیزگار، صحبت یافتہ صحابی سوچ رہا تھا کیا میرے اس قول پر حضرت عمر کو یقین نہیں آیا۔ روتے روتے باہر آیا اب میں کیا کروں۔ عمر فاروق تو مجھے اب نہیں چھوڑے گا۔ مجھے تو سزا دیگا کہ میں نے غلط بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی ہے اب میں گواہ کہاں سے لاؤں۔ اتنے میں دوسرا صحابی غالباً حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں یا کوئی دوسرا واللہ اعلم۔ اس سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ کیوں اتنے پریشان ہو؟ کہا کہ میں نے یہ بات حضرت عمر کے سامنے کہی ہے جس کے جواب میں انہوں نے مجھ سے گواہ طلب کیا ہے۔ اب میں کدھر جاؤں؟ کس کو گواہ بناؤں؟ حضرت زبیر یا دیگر صحابی

نے کہا کہ جب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اس وقت میں وہاں موجود تھا۔ چلو میں گواہی دیتا ہوں۔ جب عمر فاروق کے پاس پہنچے اور گواہی دی گئی اور دیکھا کہ حضرت طلحہ مایوس اور پریشان ہیں تو حضرت عمر نے انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا کہ اگر میں بغیر گواہ کے تمھاری بات پر اعتماد کرتا تو پھر سب آدمیوں کو موقعہ مل جاتا اور وہ کوئی نہ کوئی اپنا غلط قول حضور ﷺ کی طرف منسوب کردیتے۔ اس فتنے اور شر سے بچنے کے لیے میں نے یہ کیا۔ مجھے تمھاری عدالت پر یقین ہے۔ مجھے تمھارے ایمان پر یقین تھا لیکن پیچھے آنے والی امت مسلمہ کو فتنے سے بچانے کے لیے میں نے سختی کا مظاہرہ کیا۔ تو اس قدر احتیاط اور تقویٰ کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس کے بعد اس بات کو منظور کرتے تھے کہ واقعی یہ بات حقیقتاً اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے۔

تو میرے عزیز و دوستو جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی پھر بات سے بات نکلتی گئی۔ اس لیے یہ عاجز فوراً اپنے موضوع پر آتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رحمان جو کے بندے ہیں وہ زمین پر عاجزی وانکساری سے رہتے ہیں اور جب ان سے جاہلین جھگڑا کرتے ہیں، ان کو کم وبیش کہتے ہیں تو وہ جواب میں ان سے اسی قسم کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ سلام کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ہم اپنے حال پر غور کریں کہ اگر کوئی ہمیں برا بھلا کہتا ہے ہم جواب میں کس قسم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیا واقعی خدا کے حکم کے مطابق صبر کرتے ہیں اور سلام کر کے چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنے حال پر غور کرے کیوں کہ دوسروں کو نصیحت کرنا تو بہت ہی آسان ہے مگر خود اس پر عمل کرنا بہت ہی مشکل۔ جس طرح کہ کرسی پر بیٹھ کر یہ ناچیز باتیں بیان کررہا ہے میرا ضمیر مجھ کو کو ملامت کررہا ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تمہیں شرم کرنی چاہیے دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے

ہو، دوسروں کو اچھی اچھی باتوں کا تاکید کرتے ہو۔ او بیوقوفو اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ کیا وہ اچھی باتیں، اچھے اخلاق تمہارے اندر موجود ہیں یا یہودیوں جیسے بن گئے ہو جن کے پاس غریبوں اور مسکینوں کے لیے بہت کڑے شرط تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے اصول بتا کر ان غریبوں کو خوب کھینچ کر رکھتے تھے۔ دین کے نام پر ظلم اور تشدد کرتے تھے۔ ویسے بھی دین موسوی میں بہت سختی تھی۔ رعایت نہیں ملتی تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر بہت سخت سزا ہوتی تھی لیکن جب اپنا معاملہ آتا تھا تو ہماری طرح، جیسے کہ کہتے ہیں کسی نے آکر مولوی صاحب سے پوچھا کہ جب دو جانور آپس میں لڑ پڑیں اور لڑتے لڑتے ایک نے دوسرے کو مار دیا تو پھر سائیں اس کا کیا حکم ہے؟ مولوی صاحب نے کہا میاں یہ جانور ہیں بے سمجھ و بے عقل ہیں، اب اگر ایک نے دوسرے کو مار دیا تو کیا اس کا فیصلہ ہوگا۔ وہ مر گیا بس بات ختم کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔ اس آدمی نے کہا کہ سائیں معاف کرنا آپ کی گائے کو میری گائے نے مار دیا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کیا؟ ایسے ہوا ہے بھئی ذرا ٹھہرو میں کتاب دیکھ لوں۔ جلدی جواب نہیں دیا جاتا اس پر غور و فکر کرنا ضروری ہے کیوں کہ پہلے میں نے بے خیالی سے جواب دیا تھا۔ تو ہمیں خدا کا خوف نہیں، خدا کے سامنے پیش ہونے والا دن ہم کو یاد نہیں ہے۔ ہماری نظر اپنے مفاد پر ہے۔ اے میاں! یہ دنیا ہے کتنے دن؟ کتنے دن تو جیے گا؟ کتنا بھی حیلہ بہانہ کر لے، دولت جمع کر لے، دوسروں کے حق غصب کر لے، خود کو بڑا رئیس بنا لے لیکن جیے گا کتنے دن؟

تو میرے دوستو خدا تعالیٰ نے اسلام میں جو حسن اخلاق سکھائے ہیں ان میں در حقیقت اللہ کی صفات کی تربیت دی گئی ہے مومنین کو۔ جو اللہ کی صفات ہیں، مؤمنین کو کہا گیا ہے کہ ان صفات کا عکس اپنے اندر پیدا کرو۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

حسن الخلق خلق اللہ الاعظم

حدیث مبارکہ میں ہے بہترین اخلاق، نرم گفتگو، عفو درگذر، دشمن کو معاف کر دینا، پڑسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور مشکلات میں صبر کرنا۔ فرمایا یہی خدا کا بڑا اخلاق ہے۔ یہی وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں۔ ایمان والوں کو بھی ان صفات سے موزوں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے، بصیر بھی اور سمیع یعنی سنتا بھی ہے۔ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کو دیکھتا ہے۔ کوئی بھی اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے لیکن قربان جاؤں اس کی ذات پر کہ گنہگاروں کو گناہ کرتے دیکھتا ہے پھر بھی ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ان کو رسوا نہیں فرماتا۔ مجھ جیسے خطا کار کو جو بڑا صوفی بن کے آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے، تو جو میرے اعمال کتنے غلط اور گندے ہونگے لیکن قرباؤں اللہ کی ذات پر وہ چھپا دیتا ہے۔ وہ ان کو اپنی رحمت کی چادر میں چھپا دیتا ہے۔ تو خدا بصیر بھی ہے۔ دیکھ بھی سکتا ہے۔ کوئی بھی آدمی، کوئی بھی حرکت، کوئی بھی کام کہیں بھی کرے، وہ اللہ کی نظر میں پوشیدہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بندے کو چھوڑ دو۔ اس کو میں نے تخلیق کیا ہے۔ یہ میری خلقت کا حصہ ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ ہوسکتا ہے یہ آگے چل کر میری رحمت کا حقدار بن جائے اور کوئی بھی ایسا عمل کر دے کہ میں اس کے سارے گناہ بخش دوں۔ تو یہ اللہ کی صفات ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے تجھے بھی قوت سماعت دی ہے، قوت بصارت دی ہے لیکن سماعت و بصارت اس رنگ میں ہونی چاہیے جس طرح اللہ کے رنگ میں ہے۔ یہ نہیں کہ اوروں کے عیب دیکھتا پھرے فلاں کا یہ عیب ہے، فلاں کے اندر یہ خرابی ہے یا ہر وقت کان لگاتا پھرے کہ کیا بات کہتا ہے۔ یقیناً میری مخالفت کر رہا ہوگا۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور اس کی دل میں خیال ہے کہ یہ میرے خلاف بول رہے ہیں۔ یہ میرے دشمن ہیں اور جو آ کر ہمیں کہے کہ تو تو بڑا اچھا ہے لیکن فلاں جو ہے وہ تیرے خلاف ہے۔ وہ تیرے بارے میں اس طرح کہہ رہا ہے۔ ہم اتنا اس بات پر یقین کر لیتے ہیں کہ

شاید قرآنی آیت پر بھی اتنا یقین نہ ہو۔ اس عادت کو آنحضرت ﷺ نے بدترین فرمایا ہے کہ مؤمنین میں جو عادتیں پائی نہیں جانی چاہییں ان میں سے ایک یہ بھی عادت ہے کہ ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا۔ ایک کی غلط بات منسوب کر کے دوسروں کو اپنے زیر اثر لانا۔ ان سب چیزوں سے اللہ کے پیارے حبیب نے ممانعت فرمائی ہے۔ تو میرے دوستو یہ اللہ تعالیٰ کے حسن اخلاق کا عکس ایمان والوں کے اندر پایا جانا چاہیے۔ کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات ایسی ہیں جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ وہ چیزوں کو بناتا ہے۔ سنوارتا ہے۔ سجاتا ہے۔ حسین بناتا ہے۔ تو یہ وصف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت یہ بھی ہے کہ اس کی عظمت بہت بڑی ہے۔ اس کبریائی، اس کی بلندی، اس کی شان، اس کی رفعت بہت ہی اعلیٰ ہے۔ بندے کو یہ زیب نہیں دیتا وہ اپنے آپ کو یہ سمجھنا شروع کریں کہ میں بڑا ہوں، میں بڑا وڈیرا ہوں، میں بڑا پیر ہوں، میں بڑا عالم ہوں، میں بڑا عقل والا ہوں، میں سب کا بڑا ہوں، میں ان سب سے بلند ہوں، یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ وہ جس طرح میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ اس طرح کی خام خیالی ہمارے ذہن میں شیطان بھر لیتا ہے پھر ہم سمجھتے ہیں یہ سب چیزیں کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم تو بہت ہی اونچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک بلوچ آدمی تھا وہ میروں کی خدمت میں جا کر رہا، خیر پور میرس میں میروں کی ریاست تھی۔ کلہوڑوں سے انھوں نے حکومت چھینی تھی۔ پہلے یہ میران کلہوڑوں کے سپہ سالار تھے لیکن انھوں نے کلہوڑوں سے جنگ کی اور میروں کی فتح ہوگئی کلہوڑوں کو شکست ہوگئی اور وہ حکومت کے صاحب بن گئے۔ تو کہتے ہیں کہ ایک بلوچ ان کی خدمت میں جا کر رہا تو اسکو اور کوئی کام نہیں ملا، میروں کو کتے پالنے کا شوق تھا وہ کتوں کی خدمت کرتا تھا۔ ان کو نہلاتا دھلاتا صابن لگاتا تھا، ان کو کھانا کھلاتا تھا۔ تو وہ بلوچ آدمی کتوں کی خدمت کرتا تھا اور وہ میر صاحب اس کو مذاق میں سرکار

سرکار کہتا تھا۔ وہ بیچارہ ان پڑھ جاہل آدمی جس طرح ہم ہیں۔ پیر نے ہمیں یہاں بٹھالیا ہے۔ ہمارے شیخ نے یہاں پر بٹھا دیا ہے۔ کوئی صلاحیت نہیں، کوئی عقل نہیں، کوئی فہم نہیں اور لوگ ہمیں سائیں سائیں کہتے ہیں اور ہمارے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں ہم بڑے پیر ہیں۔ اس طرح ہم اپنے آپ کو خود پستیوں میں گراتے ہیں۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ خداتعالیٰ فرماتے ہیں اسطرح ہم ان کو پستیوں میں گرا دیتے ہیں۔ اسی لیے ہمیشہ اپنی حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے۔ کبھی بھی تصور میں نہیں آنا چاہیے کہ میں تو بڑا بن چکا ہوں۔ نہیں اپنی اصلیت کو دیکھو بلکہ اس بھی آگے دیکھو کہ اللہ نے مجھے تخلیق کس چیز سے کیا ہے۔ پیشاب کے دو قطروں سے۔ اور وہ قطرے ایسے ہیں کہ اگر وہ قطرے جسم کو لگیں تو جسم ناپاک، کپڑے ناپاک۔ ان دو قطروں سے اللہ نے تجھے تخلیق کیا ہے اور حسین صورت عطا فرمائی ہے۔ تو یہ اس کی قدرت کا کمال ہے۔ اس کا شاہکار ہے۔ تو وہ سرکار سرکار کہا جانے لگا۔ تو وہ سرکار میں مدہوش ہو جاتا تھا کہ میں واقعی سرکار ہوں۔ میر صاحب مجھے سرکار کہہ رہے ہیں، میں سرکار ہوں کیونکہ جو ریاست کے والی ہیں۔ کمشنر، کلیکٹر جس کے سلامی ہیں وہ مجھے سرکار کہہ رہا ہے۔ میں تو میر سے بھی کچھ اوپر چیز ہوں۔ کام کرتا تھا کتوں کی خدمت اور کہا جاتا تھا اس کو سرکار اور وہ سمجھتا تھا کہ میں میر سے بھی کوئی اور چیز ہوں۔ جب واپس جانے لگا اپنے گاؤں۔ اپنے خیال میں بڑی مستی میں جا رہا تھا۔ جھومتا ہوا جا رہا تھا کہ گاؤں والوں کو بتاؤں گا کہ میں سرکار ہوں۔ میں کوئی ایسی ویسی چیز نہیں ہوں، میں سرکار ہوں۔ جب اپنے گھر کے نزدیک پہنچا، یہ بڑی عمر کا تھا تو اس کے پوتے پوتیاں سارے اس کے پاس بھاگ کر آ پہنچے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے، کوئی اسے دادا کہہ کر بلائے، کوئی اسے نانا کہہ کر بلائے، کوئی اسے چاچا کہہ کر بلائے۔ اس نے سب کو دھکا دیکر دور کیا۔ اس کے اندر سرکار کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کہا کہ دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔ سرکار کسی کا ابا نہیں۔ میں

سرکار ہوں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں انسان نہیں کوئی اور چیز ہوں۔ تو میرے دوستو ہم جو بھی ہیں خوامخواہ اپنے آپ کو سرکار نہ سمجھیں۔

جو آیت کریمہ اس ناچیز نے تلاوت کی ہے اس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ اے میرے بندو اگر آپ کی محبت اللہ اور اس کے رسول سے ہے اور آپ اگر دنیا میں حسن اخلاق کا مجسمہ بن کے رہنا چاہتے ہو تو تمہارا جاہلوں کے ساتھ طور طریقہ اس طرح ہونا چاہیے کہ جب کوئی جاہل تمہارے سامنے آتا ہے، تمہیں کم وبیش کہتا ہے تو تم اس کو جواب دینے کے بجائے اس سے احتراز کر لو اور اس کے ساتھ ساتھ وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔

خدا کے وہ خاص بندے رات کو اٹھ کر قیام اور رکوع کرتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ رکوع اور سجود دل کے حضور سے کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو جس کی دل میں بڑائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی دل میں بڑائی ہے۔ اپنی ذات، اپنے عمل کے اوپر نظر ہے، کتنی بھی نمازیں پڑھیں، وہ نمازیں اس کو اللہ کے نزدیک نہیں کرتیں بلکہ اللہ سے دور کرتی ہیں۔ یہ حدیث احیاء العلوم میں پڑھی تھی کہ کتنے ہی ایسے نمازی بھی ہیں جن کو نماز اللہ سے دور کرتی ہے۔ یہ عاجز حیران ہوتا تھا کہ آخر ان سے کونسی ایسی نادانی اور بیوقوفی ہوئی ہے جو نماز انہیں اللہ سے دور کرتی ہے۔ بخاری شریف میں فصاحت سے درس ملا کہ ان کو نماز اس وجہ سے اللہ سے دور کرتی ہے کہ ان کی دلوں میں اپنے آپ کو معتبر سمجھنے کا شوق ہے۔ اپنے عمل پر نظر ہے۔ اپنی ذات پر نظر ہے۔ اپنے عمل پر نظر ہے۔ اپنی قوم قبیلے پر نظر ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نماز ان کی اللہ کے پاس قبول ہی نہیں ہے۔ وہ نماز ان کے منہ پر لگائی جائے گی۔ بھئی تو نے تو نماز پڑھی تھی۔ تو جھکا تھا

تو بمسجد می روی بہر سجود

جسم جنبد دل نہ جنبد ایں چہ سود

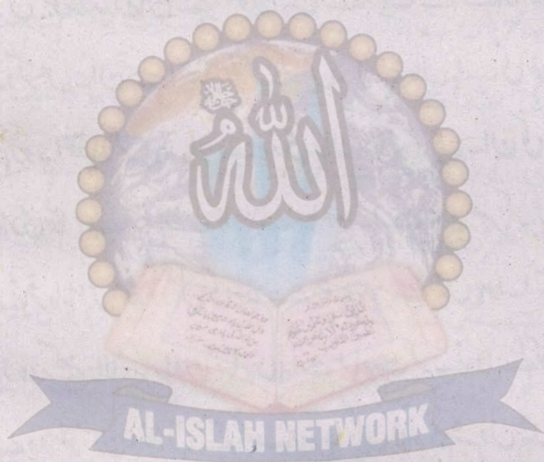
مسجد میں تو سجدے کے لیے جا رہا ہے مگر تیرا سر جھکا ہے دل تیرا نہیں جھکا۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کیا فائدہ ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ تیرا جانا بیکار، تیرا سجدا کرنا بیکار، تیرا رکوع بیکار، تو نے تو خوامخواہ اپنا وقت برباد کیا۔ دوستو اپنے نفس کو سکھائیں یہ باتیں۔ اپنے پڑوسی سے حسن سلوک کریں کیونکہ یہ ایمان کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اپنے گاؤں والوں کی مشکل وقت میں مدد کریں۔ ان سے اچھا سلوک کریں۔ اپنے ماں باپ کی خدمت کریں۔ اپنے بچوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کریں۔ ان سے نرمی والا برتاؤ کریں۔ ان کی کسی غلط طریقے غلط کام پر جو دل آزاری کا سبب، تکلیف کا سبب بنا ہو۔ اسکے اوپر صبر کریں۔ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس محدود عمل کی وجہ سے جو چند منٹ میں ہوا۔ اتنا مقام حاصل کر لیتا ہے کہ پورا دن روزہ رکھنے والا، سارا دن، ساری رات عبادت کرنے والے کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے میرے دوستو حسن اخلاق کے مجسمہ بن جائیں اور ہمیشہ دل میں خیال رکھیں۔ خطرہ ہونا چاہیے کہ یا رب العالمین ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا کیونکہ یہ بدترین جگہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ

کیونکہ یہ بدترین مقام ہے۔ تو وہ نیک بندے، خدا کے پسندیدہ بندے اس سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ کتنی عاجزی وانکساری کرتے ہیں کہ عمل صالح بھی کرتے ہیں، قیام وقعود بھی کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے باوجود یہ کہتے ہیں ہمارے عمل تو ایسے ہیں کہ ہم جہنم کے حقدار ہو جائیں گے کیونکہ ان میں انکساری ہے، ان میں عاجزی ہے اور جو رحمن

کے بندے والا طوق انہوں نے گلے میں ڈالا ہے' اس لیے ان کی دل میں احساس ہے۔ صرف زباں سے نہیں بلکہ ان کے دل میں یہ احساس ہے کہ ہمارے عمل ایسے ہیں کہ جہنم میں جا کے پڑیں گے۔ میرے مولا تو اپنے فضل سے ہم کو بچا کیونکہ یہ بدترین مقام ہے' تیرا ناپسندیدہ مقام ہے۔ اس لیے میرے دوستو تصوف جیسے کہ اس آیت کریمہ میں آجاتا ہے۔ یہ حقیقت اپنے اندر پیدا کریں۔ یہ محبت اپنے اندر پیدا کریں۔ انشاءاللہ اس سے بڑی ترقی اور کامیابی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اخلاص عمل عطا فرمائے۔



حقیقت دنیا



نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَایَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ

صدق اللہ العظیم۔

معزز سامعین کرام! مختصر وقت میں انشاءاللہ کوشش ہوگی اپنے مافی الضمیر کو آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ گفتگو تقاریر بہت ہو چکی ہیں زیادہ کی بالکل ضرورت بھی نہیں ہے، لیکن جیسا کہ معمول ہے، ایک روایت ہے اس کے مطابق چند کلمات بیان کرنے کے لئے مجھ ناچیز کو دوستوں نے فرمایا، بلایا تو وہی بات مدنظر رکھتے ہوئے پیغام وہی ذکر الٰہی کا، وہی محبت الٰہی

کا جو کہ ہمارے اجتماع کا غرض اور مقصد ہے۔ بیشک وہ محفل جس کے انعقاد کا غرض و مقصد لا
یُرِیدُونَ اِلَّا وَجھَہ! ہو کہ وہ کچھ بھی نہیں چاہتے' کچھ بھی نہیں چاہتے' ذرا سوچئے گا!
جتنے آپ اور ہم سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس محفل کو ممتاز بنانا' عنداللہ پسندیدہ بنانا' مقبول اور
منظور بنانا اس کا انحصار ہم اور آپ پر ہے۔ ہماری نیت پر ہے' ہماری سوچ پر ہے۔ کسی کے کہنے پر
کوئی محفل ممتاز نہیں ہوتی۔ کسی کے دعویٰ سے کسی محفل کو امتیاز اور شان نہیں مل جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ
ہم جیسے جاہل لوگ کسی کی بات کو زوردار انداز میں' پراثر انداز میں سننے کے بعد کہہ بھی دیں کہ
ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہے لیکن ایسا ہونا نہیں چاہئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار قرآن مجید میں
ایمان والوں کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ تم اپنی عقل اور فہم کو استعمال کرو۔ جب کوئی چیز تمہارے سامنے
پیش کی جائے تو صرف اسلئے نہیں کہ یہ میں آپکے سامنے پیش کرر ہا ہوں' بس وہ بات ٹھیک ہوگئی۔
اسی لئے نہیں کوئی عالم اور کوئی شخص یا کوئی واعظ جو بڑا مشہور ہے' بڑا نیک نام ہے' اس کی کرامتیں
ہم نے سن رکھی ہیں' اس کے فضائل لوگ بیان کرتے ہیں اب اس نے جب تقریر میں یہ بات
کردی تو یہ ٹھیک ہوگا۔ ایسے نہیں کیونکہ میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ نے نفوس کو ہی پاک نہیں
بنایا تھا بلکہ انہوں نے عقلوں کے تالے بھی کھول دیے تھے اور دماغوں کو روشن کردیا تھا' سوچوں کو
بلند کردیا تھا جبکہ ہم جیسے۔ جن سے لوگ محبت کرتے ہیں' جن کو وہ قائد بنادیتے ہیں سروں پر
بٹھا کے۔ وہ تو اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ بھئی جو بات میں کہے دیتا ہوں وہ آپ بلا چوں و
چرا مان لیں۔ بس کوئی اس کی کسوٹی نہیں' کوئی اس کا معیار نہیں' کوئی اس کی ضمانت نہیں' کوئی اس
پر سوچ بچار نہیں۔ بس جو میں نے کہہ دیا ہے وہ تمہیں کردینا ہے لیکن میرے آقا و مولا
آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی ایسی تربیت فرمائی تھی جس طرح کہ تربیت کا حق ہے۔

میں آپ کے سامنے یہ بات کہہ دوں کہ بات میری بالکل بور ہوگی' جوش

بھی نہیں ہے، سلیقہ بھی نہیں ہے، کوئی انداز بھی نہیں ہے۔ میں پہلے سے ہی معذرت کر دیتا ہوں اور اس لئے بھی کہ آپ پر مسلط مجھے کر دیا گیا ہے ''بھئی تمہیں بولنا ہے''۔ ورنہ تو میں ہزار بار تقاریر سے توبہ کرتا ہوں۔ یہ بڑا فتنہ ہے، جب اس سے مجھے نجات ملے گی میں شکرانے کے نفل ادا کروں گا۔ میری پوری کوشش ہے کہ اس معاملے میں میری چھٹی ہو جائے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ آقا ﷺ نے صحابہ کی کس طرح تربیت کی تھی اور آج کے قائدین، آج کے واعظین، آج کے رہنما و رہبر وہ کس طرح تربیت کر رہے ہیں۔ یہ بہت زیادہ سوچنے کی بات ہے۔ بھئی آپ صرف اس چیز پر کیوں انحصار کرتے ہیں کہ کوئی آئے اور آپ کو سنا کر چلا جائے۔ نہیں آپکو تاکید کی جاتی ہے کہ جو عقل اللہ تعالیٰ نے آپکو عطا کی ہے، قلب اللہ نے آپکو عطا کیا ہے اسکو استعمال کریں۔ حق بھی واضح ہے اور باطل بھی واضح ہے۔ جب تم غور کرو گے تو تمہیں تب اس میں فرق نظر آئے گا۔ بھیڑ اور بکریوں کی طرح ہم نہ بن جائیں کہ جو بھی لاٹھی لیکر ہمارے سامنے کھڑا ہو جائے تو ہم اس کی لاٹھی کے ڈر سے اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیں۔ تم انسان ہو۔ تم خلیفۃ اللہ فی الارض ہو۔ میں صرف کرسی پر بیٹھنے والا میں نہیں یا یہ اسٹیج پر بیٹھنے والے نہیں یا کسی دار العلوم یا کسی کالج و یونیورسٹی میں پڑھنے والے وہ لوگ نہیں جن کو ایک سند مل گئی۔ جن کو ایک شان مل گیا اور ہم اپنے احساس محرومی میں ہی رہ گئے کہ بھئی اس نے بڑی کتابیں پڑھ لی ہیں خلیفۃ اللہ تو یہ ہے۔ نہیں نہیں جتنے بھی انسان اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْم سب کو اس نے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔ ایک مزدور جو تغاری اٹھانے والا ہے اس کو بھی بہترین سانچے میں ڈھالا، اس کو بھی وہ سب کچھ چیزیں عطا کی گئیں، اس کو بھی عقل دیا گیا، اس کو بھی آنکھیں بھی دی گئیں، اس کو دل بھی دیا گیا، اس کو سوچنے کی صلاحیت بھی دی گئی، اب اگر وہ خود اپنے احساس

محرومی کی وجہ سے' اپنی بیوقوفی کی وجہ سے' اپنی جہالت کی وجہ سے' غلط صحبت کی وجہ سے کہ بھئی کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم کیا کریں گے۔ جس طرح کہ بہت سارے لوگوں سے سننے میں آتا ہے کہ بھئی ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہوگا' کیا ہوگا؟ کبھی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لئے سب دروازے کھول دیے ہیں کوئی بھی ہو' کبھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ چیز نہیں سکھائی۔ ہماری اپنی کوتاہی و جہالت کی وجہ سے یہ سوچ ہماری دل میں پیدا ہوئی ہے۔

تو میں عرض کرر ہا تھا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تربیت فرمائی تھی۔ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک علاقے یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اور جب وہ جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو الوداع کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ آج ہم جیسے قائدین نہیں جائینگے جب تک کہ دو تین کیمرے والے نہ ہوں۔ جب تک کہ کوئی دس بارہ دیکھنے والے نہ ہوں۔ جب تک کہ کوئی مشاہدہ کرنے والا نہ ہو اور پھر جا کر دوستوں میں بتائے کہ ہاں ہاں اس نے یہ کام کیا۔ تو جو روایت مجھ ناچیز نے پڑھی ہے' میں ایک ان پڑھ سا آدمی ہوں' جو میں نے سنا اور پڑھا' ایک ایسا مفہوم ملتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور معاذ بن جبل کے سوا کسی تیسرے کا تذکرہ اس روایت میں مجھے نہیں ملا۔ جا رہے ہیں' معاذ بن جبل کا گھوڑا تیار ہے' اس کی لغام اس کے ہاتھ میں ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور ان کے ساتھ باتیں کرر ہے ہیں۔ اے معاذ! بتاؤ جب تم وہاں جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ کوئی ایسی صورت' کوئی ایسا مسئلہ' کوئی ایسی مصیبت' کوئی ایسا پرابلم تمہارے سامنے آجائے تو اس کو حل کیسے کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا اور اس کو کچھ ڈر نہیں' کچھ خوف نہیں' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو کتاب اللہ میں تلاش کروں گا۔ اس کا حل اللہ کے احکامات میں جو آپ نے ہمیں سکھائے ہیں قرآن مجید کی صورت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس

میں فی الفور نظر نہ آئے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ احادیث وسنۃ میں اس کے ذریعے اس معیار پر اس کی کسوٹی پر اس مسئلہ کو میں حل کرنے کی کوشش کرونگا۔ تو اس طرح کی دو تین باتیں دریافت کیں پھر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب چیزوں میں تمہیں اس مسئلہ کا حل نظر نہ آئے؟ تو حضور میں خود اس پر غور کرونگا پھر میں عقل کو استعمال کرونگا۔ میں اپنی سوچ کو اس میں استعمال کرونگا پھر مجھے جو صحیح نظر آیا میں اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے صحیح کہا۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ تو آقائے نامدار آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو عقلوں کے تالے کھولنے آئے تھے۔ ہم جیسے ایسے رہبر و رہنما آج پیدا ہو گئے ہیں کہ ہم تو لوگوں کے ذہنوں پر تالے ڈال دیتے ہیں۔ کل قیامت کے روز بارگاہ الٰہی میں بڑی مار پڑے گی۔ یقین سے جانئے ہم جیسے نام نہاد قائدین پر بڑی مار پڑے گی۔ کوئی خوف نہیں۔ جو بات بتانی چاہیئے وہ بتاتے نہیں اور جس کی ضرورت نہیں۔ خاص اس پر ہمارا زور ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہم اور آپکو اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے عقل اور فہم کو استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ایسا ہی ہے اگر کوئی اپنے بازو کے استعمال کو ترک کر دے اور اس کو بالکل ہی چھوڑ دے اور اس کو ہلانا چھوڑ دے تو چند مہینوں کے بعد اس کا وہ عضوہ معطل ہو جائے گا۔ اس کے جو یہ بند ہیں وہ کام نہیں کریں گے۔ اکڑ جائینگے۔ وہ بازو جو ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اس طرح ہم اور آپ قلب کے ساتھ عقل کو استعمال ہی نہیں کریں گے تو عقل معطل ہو جائے گی۔

تو آپکے سامنے جو میں نے آیۃ کریمہ تلاوت کی ہے اس سے پہلے ذرا سا مختصر سا تذکرہ کیا جائے گا کہ زندگی جو ہم گذار رہے ہیں تو اس میں کوئی سلیقہ بھی ہونا چاہیے۔ کوئی طریقہ بھی ہونا چاہیے جس طرح کہ زندگی گذارنے کا حق ہے۔ میں آؤنگا آخر میں اس ذکر پر جو کہ بنیادی چیز ہے۔ جو بنیادی غرض و بنیادی مقصد ہے اس محفل کا۔ تو اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے

تخلیق کیا ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کا حسین شاہکار ہے' اس دنیا کی مذمت کرتے ہوئے ہمیں کچھ ڈر نہیں لگتا۔ ہم کہتے ہیں دنیا کی تو ایسی کی تیسی ۔ اس دنیا میں تو کیا رکھا ہے۔ چھوڑو اس کو۔ ہم تو دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے۔ بہت سارے لوگ ایسی بھی سوچ رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے کچھ خشک زاہد آپکو آج بھی مل جائیں لیکن کیا واقعی ایسا ہونا چاہئے؟ دنیا کی مذمت کرنے سے پہلے آپکو یہ بات بھی سوچنی پڑے گی کہ دنیا ہے کیا چیز؟ کس چیز کو آپ دنیا کہہ رہے ہیں؟ جو بھی شخص بیشک میں بھی آپکے سامنے ایسی بات کہوں کہ دنیا رذیل ہے' بیکار ہے' ایسی ہے ویسی ہے۔ تو مجھ سے آپکو ضرور پوچھنا چاہئے کہ دنیا کس چیز کو آپ کہتے ہیں متعین کریں کوئی چیز؟ جب اس کا نام آپ رکھیں گے تو پھر ہم دیکھیں گے کہ اس حقیقت میں خامیاں کتنی ہیں اور خوبیاں کتنی ہیں' جب کوئی متعین چیز آپکے سامنے رکھی ہی نہیں جائے گی اور ایسے کہہ دیا جائیگا کہ بھئی یہ خراب ہے' یہ بیکار ہے' اس کو پھینک دو یہ تو ایسے ہی ہوا میں تیر چلانے والی بات ہوئی۔ تو متعین چیز ہونا چاہئے کہ دنیا کیا ہے اور اس کی مذمت کرنے میں میں حق بجانب ہوں کہ نہیں ہوں۔ میں آپکی خدمت میں عاجزانہ گذارش کرتا ہوں کہ جس زمین پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں یہ بھی دنیا ہے اگر دنیا خراب ہے تو اس زمین پر ہم کیوں بیٹھے ہیں؟ یہی وہ زمین ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ تیری غذا بھی پیدا کرتا ہے اور تیری پوشاک بھی پیدا کرتا ہے اور پہاڑوں پر جب بارش برستی ہے تو برف کی صورت میں جمع ہو جاتی ہے۔ تو یہ بھی دنیا ہے۔ اس برف کے بڑے بڑے گلیشیر بن گئے۔ دیکھو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ نانگا پربت کی پہاڑوں سے میں گذرا ایک مرتبہ تو بڑا حسین منظر تھا۔ میں زندگی میں کبھی بھی اس چیز نہیں کو بھول سکتا۔ ہر طرف برف ہی برف پھیلی ہوئی ہے۔ بہت ہی حسین منظر۔ کوئی سوچے گا بھی کہ بھئی یہ برف اتنی کیوں ہے؟ وہی بات کہ عقل کو ہم تو استعمال بھی نہیں کرتے۔ یہ برف کا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ

سے ایسا حسین سسٹم بنا دیا ہے کہ جو میرا خلیفہ ہے زمین پر۔ جس کو میں نے تخلیق کیا ہے اس کو کبھی بھی زمین پر تکلیف نہ پہنچے۔ تو وہ برف جمع ہو گئی اور بہت زیادہ جمع ہو گئی اور پھر جب دور دراز علاقوں میں پانی کی ضرورت محسوس کی گئی۔ گرمی کا موسم آ گیا۔ پانی کی شدت سے انسانوں کو چاہت محسوس ہوئی۔ پینے کے لئے نہانے کے لئے کھیتوں کے لئے بھی باغوں کیلئے بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس گرم موسم میں اس برف کو پگھلانا شروع کیا۔ یہ کس کی قدرت ہے؟ کہاں پر برف نے ہزار ہا میل دور پگھل پگھل کر دریاؤں کی صورت اختیار کی اور وہ دریا جنوب کی طرف پانی کو لیکر چلنا شروع ہو گئے۔ کیسا سسٹم کیسا نظام جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ تو یہ بھی دنیا ہے۔ میں اپنے زاویہ سے بات عرض کر رہا ہوں ایک متعین چیز کے حوالے سے عرض کر رہا ہوں۔ پھر اس سسٹم کو ہم کیوں برا کہہ رہے ہیں؟ یہ بھی دنیا کا ایک حصہ ہے۔ یہ بھی اللہ نے تخلیق فرما دیا اور بڑے بڑے دریاؤں سے پانی چھوٹے چھوٹے نالوں کے ذریعے کھیتوں تک پہنچنا شروع ہو گیا۔ یہ نہری نظام تو بعد میں ہوا لیکن دریا اس سے پہلے بھی انگریز کے بنائے ہوئے اس سسٹم سے پہلے اپنا راستہ ڈھونڈ کر سمندر تک پہنچ جاتے تھے۔ ہزار ہا گاؤں شہر راستے میں آ جائیں کھیت راستے میں آ جائیں باغات راستے میں آ جائیں ان کو سیراب کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی ٹیکس نہیں کوئی آپکے پاس بل نہیں آتا کوئی آپ سے پیسہ طلب نہیں کیا جاتا۔ یہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے سارا سسٹم بنا دیا ہے۔ یہ خدا کے عجیب مناظر میں سے ایک حسین ترین منظر ہے اور پھر جن جن علاقوں میں اگر یہ نہر کا پانی نہیں پہنچ سکتا تو اللہ نے ان کے لئے بھی بندوبست فرما دیا۔ سمندر کا ذخیرہ کس لئے ہے؟ اتنا بڑا اتنا بڑا سمندر اور پھر دیکھو ہے بھی نمکین۔ اگر یوں منہ میں پانی ڈالنے کی کوشش کرو تو منہ میں ڈال بھی نہیں سکتے۔ ایسے نمکین پانی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے انسان اپنے خلیفہ کے لئے

بندوبست کا یہ بھی نظام بنا دیا کہ بخارات کی صورت میں بڑے بڑے بادل بن جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بادل جو سمندر کے اوپر بنتے ہیں۔ جب وہ بادل تیار ہوتے ہیں تو اللہ کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں۔ یہ کارگو سسٹم، جس طرح ایئر لائن والے کہتے ہیں کہ بھئی ہمارے کارگو ایئر لائن آپکا ایک من ہو، آپکے دس من یا ایک ٹن کا سامان ہو آپ جہاں بھی کہیں ہم پہنچا دیں لیکن ان کے پیسے دینے پڑیں گے لیکن بڑے بڑے یہ بادل، پانی کے کنٹینرز خدا کے حکم سے ہوا میں ٹہلتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کیا حسین نظارہ ہے۔ جا رہے ہیں ان تھر کے علاقوں کی طرف جہاں کبھی بھی کوئی نہر نہیں گذری۔ جہاں لوگ پانی کو ترستے ہیں۔ جہاں انسان، حیوان، درند، پرند، جانور، حشرات الارض سب پانی کو ترستے ہیں۔ خدا کے حکم سے وہ کنٹینرز چل چل کر وہاں پہنچتے ہیں اور وہاں پانی برساتے ہیں۔ ایسا کوئی سائنسدان کر سکتا ہے؟ بڑے سے بڑا کوئی حکیم، عقلمند انسان ایسا کر سکتا ہے؟ یہ بھی دنیا میں شامل ہے۔ تو یہ دنیا اللہ کی بڑی حسین چیز ہے۔ بہت ہی خوبصورت چیز ہے۔ اس کی تعریف و توصیف خود اللہ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ میری نہروں کو دیکھو۔ میرے سمندر کو دیکھو۔ کیسے اس کے اندر کشتیاں چلتی ہیں۔ اس میں جہاز چلتے ہیں اور اس سمندر میں کس طرح میری مخلوق رہتی ہے۔ اللہ خود اپنی قدرت کو قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔ تو یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تخلیق کی ہے اس سے روگردانی نہیں کرنا، اس کو پیٹھ دیکر الگ نہیں ہو جانا ہے۔ اس دنیا کے حقائق، اس کے فوائد، اس کے ثمرات صرف تمہارے لیے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

اے انسان! تیرے لئے ہی ہے سب کچھ۔ بلا تمثیل و تشبیہ جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے ”بیٹے آؤ، آفس میں بیٹھو، کام کرو“ وہ بھاگتا ہے کہ میں نہیں بیٹھوں گا۔ ”بیٹا اتنا میں کاروبار بنا رہا ہوں، اتنا بڑا میرا بزنس ہے، اتنا زیادہ میرا پیسہ ہے، اتنے بڑے بینک

بیلنس ہیں جب تم کام کرو گے تو تمہارا بنک بیلنس اور بھی بڑھے گا۔ تمہارے پیسے اور بھی بڑھیں گے۔ یہ سب تمہارے لئے ہی تو ہیں''۔ تو اسی طرح اللہ سمجھا رہا ہے دیکھو میری زمین کو۔ میرے پانی کو دیکھو۔ میرے سمندر کو دیکھو۔ درختوں کو دیکھو یہ سب تیرے لئے ہیں۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

اس زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ تیرے لیے ہی ہے۔ اس لیے اس دنیا کو خدا کی نعمتوں میں سے ایک حسین نعمت سمجھنا چاہیے۔ میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی اچھی سے اچھی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی تھی آپ ﷺ شکر الحمد للہ کہہ کر اس کو قبول فرماتے تھے۔ کسی نے بھی کوئی تحفہ کسی بھی موقع پر آپ کی خدمت میں پیش کیا تو کبھی بھی آپ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ بھئی یہ واپس لیکر جاؤ۔ یہ نہیں چاہئے۔ یہ تو دنیا ہے بلکہ آپ تو آفرین دیتے تھے۔ ان کو دعائیں دیتے تھے۔

اب دنیا تو ہو گئی لیکن اس دنیا کا استعمال کرنا بھی ہمیں سیکھنا ہے کہ کس طرح استعمال کی جائے۔ اس کے مصارف ہمیں سمجھنے چاہییں تا کہ ہم صحیح معنیٰ میں اس دنیا کے ثمرات وفوائد سے بہرمند ہو سکیں۔ ہمارے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کی اتنی کھلی طبع مبارک تھی کہ کوئی تکلف نہیں۔ اگر آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی سبزی پیش کی جاتی تو بھی آپ ﷺ بلا تکلف اس کو نوش فرما دیتے۔ اگر مرغی کا گوشت پیش کر دیا جاتا تو سبحان اللہ کہہ کر وہ بھی استعمال فرما دیتے۔ شہد پیش کیا جاتا بسم اللہ کر کے استعمال کر دیتے۔ خشک زاہدوں کی طرح نہیں جیسے آج کل ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں ''بھئی میں نے تو فلاں چیز چھوڑ دی'' بھئی یہ کیوں چھوڑ دیا؟ جو تمہیں پسند ہو وہ صحیح ہے جو تمہارے نفس کو پسند نہیں ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ یہ میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کا طریقہ نہیں تھا۔ صحابہ کو جو آپ نے تربیت دی، ان کی ذہن سازی فرمائی، ان کی کردار

سازی فرمائی اور یہی فرمایا کہ دنیا کے تم اندر رہو۔ دنیا سے باہر نہیں رہنا اور یہی ہمارے مشائخ ہمیں سکھاتے ہیں اور طریقہ والے ان کے طریقے بہت پیارے ہیں۔ ہمارے پاس ان کی عزت ہے۔ بلاشک وہ اپنے طریقہ سے اپنے احباب کی تربیت کریں لیکن یہ عاجز عرض کرتا ہے صوفی وہی ہے جو دنیا کے اندر رہے۔ دنیا سے باہر رہنے کی بات نہیں کی جارہی۔ دنیا والوں کے ساتھ رہیں۔ اپنے آپکو بھی ان میں سے ایک سمجھیں۔ میری طرح کوئی نرالی مخلوق نہ بن جائیں جس طرح مجھے آپ لوگوں نے بنادیا ہے۔ بڑا ظلم ہے۔ بہت بڑا ظلم ہے۔ اللہ پناہ دے ایسی زندگی سے۔ وہ آدمی سب سے بہترین ہے جو سب لوگوں کے ساتھ ایک جیسا ہے۔ ان کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ ان کے ساتھ اٹھتا ہے۔ ان کے ساتھ پیار کرتا ہے۔ یہ زندگی ایسی زندگی ہے جو میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کو بہت پیاری تھی۔ یہی آپکا معمول تھا۔ ہم نے پتا نہیں دین میں کیا شامل کردیا ہے۔ میں نے پہلے ہی بات کی تھی کہ آخرت میں بڑی مار پڑے گی۔ جو کچھ ہم کررہے ہیں ہم اسکو دین کہتے ہیں لیکن دین کی حقیقت کیا ہے؟ بڑے بڑے عالموں سے پوچھو گے وہ بھی اپنے مسلک کی بات کرینگے اور بس۔ لیکن دین کی حقیقت کیا ہے؟ دین ہے کیا چیز؟ جیسا کہ ہمارے سندھ کے عظیم شاعر حضرت بھٹائی صاحب کا شعر جو دوست پڑھتے ہیں۔

دین نبي، کریم جو ٿيو نماٹو نروار

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا جو دین ہے وہ بیچارہ ہو گیا ہے۔ کس نے بیچارہ بنایا ہے؟ جو دین کے داعی ہیں۔ جو کہ دین کا نام لیتے ہیں۔ جو دین کے رہنما ورہبر بنے پھرتے ہیں۔ انہوں نے ہی اس کو بیچارہ بنادیا۔ سوچنا چاہیے میرے آقا ﷺ نے کیا دین ہمارے سامنے پیش کیا تھا اور ہم نے اس کا حلیہ کیا بنادیا ہے۔

تو میرے دوستو! میں اپنے اس موضوع پر آتا ہوں کہ دنیا میں رہنے کا سلیقہ

اور طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اختیار فرمایا۔ اگر دنیا سے روگردانی فرماتے پھر شادیاں کیوں کرتے؟ اگر یہ چیزیں خراب ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو کیوں پسند فرماتے؟ تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی چیزیں اللہ نے تخلیق فرمائیں وہ سب با مقصد ہیں۔ ان کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایسے نہ کہو کہ دنیا تو ایسی ویسی ہے۔ اس طرح کی باتیں شریعت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ اس طرح کی باتیں تصوف سے تعلق نہیں رکھتیں۔ یہ کسی کی ذاتی رائے ہو سکتی ہے۔

تو اب اسکا مفہوم میں آپکو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں رہتے ہوئے' دنیا کے کام کرتے ہوئے' دنیا کی تجارت کرتے ہوئے' زراعت' ملازمت' دھندہ' کاروبار یہ سب کرتے ہوئے تم اپنے رب کے حقوق کو بھی ادا کرنا مت بھولو۔ اس کے ذکر سے بھی مت غافل ہو۔ تو یہ دنیا تمہارے خدا کی نظر میں عین ثواب بن جائیگی۔ اگر یہ تجارت خراب ہوتی تو صحابہ تجارت کیوں کرتے۔ بازاروں میں جا کر دکانوں پہ بیٹھنا' کاروبار کرنا' لین دین کرنا اگر ناپسندیدہ ہوتا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو اتنی زیادہ دولت اپنے ترکے میں چھوڑی تھی کہ سونا اتنا زیادہ تھا کدالوں سے نکالا جا رہا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ وہ کیوں تجارت کرتے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی' میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو بیشمار دولت انہوں نے اپنے ورثے میں چھوڑی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تلقین کی تھی کہ تم کاروبار بھی کرو' تجارت بھی کرو' دنیا کے کام بھی کرو' دنیا کے دھندے بھی کرو' دور دراز علاقوں میں جا کر بھی کرو' یہاں بھی کرو لیکن ان سب باتوں کو کرتے ہوئے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں تا کہ تمہارے دل میں تکبر نہ آئے۔ تمہاری گردن میں سریہ نہ آ جائے۔ اکڑ نہ

آ جائے۔ یہاں آ کر فرق پیدا ہوتا ہے ایک ایمان والے کا اور ایک ایسے شخص کا جو دنیا کی حقیقت کو نہیں جانتا اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور اسکو دل دیکر بیٹھتا ہے اور اپنے رب کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، اس کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے' مخلوق کے ساتھ مہربانی نہیں کرتا انصاف نہیں کرتا اور یہیں پر آ کر وہ مار کھاتا ہے۔ جو میں نے آیہ کریمہ تلاوت کی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ
اگر تم شکر کرو اور ایماندار ہو جاؤ تو خدا تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں شکر کب ہوگا؟ شکر تب ہوگا جب نعمت تمہیں نظر آئیگی۔ اگر تمہارے نظر کے سامنے کوئی نعمت ہی نہیں ہے تو شکر کس چیز کا کرو گے۔ اس زمین پر جتنی بھی تخلیقات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ یہ سب نعمتیں ہیں۔ اب اگر تم ان چیزوں کو حاصل کر لیتے ہو اپنی محنت سے' اپنی کوشش سے' اپنی تجارت سے اور اس کو من اللہ یعنی اللہ کی طرف سے سمجھتے ہو تو کہو گے یہ نعمت ہے یعنی کہ انعام ہے اللہ کی طرف سے۔ تم نے خود مزدوری کی یا تجارت کی۔ جب وہ چیز آپکے ہاتھ میں آئیگی تو آپ کہیں گے کہ یہ نعمت مجھے مل گئی۔ جب یہ نعمت تمہیں نظر آئیگی پھر تم شکر کرو گے اور شکر کرنے کا اللہ نے بہت زیادہ تاکید فرمایا ہے کہ میرے شکر گذار بندے بن جاؤ۔ تو اس آیت میں بھی اللہ فرماتا ہے کہ اگر تم شکر گذار بن جاؤ اور ایمان والے بن جاؤ تو اللہ تمہیں عذاب دیکر کیا کریگا۔ میں ترجمہ عرض کر رہا ہوں یعنی دو باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایمان بھی اور اسکے ساتھ تم شکر گذار بندے بھی بن جاؤ۔ جب یہ دو چیزیں تمہارے اندر آ جائیں گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیکر کیا کریگا؟ وہ تو بڑا مہربان ہے۔ وہ تو بڑا شفیق ہے۔ تو نعمتوں کو نظر آنا چاہیے اور نعمتیں اس کو نظر آئیں گی یعنی انعام جب کوئی ایسا شخص آپکو تحفہ دیدے جس سے آپکی محبت ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص آپ کو تحفہ دیتا ہے جس سے آپ کی محبت نہ ہو تو اس سے لینا بھی پسند نہیں کرو گے'' بھئی تم

کون ہوتے ہو مجھے پیسے دینے والے'' یا تمہیں کوئی تحفہ دیدے تو ہوسکتا ہے تم اسے پسند ہی نہ کرو لیکن اگر ایسا شخص دے جس کے ساتھ آپکی محبت ہے، جس سے تمہارا پیار ہے، جس سے تمہاری دلی الفت ہے تو پھر تم ہر جگہ اس کی ثنا خوانی کرتے پھرو گے ''بھئی اس نے یہ پیسے مجھے دیے ہیں'' کیونکہ اس کے ساتھ تمہاری محبت ہے، تمہارا انس ہے۔ یہی کچھ صورت حال اے انسانو ہماری ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نعمتیں سب کو دیتا ہے لیکن بیشمار لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے، اس سے پیار نہیں کرتے، ان کے قلوب اس کے پیار سے خالی ہیں۔ تو ان نعمتوں کی شکرادئیگی کا ڈھنگ اور سلیقہ ہی ان کو نہیں آتا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی دل میں اللہ کی محبت اور پیار ہوتا ہے پھر جب ان کو من اللہ کوئی چیز مل جاتی ہے یعنی کوئی بھی چیز۔ بظاہر انہوں نے خود محنت کی تو پھر بھی وہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور پھر اس نعمت سے انہیں پیار ہو جاتا ہے اور اس پیار کی وجہ سے خدا کی شکرادائی کرتے ہیں۔ شکرادائی صرف زبان سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ سراپا شکر بن جاتا ہے۔ وہ لمحہ لمحہ اپنے رب کی نعمتوں پر بچھ بچھ جاتے ہیں اور اپنی حماقتوں، اپنی غلطیوں کو کبھی بھی نہیں بھلاتے۔ جب وہ تنہائیوں میں ہوتے ہیں تو اپنے آپ پر اپنا احتساب کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے تھپڑیں بھی مارتے ہوں اپنے آپکو۔ مولوی صاحبان کہیں گے تم اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہو۔ اپنے آپکو تھپڑیں کیوں مار رہے ہو؟ لیکن اس لئے ماریں گے کہ جو اتنی نعمتیں کر رہا ہے، جس کی اتنی مہربانیاں ہیں، اتنے اعزاز بخشے ہیں، میں نے یہ کیا کر دیا۔ اپنی غلطیوں، اپنی حماقتوں پر روئیں گے۔ دل ان کے کڑھتے ہیں۔ حضرت امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یا اور کوئی صحابی کہتے ہیں کہ جب وہ تنہائی میں جاتے تو اپنا درہ اپنی ساق پر مارتے کہ اے عمر تم نے یہ کیا کر دیا۔ وہ اپنے درے سے جو عمر رضی اللہ عنہ کا درہ مشہور ہے اپنے آپکو مارتے

تھے۔آپ ہی کا قول مبارک ہے کہ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔

اپنا احتساب کرواس سے پہلے کہ تمہارا احتساب کیا جائے۔تو میرے دوستو یہ دنیا بہت ہی خوبصورت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔اس کو مزید خوبصورت بناؤ۔اس کو اچھا بناؤ۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرو اور اس نعمت سے کسی اور کو بہرمند ہوتے دیکھو تو بھی شکر کرو۔اپنے بھائیوں کی خوشیوں میں بھی تم خوش ہو جاؤ۔اپنے بچوں کی خوشیوں میں بھی خوش ہو جاؤ۔بڑی خوشیاں ہمارے اردگرد بستی ہیں جن سے ہم صرف نظر کر دیتے ہیں۔چاہتے ہیں کہ جو میں ہی سوچتا ہوں وہی ہو جائے۔اللہ تعالیٰ تو قدم قدم پر خوشیاں دیتا ہے۔قدم قدم پر نور دیتا ہے۔ مغفرتیں دیتا ہے۔عنایتیں دیتا ہے۔میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کی طرف سے عنایتیں ہوتی ہیں قدم قدم پر لیکن ہو کچھ شناس، ہو کچھ فہم، ہو کچھ عقل، کچھ سمجھ ہو۔ہماری سندھی زبان میں مثال دیتے ہیں کہ گڏھ ڇا ڄاڻي گلقند مان

گدھے کو کیا پتہ کہ گلقند کیا چیز ہے۔حکیم صاحب اگر گدھے کو گلقند کھلانا چاہیں تو گدھے کو کیا پتہ کہ گلقند کیا ہے۔وہ تو اس کو گھاس سمجھ کر کھا جائیگا۔اسی طرح نعمتیں تو ہمیں بیشمار ملتی ہیں مگر ہم بھی گدھے کی طرح گلقند کا قدر نہیں جانتے۔اگر تم ذکر کرنا شروع کر دو، اگر تم اپنے دل میں اپنے رب کا پیار بسا دو، اگر تم اپنے دل سے بغض و کینہ نکال دو۔کوئی بھی ہو، تو دیکھو پھر کیسے تمہارے دل میں خوشیاں آتی ہیں۔طمانیت آتی ہے۔نور آتا ہے۔پھر کیسے تمہاری زندگی سہل بن جاتی ہے اور کس طرح تم لوگوں کے مددگار بن جاتے ہو۔ہم تو چاہتے ہیں کہ سب لوگ میری مدد کریں۔ہم جیسے لوگوں کے لئے یہ لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی ڈوب رہا تھا جو ہمیشہ لینے والوں میں سے تھا تو اس سے کسی نے باہر والوں میں سے کہا کہ ''مولوی صاحب ہاتھ دو'' وہ ڈبکیوں پے ڈبکیاں کھا رہا ہے لیکن ہاتھ نہیں دے رہا تو اسنے کہا ''مولوی صاحب ہاتھ لو'' اس نے فوراً ہاتھ دیا

اور کہا کہ پہلے اگر ہاتھ لینے کی بات کرتا تو میں اتنی ڈبکیاں نہیں کھاتا۔ تم دینے کا مجھے کہہ رہے تھے۔ ہے یہ لطیفہ لیکن بڑا معنی خیز ہے۔ ہم مولویوں کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں، ان کو کہتے ہیں لیکن برے، خراب ہم خود ہیں۔ ہم اور آپ سب اس لئے خراب ہیں کہ ہم اپنا سارا زور اپنے ظاہر پر لگاتے ہیں۔ کسی کو نیک بننا ہے تو وہ سارا زور اپنے ظاہر پر لگاتا ہے بھئی متشرع بن گیا۔ لوگوں نے کہدیا کہ بھئی یہ صوفی ہے بات ختم۔ او بیوقوف، او احمق اپنے تیرے اندر کا کیا حال ہے؟ اس کو کتنا سجایا؟ اس میں کیا خوبی پیدا ہوئی؟ اس میں کونسا نور آیا؟ ایمان کا کچھ ذرہ تمہارے دل میں بھی آیا یا نہیں آیا؟ سارا زور ہمارا ظاہر پر ہوتا ہے یہ بڑی حماقت ہے۔ لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں لیکن اللہ کی ذات علیم بذات الصدور ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان سے وہ لوگ اچھے ہیں جو دنیا میں رہتے ہیں، دنیاداری کرتے ہیں لیکن ان کا ظاہر باطن ایک جیسا ہے۔ وہ فائدے میں ہیں۔ اور ہم سارا زور اپنے ظاہر پر لگاتے ہیں اسلئے حضرت غوث اعظم پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظَاهِرُکَ مُسْلِم اَمَّا بَاطِنُکَ فَلَا

تمہارا ظاہر مسلمان ہے لیکن باطن تمہارا مسلمان نہیں ہے۔ کیوں کہہ رہے ہیں؟ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ تم نے دل میں بغض اور کینے کو جگہ دی ہوئی ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایک بندہ ایسا بھی ہے کہ جس کے دل میں کسی کے لئے بغض نہ ہو۔ کسی کے خلاف بھی نہیں؟ اگر کوئی ایسا ہے تو وہ تو بھئی مبارکباد کے قابل ہے۔ میں کہونگا کہ صحیح معنیٰ میں ولی وہ ہی ہے لیکن یہ بات اتنی آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے دل میں جھانکنا پڑیگا۔ ہے ہم میں صلاحیت؟ ہے صلاحیت؟ ہے اتنی گہری نظر؟ اتنی گہری کہ دل کے اندر چلی جائے۔ دل کوئی اتنی چھوٹی چیز نہیں کہ تم گیند کی طرح اس کو یوں کر کے دیکھ لو۔ دل اتنی گہری ہے، اتنی بڑی

دنیا ہے کہ اگر تم ساری زندگی دل کا سیر کرتے چلے جاؤ، کرتے چلے جاؤ، ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال تمہاری عمر ہو جائے دل کا سیر مکمل نہیں کر سکتے۔ اتنی گہری ہے یہ دل کی دنیا۔ کس کے پاس ہے ایسی صلاحیت؟ کس کے پاس ہے وہ ذہن؟ کس کے پاس ہے وہ فراست ایمانی؟ کہ اپنی دل میں جھانک کر دیکھیں لیکن فرصت ہی نہیں۔ اوروں کو دیکھیں گے۔ بڑا بازار گرم ہے۔ جہاں بھی چلے جاؤ، بڑے بڑے مقررین واعظین کو سنو، یہی بات آپکو سنائی جائیگی۔ وہ ایسا ہے۔ یہ ایسا ہے۔ اس کی ٹانگ پکڑو۔ اسکا کان کاٹو۔ اسکو اڑادو۔ کوئی بھی اپنے آپکو نہیں دیکھتا تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تمہارا اگر یہ حال ہوگا تو عذاب تو آئیگا ہی آئیگا۔ بے شکری بھی ہوگئی۔ ایمان بھی ہم نے صرف اپنے جسم پر سجالیا جیسے کوئی لباس ایمان پہن لیا۔ بس ٹھیک ہے کوئی ایک ایسا ملبوس جو ہم نے پہن لیا اور بس ہم سب ایماندار ہو گئے۔ حالانکہ ایمان ان کی دلوں میں آیا ہی نہیں۔ ایمان کے لئے ان کے دل صحیح معناؤں میں کھلے ہی نہیں ہیں۔ وہ تالے بند ہیں۔ زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ وہ تالے توڑنا کوئی آسان بات نہیں کہ یہ تالے ٹوٹ جائیں اور اسکی کثافت زدہ دل کی دنیا کھل جائے اور پھر ان کے اندر جو بھی خرابیاں ہیں بغض ہے، کینہ ہے، جو بھی غیر اللہ کی محبتیں ہیں، ان سب کو پاک صاف بنانا یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ دوستو! اگر معزز بننا چاہتے ہو اللہ کی نظر میں تو پھر تمہیں یہ کام کرنا پڑے گا۔ ورنہ آج جو یہ صورتحال جو تمہارے اوپر ہے، جو تکالیف، مشقتیں، پریشانیاں تمہیں نظر آرہی ہیں اس لئے ہیں کہ ہم نے دین کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھا اور دنیا کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھا۔ مل کر بیٹھو۔ سب کو دعوت دی جارہی ہے۔ غور کرو۔ دنیا کیا ہے اور دین کیا ہے؟ اور ان میں فرق کہاں پیدا ہوتا ہے؟ ایسا تو نہیں ہے، ہم جس کو دین سمجھ رہے ہیں وہ دنیا ہے اور جس کو دنیا سمجھ رہے ہیں وہ دین ہے۔ سوچنے کی بات ہے۔ تو دوستو! اللہ تعالیٰ ہم اور آپکو یہ توفیق دے کہ احساس پیدا ہو، یہ ندامت پیدا ہو، یہ پشیمانی پیدا ہو کہ ہم کچھ ٹائم

نکالیں ۔میں پھر وہی بات عمر فاروق رضی اللہ عنہ والی عرض کرتا ہوں کہ جب آپ فارغ ہو جاتے' میں نوافل کی بات نہیں کر رہا غور سے سنئے گا۔ میں احتساب کی بات کر رہا ہوں۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ کر غور فرماتے تھے کہ عمر آج تم نے کیا کیا؟ جب کوئی غلط بات یاد آتی درہ مارتے تھے یہ کیا کیا تو نے ۔ہمیں تو کچھ بھی یاد نہیں۔ ہم تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ہم جو کرتے ہیں وہ فرسٹ کلاس ۔او بیوقوف اس طرح کبھی بھی تم عزت' مرتبہ' شان' مان نہیں پا سکتے۔یہ کیفیت اپنے اندر پیدا کرو۔ میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اس نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ میرے سامنے اگر کوئی بات آجائے اور میں پھنس جاؤں کہ یہ صحیح ہے یا غلط ہے تو پھر میں کیا کروں" حضور ﷺ نے فرمایا کہ اِسْتَفْتِ بِقَلْبِکَ

اعرابی ۔ان پڑھ' جاہل' بدوی' جنگل کا رہنے والا۔ لکھنے پڑھنے کا سلیقہ نہیں اس کو بھی فرمایا کہ اپنے قلب' اپنی دل سے پوچھ لینا۔ کتنی بڑی دل ہے۔ کیا اسکا مقام ہے۔کیا اس کو اعتماد دے رہے ہیں۔ کتنا اسکا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔ بھئی تم تو عالم ہو۔ ہم تو کہیں گے تم جاہل ہو' تم ایسے ہو' ویسے ہو' آؤ میرے پاس میں تمہیں بتاتا ہوں۔ یہ "میں و میں" نے ہمیں ماردیا۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے

تکبر تاڑے ٹرائے گھر مٹھے سید ملا مصر

وڈے وڈے آپ کہاون وڈے گیئن وسر

تکبر نے تین گھرانوں کو نقصان پہنچایا۔ ایک سید کو۔ وہ کہے گا میں سید زادہ ہوں مجھے کیا ضرورت ہے میں کسی کے پاس جاؤں' تربیت کراؤں۔ میں تو خود بڑے مقام اور شان کا مالک ہوں۔ اور ملا۔ وہ بھی کہے گا میں تو خطاب کرتا ہوں' تقریر سناتا ہوں' کتابیں پڑھتا ہوں' میرا فلاں استاد' اسکا فلاں استاد۔ وہ بھی کبھی اپنی احتیاجی علم کو ظاہر نہیں

کرے گا۔ مصر یعنی وڈیرہ۔ چوہدری وہ بھی کبھی اپنی انکساری و عاجزی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں ان تینوں کو تکبر نے نقصان پہنچادیا۔ یہاں پر ایک بات آپ نے محسوس کی ہوگی کہ جب بھی علماء کو دعوت دی جاتی ہے تو وہ جب بات کرتے ہیں تو وہ انکساری سے کرتے ہیں۔ عاجزی سے کرتے ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ ایسی بات آپکو ہر ایک جلسے میں نہیں ملے گی لیکن یہاں پر کسی بھی عالم دین کو جو میرے حضرت کے صحبت یافتہ ہوں' ان کو کھڑا کردیں یہ انکساری کرے گا۔ دل کا راز اللہ جانتا ہے لیکن عالم اور انکساری! آج کے دور میں مشکل ہے۔ اسی طرح میں سنتا ہوں۔ یہ کیا چیز ہے جو علماء سے کہلواتی ہے کہ میں ناچیز ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ تو اسٹیج پر آئیگا' اپنا فن دکھانے کیلئے۔ اپنا علم دکھانے کے لئے۔ یہ وہ نظر ہے جو ہمارے مشائخ کی عنایت ہے' ان کا توجہ ہے' ان کا تصرف ہے' جو علماء کے اندر کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ان کو منور کرتا ہے۔

تو جو میں نے اتنی لمبی گفتگو کی کہ یہ دنیا بڑی خوبصورت ہے اس کا مفہوم کیا ہوا؟ اس دنیا' جو کہ اللہ کی نعمت ہے۔ اسکو بگاڑو نہیں۔ اس کی مذمت نہیں کرو۔ اس سے منہ مت موڑو۔ دنیا میں رہنا ہے۔ دنیا کے ساتھ چلنا ہے اور ان نعمتوں کو اللہ کی طرف سے جاننا ہے اور کوشش بھی خوب کرنی ہے۔ پھر اس عاجز نے یہ بات عرض کی کہ دنیا ہے کس چیز کا نام؟ اس پر بھی غور کرو۔ پھر اس عاجز نے یہ کہا کہ دین کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کیجئے۔ اور پھر میں نے یہ بات کی کہ چونکہ دین و دنیا کے حقائق سے ہم لاعلم ہیں اس وجہ سے بین الاقوامی طور پر ہم شدید پریشانیوں کا شکار ہیں۔ اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور پھر سب سے مقدم اور اہم بات یہ ہے کہ آپ سب کو دعوت ہے آپ سراپا محبت بن جائیں۔ کینہ اور بغض دل سے نکال دیں۔ جتنے بھی لوگ آپکے آس پاس بستے ہیں ان سے آپ پیار کریں۔ ان سے محبت

کریں۔ان سے پیار و محبت سے گفتگو کریں۔یہ میرے آقا ﷺ کی سنت ہے۔آقائے نامدار ﷺ کی تو وہ عظمت تھی کہ کوئی بھی دعوت کے لئے آتا تھا تو انکار نہیں فرماتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایرانی فالودہ لے آیا تو آپ فالودہ کھانے لگے۔بڑا مزیدار ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا بھئی یہ کس خوشی میں ہے؟تو ایرانی لوگوں نے کہا کہ یہ نوروز ہے۔ان کی کوئی عید ہے۔ہم بھی جب دبئی جاتے ہیں تو سارا دبئی بند ہوتا ہے وہ کہتے ہیں آج ایرانیوں کا نوروز ہے۔تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایرانیوں کا سال میں ایک بار نوروز ہوتا ہے ہمارا تو ہر روز نوروز ہے۔کھاتے بھی گئے یعنی کہ نعمت سے خوش بھی ہو رہے تھے' بہرمند ہو رہے تھے۔اس طرح ہمیں بھی خداتعالیٰ کی کوئی نعمت استعمال کرتے ہوئے' کھاتے ہوئے شکر ادائی کرنی چاہیے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے اس طرح بھی نہیں کہ بھرتے چلے جاؤ بوری کی طرح پیٹ کو اور یوں بھر دو کہ گنجائش ہی نہ رکھو۔یہ ممنوع ہے شریعت کے لحاظ سے۔میں کم از کم یہ کہوں گا کہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ آقا و مولا آنخضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب بھی کھانا تناول کرو تو تین حصے کرو اپنے معدے کے۔ایک حصہ کھانے کے لئے' دوسرا حصہ پانی کے لئے' تیسرا حصہ سانس لینے کے لئے بھی چھوڑ دو۔یہ نہیں کہ جب سانس لینے کی کوشش کرو تو چاول باہر آنا شروع ہو جائیں یا حلوہ باہر آنا شروع ہو جائے پھر کھانسی شروع ہو جائے اور وہ حلوہ آپکی سانس کی نالیوں میں آجائے۔اس طرح مت کیا کریں۔لباس پہننے کے سلسلے میں عرض کروں کہ ہمارے حضور پیر مٹھا رحمۃ اللہ علیہ بڑے نفیس لباس پہنتے تھے۔بہت ہی پیارا' بہت ہی حسین۔بہت سے لوگ معترض ہوتے تھے۔بہت سے لوگ اس پر غم و غصہ کا اظہار کرتے تھے لیکن کوئی شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔ہمارے مشائخ نقشبند اس معاملے میں بہت ہی کھلے دل سے اچھی چیزوں کو استعمال کیا کرتے تھے۔بہت

سارے لوگ ہوتے ہیں جو کپڑے پہننے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ تو بہت سخت ہیں۔ یہ مجھے پریشان کرتے ہیں۔ جب تمہیں پریشانی ہورہی ہے تو ایسے کپڑے کیوں پہن رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

اپنے آپکو تکلیف میں مت ڈالو۔ ہلاکت میں مت ڈالو۔ اسی طرح تم اچھا لباس پہنو اگر تمہیں ضرورت ہے تو ہلکا لباس پہنو۔ نرم اور نفیس لباس پہنو لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تم غلط طریقے سے، جتنی تمہاری طاقت بھی نہیں ہے اپنی طاقت سے بڑھ کر۔ نہیں جتنی تمہاری حیثیت ہے، طاقت ہے اس کے مطابق۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ

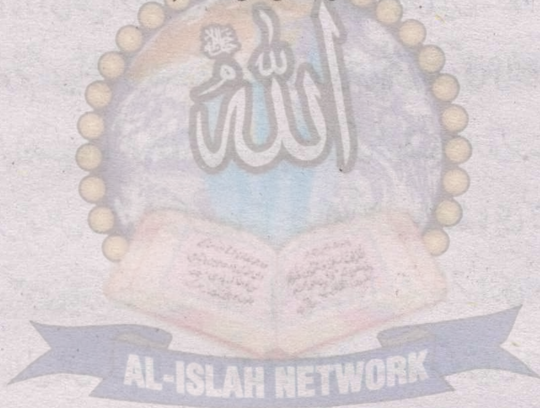
ببیں ایں بے حمیت را کہ ہرگز نہ خواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویش تن را، زن و فرزند را گذارد بہ سختی

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس بے حمیت کو دیکھو عیش خود اڑاتا پھرتا ہے۔ دوستوں کو کھلاتا پھرتا ہے اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں بے حمیت ہے یعنی بے غیرت ہے۔ ایسے مت بنو۔ جو بھی اللہ نے تمہیں دیا ہے خود بھی استفادہ کرو اپنے اہل و عیال پر بھی خرچ کرو۔ جتنا تم خدا کی خوشی کے لئے اپنے بچوں پر، اہل و عیال پر، اپنے پڑوسیوں پر خرچ کرو گے اتنا زیادہ تمہیں اللہ عطا فرمائیگا۔ اس مال اولاد کی محبت حاوی نہیں ہونی چاہیے۔ دل میں محبت ایک اللہ کی ہو لیکن اس حوالے سے ان چیزوں کا قدر ہو کہ یہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے۔ اب ذکر کے بارے میں عرض کروں کہ بائیں جانب قلب انسانی ہے۔ اس دل میں ذکر کا خیال رکھیں ہر وقت۔ وضو ہو یا نہ ہو، سانس آتا جاتا رہے، توجہ دل میں رہے، یہ بڑا عظیم ذکر ہے۔ بہت ہی عظیم ذکر ہے۔ تم جب اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے اور اسکا ذکر کرو گے تو تمہارے ظاہر میں بھی خوشی ہوگی اور باطن میں بھی خوشی ہوگی۔ اللہ تمہارا ذکر عرش پر فرمائیگا۔ جب یہ ذکر آپ

کریں گے‘ یہ خیال دل میں لگائیں گے‘ انشاء اللہ اللہ کی مہربانی سے‘ آقا و مولا آنحضرت ﷺ کے نگاہ کرم‘ ان کی عنایت سے اور مشائخ نقشبند کی توجہ سے یہ دل اللہ کے ذکر میں جاری ہو جائیگا۔ بڑی ضروری ہوتی ہے صحبت۔ بغیر اس کے قلب پر محبت الٰہی کا رنگ نہیں چڑھتا۔ عشق الٰہی کا رنگ نہیں چڑھتا۔ وہ دل کی دنیا آباد نہیں ہوتی۔ جب ذکر کرنا شروع کرو گے تمہارے دل میں وہ موج و مستی ہوگی‘ وہ شوق اور جذب ہوگا جس طرح مجنوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب لیلیٰ کی وفات ہوگئی تو مجنوں پر لوگ ہنسنے لگے کہ اے مجنوں! تمہاری لیلیٰ تو مرگئی۔ وہ دیوانہ تھا محبت میں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے بڑے کمال کی باتیں کی ہیں۔ وہ مجنوں پر ہنسنے لگے تو وہ کہنے لگا اے بیوقوفو تم کس لیلیٰ کی بات کررہے ہو‘ کون سی لیلیٰ چلی گئی؟ انہوں نے کہا جو تمہاری لیلیٰ تھی۔ اس نے کہا وہ کیسے جائیگی‘ وہ تو یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کبھی نہیں جائیگی۔ اللہ کا عشق تو اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے پھر تمہیں ڈھونڈنا ہی نہیں پڑے گا کہ اے میرے رب میں تمہیں یاد کرتا ہوں‘ تمہیں پانا چاہتا ہوں پھر تو تمہاری دل میں تمہارا رب آجائیگا۔ وہ تمہاری دل میں رہے گا۔ اور وہاں تمہاری اس سے سرگوشیاں‘ اس کے ساتھ ذکر‘ اس کے ساتھ یاد‘ اس کے ساتھ محبت‘ اس کے ساتھ پیار کی باتیں ہوتیں رہیں گی۔ اس سے بڑھ کر اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور نعمت ہو ہی نہیں سکتی لیکن قدردان لوگ ہیں ہی نہیں۔ بالکل نہیں ہیں۔ اس چیز کو سمجھنے والے ہیں ہی نہیں۔ ہم تو پتا نہیں کیا کچھ مانگتے ہیں۔ کیا کچھ سوچتے ہیں۔ یہ چیز تمہیں حاصل کرنی چاہیے۔ اس چیز کا قدر ہونا چاہیے پھر مولانا رومی علیہ الرحمۃ ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک اور موقعہ پر مجنوں کو لوگ کہنے لگے یہ لیلیٰ کا گھر ہے‘ دیکھو یہ لیلیٰ کا دروازہ ہے‘ دیکھو یہ لیلیٰ کا کتا ہے‘ تو وہ مجنوں آنکھیں بند کردیتا۔ لوگوں نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا یہ گھر یہ کیا چیز ہے؟ لیلیٰ کا گھر تو یہاں ہے دل میں‘ لیلیٰ کا دروازہ بھی یہاں

ہے، لیلیٰ کا مسکن بھی یہاں ہے، مجھے کہیں اور دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تو پھر تمہیں بھی ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تمہارا دوست تمہارے دل میں ہوگا اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ نہیں ہو سکتی کہ تمہارا رب تمہارے دل میں ہو اور اس طرح میں یہ بھی عرض کروں کہ اپنے والدین، پڑوسی، رشتہ داروں کا خیال رکھیں۔ کسی کی ساتھ کوئی ظلم زیادتی نہ کریں اور پھر میں نے یہ بھی عرض کی کہ دل میں جھانکنے کی کوشش کریں تا کہ دل کی کھڑکی کھل جائے اور اندر کی دنیا تمہیں دیکھنے میں آئے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔



تعلیمات
صوفیاء کرام

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

فِی الْاَرْضِ۔

صدق اللہ العظیم۔

معزز سامعین اور ذاکرین جماعت آپ یہاں پر قرب و جوار سے' دور دراز علائقوں سے سفر کرتے ہوئے' مشقتیں راستے کی اور تکالیف سفر کی برداشت کرتے ہوئے یہاں تشریف لائے۔ یہ ساری رونق، یہ سارا رنگ، یہ سارا نور' یہ میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ کی نظر' ان کا فیض یہ سب آپ لوگوں کی برکت اور آنے کی وجہ سے' ہمیں میسر ہو رہا ہے۔ جس طرح کہ ہمارے سندھ کے عظیم شاعر' صوفی' اللہ والے کیونکہ صوفیاء کرام' جن سے ہم توسل اور تعلق کی دعویٰ کرتے ہیں' ان سے محبت کا ہم دعویٰ کرتے ہیں' ان کا طریقہ کار بھی ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ماشاء اللہ دیگر لوگ جو اپنے اپنے انداز میں دین کی خدمتیں کر رہے ہیں۔ مختلف ناموں سے۔ جو بھی خلوص سے خدمت کر رہا ہے' جو بھی خالصتاً لوجہ اللہ دین کی سربلندی کے لیے کوشش کر رہا ہے۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چونکہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری نسبت اور تعلق صوفیائے کرام سے ہے۔ تو دوستوان کے طریقہ کار کو سمجھنا پڑے گا۔ ان کے انداز تربیت کو سمجھنا پڑے گا۔ ان کی پیروی ہمیں کرنی پڑے گی۔ جو سب سے اہم امتیازی نشان یا طریقہ یا انداز جو صوفیا کرام کو حاصل تھا' جس کی وجہ سے انہوں نے دین کی ' حضور ﷺ کے مذہب اسلام کی خدمت کی' اس کو عام کیا۔ دوستو وہ ان کی امتیازی خصوصیت ان کی سادگی تھی۔ مساوات تھی۔ محبت تھی لوگوں کے ساتھ عجز تھا۔ انکساری تھی۔ اپنی ذات کی نفی تھی۔ اپنے عمل کی نفی تھی۔

ازاں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بسگ نہ پند اشتند

جو عظیم شاعر گذرے ہیں فارسی کے ان میں سے ایک سعدی بھی ہے۔ آپ نے فردوسی کا نام بھی سنا ہوگا، عمر خیام کا نام بھی سنا ہوگا، الہامی شاعر حافظ کا نام بھی سنا ہوگا میرے خیال میں ان سب حضرات کا تعلق ایران سے ہے۔ وہاں یہ لوگ پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے انداز اور طریقے سے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔ جو میں شعر عرض کر رہا ہوں وہ شیخ سعدی کا شعر ہے تو وہ بتاتے ہیں کہ اس لیے لوگ صوفیاء کرام کا ذکر کرتے ہیں، ان کے اخلاق اور عادات کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی ذات کو کتے سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کا مقام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی بلند کر دیا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین جو نقشبندی سلسلے کے پیشوا ہیں ان کا ایک واقعہ میرے ذہن میں آتا ہے۔ اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ وہ علم نصیب فرماتا ہے جس کا تعلق سینے سے ہوتا ہے۔ وہ علم جو ہم کتابوں کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، استادوں کے ذریعے حاصل کرتے ہیں وہ ایک مختلف علم ہوتا ہے۔ تو آج اس سینے والے علم کو پانے کے لیے ہم سب جمع ہوئے ہیں۔ کتابوں کو تکنے کی آج ضرورت نہیں ہے، استادوں کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے، کسی بڑے ماہر واعظ اور تقریر کرنے والے کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بیان گفتگو کی حاجت ہی نہیں ہے۔ اگر یہ گفتگو کی جا رہی ہے تو میں سمجھتا ہوں اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو ایک رسمی کاروائی ہے۔ بنیادی کام تو اس طرح ہو رہا ہے جن کے سینے کھلے ہوئے ہیں، جن کے سینے متوجہ ہیں، جن کے سینے اس سیپ کی مانند ہیں، جو سمندر کے تہہ میں رہتی ہے اور اس کو رحمت کے قطرے کی تلاش ہوتی ہے۔ وہ سمندر جس کا پورے کا پورا پانی کڑوا، کسیلا اور کھارا ہوتا ہے۔ سندھی میں ہم کھارا کہتے ہیں، اردو میں غالباً اس کو کڑوا کہتے ہیں۔ تو وہ پانی ایسا سخت کڑوا ہوتا ہے کہ اگر زبان کو لگ جائے تو زبان بھی جلنا شروع ہو جاتی ہے۔ تو اس سمندر کے تہوں میں رہنے

والی وہ سیپ، اس کو تلاش ہے ایک قطرے کی۔ اپنے منہ کو اس نے بند کر کے رکھا ہے۔ کتنا پانی ہے سمندر کا، کیا رحمتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی، سمندر کو دیکھیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو بھی دیکھیں۔ سمندر کا کوئی کنارہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سمندر سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے۔ تو اتنے کثیر پانی میں رہتے ہوئے بھی وہ سیپ اپنے منہ کو بند رکھتی ہے سمندر کے تہوں میں تاکہ کوئی بھی ایک قطرہ سمندر کے پانی کا اس کے اندر داخل نہ ہو کیونکہ اس کو تلاش ہے پانی کی۔ کوئی عام پانی نہیں۔ پانی تو سمندر میں موجود ہے لیکن نہیں۔ اس کو علم ہے کہ وہ ایک ایسا قطرہ ہوگا جو اللہ کی رحمت کی بارش جو برستی ہے، اس میں سے ہوگا اور اس کو امر ہوگا کہ ہاں تیرے اندر میں نے وہ صلاحیت ودیعت کی ہے اگر تو سیپ کے سینے کے اندر چلا جائے تو تجھ سے گوہر نایاب پیدا ہوگا۔ تو وہ سیپ اس قطرے کے انتظار میں رہتی ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں، ماہر آبیات کہتے ہیں کہ وہ کبھی کبھار سمندر کے اوپر آ کر اپنا چھوٹا سا منہ بلکل چھوٹی سے سیپ چھوٹا سا منہ کھولتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ کب بارش کا وہ قطرہ آئے گا جو میرے سینے میں سما جائے۔ جس کو پانے کے لیے اللہ نے مجھے مقرر کیا ہے۔ ایک بار آنے کے بعد اس کو قطرہ نہیں ملتا۔ خاموشی سے پھر وہ سمندر کے تہوں میں چلی جاتی ہے۔ کیا ہوا اگر پیاس میری نہیں مٹی، پانی کا وہ قطرہ نہیں ملا تو کوئی فرق نہیں لیکن اگر میں حاصل کروں گی تو وہی قطرہ حاصل کروں گی۔ جو باران رحمت سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے بھیجے گا۔ پھر دوسری مرتبہ وہ سمندر کے تہوں سے نکلتی ہوئی سمندر کے پانیوں سے اپنا چھوٹا سا منہ چھوٹی سی سیپ باہر نکالتی ہے کہ کب رحمت کی وہ بارش آئے گی۔ سینکڑوں مرتبہ اس کو امتحان سے گذرنا پڑتا ہے، سینکڑوں مرتبہ لیکن اس کو کامیابی نہیں ملتی۔ اس آبی جانور کا حوصلہ دیکھیں، اس کی تقویٰ دیکھیں، اس کا صبر دیکھیں، اپنے مطلوب کو پانے کے لیے جدوجہد دیکھیں۔ اے انسان ہم اور آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ جانوروں کی طرح ہر چیز کی طرف منہ مارتے ہیں۔

جانوروں کی طرح صرف ہمیں پیٹ بھرنے کا فکر ہے۔ جانوروں کی طرح صرف ہمیں خواہش کو پورا کرنے کا فکر ہے۔ ارے وہ سیپ دیکھو جو صرف ایک قطرے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کردیتی ہے۔ اس کو کچھ بھی نہیں چاہیے صرف رحمت کا قطرہ چاہیے۔ اے دوست تمہارے سینے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ دل والی سیپ رکھدی ہے۔ اس میں بھی وہ ایک اہم خصوصیت رکھی ہوئی ہے کہ اگر معرفت کا ایک قطرہ اس دل کے' اس سینے کے اندر موجود دل والی سیپ میں آجائے تو خدا کی قسم۔ میں قسم نہیں اٹھاتا' عادت نہیں ہے لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے خدا کی قسم تمہارا اور میرا بھی کام بن جائے لیکن کہاں ہے وہ صبر؟ کہاں ہے وہ جستجو؟ کہاں ہے وہ طلب؟ کہاں ہے وہ پیاس؟ ہمیں اگر کچھ نظر آتا ہے تو صرف اپنا پیٹ نظر آتا ہے۔ ہمیں نظر آتا ہے تو صرف اپنا جسم نظر آتا ہے۔ اس جسم کے اندر ہم کچھ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ اس میں قوت پیدا ہو اور پھر وہ بدمستیاں کرے۔ اس کے اندر ایک طاقت' جبلت پیدا ہو کہ ہر چیز کو اپنا سمجھنے کی کوشش کرے یہ بھی میرا ہے وہ بھی میرا ہے۔ سندھی زبان میں کہتے ہیں

جڏهن رڍ جو پيٽ ڀربو آ ته دڙيون ٽپندي آهي

جب بھیڑ کا پیٹ بھر جاتا ہے پھر وہ ٹیلے پھلانگنے لگتی ہے حالانکہ ویسے وہ ان پر چڑھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اسی طرح جب ہمارا پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر کہتے ہیں کہ ہم جیسا کون ہے؟ اس خمار گندم نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میں کھانے اور پینے سے منع نہیں کر رہا ہوں۔ میں یہ بات آپ کی خدمت میں کہنا چاہتا ہوں کہ اے دوستو تم انسان ہو' خلیفۃ اللہ فی الارض ہو تمہاری زندگی صرف اس مقصد کے لیے نہ ہو کہ زیستن برائے خوردن کہ اس لیے زندگی ہے کہ میں کھا پی لوں' اے دوستو! اس زندگی سے تو سیپ کی زندگی کئی درجہ بہتر ہے جس کو کوئی اہمیت دینے کے لیے ہم تیار نہیں۔ وہ آبی جانور ہے۔ ہم میں سے کسی نے دیکھا ہو گا کسی نے

نہیں بھی دیکھا ہوگا۔ تو اس حالت میں بیچارا وہ سیپ وہ قطرہ سینے میں رکھنے کے بعد اس کو گوہر نایاب بنانے کے بعد اپنی زندگی سے گذر جاتا ہے۔ جب اس کو گوہر نایاب مل جاتا ہے اس کو پھر پرواہ نہیں ہوتی۔ پھر وہ کناروں پر پڑا رہتا ہے' پاؤں تلے روندا جاتا ہے لیکن اس کو پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ جس مقصد کے لیے اللہ نے اس کو تخلیق کیا تھا اس مقصد کو اللہ کی بارگاہ میں پورا کر کے دکھا دیا۔ تو گرمی کی موسم میں سیپ کا آنا جانا پھر نیچے رہنا' اور پھر آنا پھر نیچے جانا پھر اوپر آنا خدا کی شان اللہ کی ذات اوپر سے دیکھ رہی ہے۔ تو وہ ایک سیپ خدا کی نظر سے دور نہیں ہے تو انسان تو خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ تو کیسے اللہ تعالیٰ کی نظر سے مخفی ہوسکتا ہے؟ جہاں کہیں بھی ہے' تمہارا ظاہر بھی عیاں ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ تمہارا باطن بھی عیاں ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ تمہاری کوئی حرکت اس سے مفقود اور دور نہیں ہے۔ تو کسی بھی حالت میں ہو تجھ پر وہ نظر رکھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم اگر چاہو تو وہ رحمت کی نظر ہو جائے۔ وہ کیسے کہ کوئی ایسا کام کر کے دکھاؤ جو اس کو پسند آ جائے۔ جس طرح اس سیپ کا انتظار' اس کی کوشش' اسکا بار بار آنا اور جانا اللہ تعالیٰ کو پسند آ جاتا ہے۔ پھر اس سیپ کی دعاؤں کی وجہ سے' اس سیپ کی تمنا کی وجہ سے وہ رحمت کی بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے۔ سیپ کو تو قطرہ ملتا ہی ہے لیکن اس سیپ کی دعاؤں کی وجہ سے پوری دنیا کو اللہ تعالیٰ سیراب کر دیتا ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ دعاؤں میں الحاء اور زاری ہونی چاہیے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصحاب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خاتون آئی۔ اس نے عرض کیا کہ یا حضرتا میرا بیٹا گم ہو گیا ہے دعا فرمائیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔ دوسرے دن کے بعد پھر وہ آ گئی اس نے آ کر کہا کہ حضور میرے لیے دعا کریں میرا بیٹا نہیں مل رہا۔ پھر آپ نے دعا فرما دی۔ کئی مرتبہ اس طرح ہوتا رہا لیکن ایک دن

ایسا ہوا کہ وہ روتی ہوئی آئی' اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' اس کا حال بدحال تھا' کپڑے میلے کچیلے تھے' آنکھوں سے آنسوں رواں دواں تھے اور وہ اپنے بیٹے کے فراق اور حجر میں نڈھال ہو چکی تھی اور اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ وہاں پہنچی اور وہ گر گئی۔ اس کی زبان سے کچھ نہیں نکل رہا تھا سب جانتے تھے کہ یہ کیوں آرہی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اٹھایا اور فرمایا ''خاتون تم جاؤ تمہارا بیٹا گھر میں ہے''۔ وہ چلی گئی اور دوسرے دن آئی وہ بہت اچھے ہی لباس میں خوش مطمئن اور بیٹا اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''حضور یہ آپ کی دعا سے واپس آیا ہے''۔ دوستوں نے عرض کیا کہ حضور آپ نے دو تین دن دعا فرمائی کام نہیں بنا مگر آخری دن دعا ہی نہیں کی اور اسکا کام ہو گیا یہ کیا اسرار ہے؟۔ انہوں نے فرمایا ہم دیکھ رہے تھے اس کی الحاء اور زاری اور اس کی تڑپ و جستجو کو۔ پہلے دن کم تھی ہم نے دعا کی۔ دوسرے دن آئی پھر بھی کم تھی لیکن جب تیسرے دن آئی اور ہم نے جب اس کی حالت دیکھی تو ہمارے دل نے گواہی دی کہ اے جنید اللہ اپنے بندے کو کبھی بھی اتنی الحاء اور زاری کے بعد' اتنی التجا کے بعد اس کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ مجھے اپنے رب کی وہ آیت یاد آ گئی کہ اُدۡعُونِیۡ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ تو اس کی الحاء اور زاری اور اسکی تڑپ اور جستجو کا صدقہ ہے کہ اسکو اسکا بیٹا مل گیا ہے۔ تو جب ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو یہ ہمارے عجز' طلب' پیاس' جستجو اور تڑپ کی کمی ہوتی ہے۔ پھر ساتھ میں یہ بھی بات ہوتی ہے کہ کس طرح وہ چیز ہم اللہ تعالیٰ سے چاہ رہے ہیں۔ کیا وہ فائدہ مند بھی ہے یا نہیں ہے۔ تو میں کہیں سے کہیں چلا گیا۔ میں عرض کر رہا تھا کہ صوفیاء کرام کی تعلیم اور تربیت کو سمجھنا چاہیے۔ صوفیاء کرام وہ تھے جو کبھی بھی اس طرح اسٹیجیں سجا کر تقریر نہیں کرتے تھے۔ ہم پر تو اور رنگ ہی غالب آ گیا ہے۔ ان کا کبھی بھی یہ طریقہ نہیں تھا۔ وہ تو دنیا و مافیھا سے لاتعلق ہو کر اپنے رب سے لو لگا کر بیٹھ جاتے تھے۔ تو میں حضرت خواجہ بہاؤالدین

نقشبند بخارا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ عرض کر رہا تھا انکساری کے حوالے سے۔ تو ان کی خدمت میں ایک آپ کا مرید خادم نہیں آیا۔ کافی دن گذر گئے۔ تو آپ بخارا میں تھے اور وہ دور دراز کہیں کہہ رہا تھا کہ ''میں تو اس لیے اپنے پیر کی خدمت میں نہیں جا رہا ہوں کہ میرا وجود ناپاک ہے، میری عادات خراب ہیں، میرا باطن پلید ہے تو ایسا نجس آدمی وہاں کیسے جائے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس کی حالت سے حضرت خواجہ صاحب کو وہیں مطلع کر دیا۔ میں عرض کر رہا تھا آج یہاں سینے کھولنے کی بات ہوگی بھئی گفتگو فضول ہے۔ گفتگو کو آپ چھوڑ دیں اپنے دل کی کھڑکی کھول دیں۔ مولانا شیخ جلال الدین رومی کا شعر ہے

اولیا را حق کند علم نصیب بے حساب و بے کتاب و بے ادیب

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو علم عطا کرتا ہے۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے وہ اپنے اولیاء کو علم عطا کرتا ہے اور اس طرح عطا کرتا ہے کہ اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا یعنی کوئی اس کا اندازہ مقدار میں نہیں ہوتا۔ وہ اپنی مرضی سے، وہ اپنی خوشی سے جو دینا چاہتا ہے بے حساب، بے کتاب۔ کوئی کتاب کی حاجت وہاں نہیں ہوتی۔ بے ادیب، کوئی سکھانے والا نہیں ہوتا، اللہ اپنی طرف سے ان کے سینے میں علم لدنی ڈال دیتا ہے۔ تو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخارا رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں پتہ چلا۔ جب اولیاء اللہ کے لطائف، ذکر کی برکت اور حرارت سے، مشائخ کے توجہات سے ان کے لطائف جب ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ کبھی وہ عروج میں رہتے ہیں، کبھی ان کا نزول ہوتا ہے، کبھی وہ بارگاہ الٰہی میں ہوتے ہیں، کبھی وہ مشرق میں گھوم رہے ہوتے ہیں، کبھی وہ مغرب میں جا رہے ہوتے ہیں، کبھی جنوب میں کبھی شمال میں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے طرف سے وہ صلاحیت وہ روحانیت عطا کر دیتا ہے۔ تو خواجہ صاحب کو ان کی حالت سے بخارا میں اللہ تعالیٰ نے مطلع کیا اور وہ باخبر ہو گئے۔ جب وہ فقیر وہاں آئے تو آپ نے محفل میں

فرمایا'' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے نہیں جاتے ذکر والوں کی صحبت میں' ذکر والوں کی محفل میں کہ ہمارے پیر کی بارگاہ میں ایسا ناپسندیدہ آدمی بھی جائے۔ اپنی حالت خراب ہونے کی وجہ سے وہ عذر پیش کرتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا'' اے فقیر ادھر آؤ'' اس فقیر کو ہاتھ سے پکڑا اور وہ حیران ہوگیا کہ یہ الفاظ تو میں نے کہے تھے میرے شیخ کو اس کا علم کیسے ہوا۔ تو وہ اس کو لے کر گئے اپنے گھر کی طرف۔ وہاں فقیر نے دیکھا کہ بیمار کتا پڑا ہوا ہے کس تکلیف دہ حالت میں اور اس کی مرہم پٹی کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا'' اے دوست تو کیا سمجھتا ہے کہ ہم اچھے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں؟ ہماری دوستی اس کتے کے ساتھ بھی ہے' ہم تو اس کے ساتھ بھی وقت بتاتے ہیں' ہم تو اسکے ساتھ بھی رہتے ہیں''۔ تو اس شخص کے خیال کی آپ نے اصلاح فرمائی کہ یاد رکھو جو خدا کے بندے ہوتے ہیں وہ خدا کی ہر چیز سے پیار کرتے ہیں۔ انسان تو انسان جانوروں سے بھی ان کی محبت ہوتی ہے۔ ان سے بھی پیار کرتے ہیں۔ ان پر شفقتیں کرتے ہیں۔

تو صوفیاء کرام اولیاء کاملین' مشائخ عظام کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ان کے پاس چل کر آتا تھا تو اس کو سینے سے لگاتے تھے۔ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ تیرا نام کیا ہے؟ تیرا کام کیا ہے؟ کس طرف سے آیا ہے؟ دولت مند ہے یا غریب؟ اے میرے دوستو آپ بھی میرے پیر کے آنگن پر آئے ہیں۔ آپ ہی مجھے پوری دنیا میں میرے دوست لگتے ہیں۔ آپ ہی لوگ مجھے اس دنیا میں رشتیدار لگتے ہیں۔ آپ ہی لوگ مجھے اس دنیا میں عزیز لگتے ہیں۔ آپ ہی لوگ مجھے اس دنیا میں پیارے لگتے ہیں جو میرے پیر کے آنگن پر' اس عرس مبارک میں اپنے گھروں کو' اپنے کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر یہاں آئے ہیں کہ یہاں کچھ لمحوں کے لیے بیٹھ جائیں۔ جس طرح شاہ عبداللطیف بھٹائی صاحب فرماتے ہیں:

مون سارينديَن سپرين اچين جي هيڪار

پيرين ڏرڙيان پنبڙيون هنڌ وڇايان وار

اے میرے پیارے میرے یاد کرتے ہوئے اگر کبھی تو آ جائے تو میں اپنی آنکھوں کی پلکیں تیرے قدموں کے تلے بچھا دوں۔

ساجن سڀ ڄمار هوند گولو ٿي ته گذاريان

اے میرے پیارے جو تم آئے ہو یہاں۔ اے میرے دوست جو تم اپنے گھر کو چھوڑ کر یہاں آئے ہو۔ واللہ آپ کا آنا اتنی بڑی چیز ہے، اتنی بڑی خوشی ہے، اتنا بڑا اعزاز ہے مجھ گنہگار کے لیے کہ اگر میں کمر بستہ ہو کر پوری زندگی ایک گولے غلام کی مانند آپ کا پانی بھرتا رہوں تو اس سے بڑھ کر میرے لیے کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ کیسا پیارا تعلق ہے یہ جس کی بنیاد کسی مفاد پر نہیں ہے۔ کسی طمع اور لالچ پر نہیں ہے۔ کسی مطلب اور مقصد پر نہیں ہے صرف اس بات پر ہے کہ اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ میرے نام کو یاد کرنے کے لیے ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ اس چیز کو پسند کرتے ہیں کہ میرے امتی میری محبت میں، میرے عشق میں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور کچھ بھی نہ کریں، کچھ بھی نہ کریں صرف اللہ کا نام لیں۔ لیکن یاد رکھو آنے والے لاکھوں ہونگے، ہزاروں ہونگے، صدہا ہونگے لیکن دوستو سندھی میں کہتے ہیں حلوہ کھانے کے لیے بھی منہ چاہیے۔ فیض ملے گا، رحمت ملے گی، بارش ہو گی لیکن ملے گی کس کو؟ یہی تو آج امتحان ہے۔ جیسے سیپیں تو لاکھوں ہوتی ہیں سمندر میں، بار بار وہ سب آتی ہیں اور پھر جاتی رہتی ہیں، ایک قطرہ رحمت کے انتظار میں وہ اپنی زندگی بِتا دیتی ہیں۔ مگر کتنی سیپیں ہیں جو وہ گوہر نایاب اپنے سینے میں لے لیتی ہیں؟ سب نہیں۔ یہ مشیت ہے اللہ کی۔ یہ اس کا ارادہ ہے لیکن یہ بہانہ نہیں چلے گا کہ میں کیا کرتا اللہ کی مشیت نہیں تھی۔ نہیں نہیں۔ وہ شاعر کہتا ہے۔

یابم یانہ یابم جستجوئے می کنم

حاصل آید یانہ آید آرزوئے می کنم

کچھ ایسی جگہ پہ پہنچ گیا ہوں' ایسے در پہنچ گیا ہوں۔ کچھ ملے یا نہ ملے جستجو تو کرتا رہوں گا۔ ایسے در پر پہنچ گیا ہوں ایسی جگہ پر پہنچ گیا ہوں' ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا ہوں' کچھ ملے نہ ملے جستجو جاری رکھوں گا۔ کچھ حاصل ہو یا نہ ہو آرزو کرتا رہوں گا۔ کرتا رہوں گا بھلے جان ختم ہو جائے۔ میرے جسم سے جان نکل جائے مگر آرزو میرے جسم سے نہ جائے۔ تو دوستو ایسے نہ ہو کہ دریاء کے کنارے پر آنے کے بعد' پہنچنے کے بعد' اس دریا کی بہتی ہوئی روانی اور سیل رواں کو دیکھنے کے بعد' اس کے موجوں اور لہروں کے دیکھنے کے بعد' اس کی جولانی کو دیکھنے کے بعد' اس کے ٹھنڈے پانی کو دیکھنے کے بعد بھی ہم بھوکے اور پیاسے رہ جائیں۔ قطرہ نہ مل سکے۔ بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ ایسے بھی ہوتا ہے کہ کنارے پر پہنچنے والے وہ قطرہ قطرہ کے لیے منہ پیٹتے رہ جاتے ہیں اور بہت دور بیٹھے ہوئے وہ دریا کے پانی کے مزے لے رہے ہوتے ہیں۔ ایسے بھی چلتا ہے دوستو' ایسے بھی چلتا ہے۔

تو یہ طلب' یہ پیاس' یہ جستجو کی بات ہو رہی ہے۔ جس طرح آنے والے تو بہت تھے میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں' ہزار ہا ہونگے لیکن کچھ لوگ وہاں آئے اور دیکھنے کے بعد واپس چلے گئے کہ ''یہ تو ہم جیسا انسان ہے'' نعوذ باللہ من ذالک۔ اور کچھ لوگ وہ بھی تھے جب وہاں آئے تو پھر انہوں نے واپس جانے کا نام ہی نہیں لیا۔ اپنی جانیں قربان کر دیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے جسم کمزور تھے' جن کے لباس پھٹے ہوئے تھے' جن کے بال بکھرے ہوئے تھے' ہم جیسے موٹے تازہ نہیں تھے۔ ہم جیسے فاخرہ لباس زیب تن کرنے والے نہیں تھے۔ ان کے پاؤں میں کھجور کے پتوں کی جوتیاں ہوتی تھیں۔ آج کل کی طرح نہیں جس

طرح ہم بڑے نفیس اور عالیشان جوتے پہنتے ہیں ویسے ان کے پاؤں میں نہیں ہوتے تھے۔ان کے لباس ایسے کھردرے اور سخت ہوتے تھے کہ جو ہم لوگ اپنے جسم کو لگائیں تو چیخ اٹھیں لیکن وہ اپنے وعدے کے پکے تھے۔ جو کہتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔امانت میں خیانت نہیں کرتے تھے۔فرمان ہو جاتا تھا کہ بیٹھ جاؤ تو بیٹھ جاتے تھے۔فرمان ہو جاتا کہ اٹھ جاؤ تو کھڑے ہو جاتے تھے۔حکم ہوتا تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کرو تو وہ تبلیغ کرتے تھے۔ان کو اس سے سروکار نہیں ہوتا تھا کہ یہ بات ہمارے عقل اور دماغ کو قبول بھی ہے یا نہیں۔ وہ صرف آقا کے چہرہ انور کو دیکھتے تھے۔ان کے حکم اور ان کے فرمان پر چلتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو صحابہ کے نام سے ہم جانتے ہیں۔

تو اب اس کا مفہوم یہ بھی نہیں ہے کہ ہم صرف اپنے جسم کو کھردرا لباس پہنا دیں اور اپنے پاؤں میں سادہ سی چپلیں یا کھجور کی بنی ہوئی چپلیں پہن لیں اور ہم سمجھیں کہ ہم صحابہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ صرف یہیں تک ہماری کوشش نہیں ہونی چاہیے۔ بیشک اس طرح ان کی ظاہری پیروی تو آپ کر سکیں گے لیکن اصل بات جو ان کو ممتاز بنا دیتی تھی اللہ کی نظر میں، وہ صرف ان کا لباس نہیں تھا۔ ان کی ظاہری سادگی نہیں تھی۔ایسی چیز تھی، ایسی امانت تھی جو آقا ﷺ نے اپنے نگاہ کرم سے ان کے سینے میں ڈال دی تھی۔وہ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی محبت اور آپ کا عشق اور آپ ﷺ کی اطاعت کا جذبہ تھا۔اس وجہ سے خدا کی نظر میں وہ ممتاز بن گئے۔اے ڈاکٹر، اے انجنیئر، اے زمیندار، اے سیاستدان، اے افسر اتنی بڑی ڈگریاں ہم نے اور آپ نے لے لیں۔اتنے بڑے لقب نام کے ساتھ ملا لیے لیکن بتاؤ تو سہی ڈاکٹر بھی بن گیا، انجنیئر بھی بن گیا، زمیندار بھی بن گیا، سیاستدان بھی بن گیا، سب کچھ بن گیا کیا مسلمان بھی بنے یا نہیں؟ اگر مسلمان بننے کی تمنا اور تڑپ ہے تو صرف ڈاکٹر بننے کے بعد تم مسلمان نہیں بن سکو گے۔انجنیئر بننے کے بعد تم مسلمان نہیں بن سکو گے۔ جو میں نے آیت کریمہ تلاوت کی

ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ۔
اللہ نے تم لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کس کے ساتھ؟ جو ایمان لائے ہیں
وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے ایمان لانے والوں کے ساتھ۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ ایمان بھی لائے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی کرتے ہیں۔ ہم میں سے تو ہر کوئی کہے گا کہ میں ایمان لے آیا ہوں۔ ہر کوئی کہے گا لیکن ایمان کا اقرار زبان سے ہم کر دیں تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہمارا دل بھی مؤمن ہو چکا ہے۔ ایمان کا تعلق صرف زبان سے نہیں ہے۔ ایمان کا تعلق تمہارے اور ہمارے دلوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے ظاہر کو مسلمان کے جیسا بنا دیں اور ہمارا باطن، ہمارا قلب وہ ایمان کی حقیقت سے نا آشنا ہو۔ وہ غیر اللہ کی محبت میں مبتلا ہو۔ وہ دنیا کے حرص میں مبتلا ہو۔ وہ تکبر اور ریاء سے بھرا ہوا ہو تو لوگوں کے نظر میں وہ مومن بن جائے گا لیکن اللہ کی نظر میں بن سکے گا یا نہیں؟ یہ آپ خود سوچیں۔ لوگوں کی نظر میں مؤمن بننا آسان ہے جیسے کہتے ہیں

من ترا حاجی بگویم تو مرا غازی بگو

میں تمہیں حاجی حاجی پکارنا شروع کر دیتا ہوں۔ تو مجھے غازی غازی کہنا شروع کر دو۔ لوگوں کی نظر میں یہ سب کچھ بننا آسان ہے۔ لیکن کامیابی اس وقت ملے گی جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے نظر میں مؤمن بننے کے حقدار بن جائیں کیونکہ یہ زندگی دنیاوی بہت مختصر اور قلیل ہے۔ دنیا والوں کے ساتھ دنیا داری کرتے کرتے ہم نے بہت ساری عمر بتا دی ہے۔ تیس سال، چالیس، پچاس، ساٹھ یا اس سے کم وبیش۔ اب کتنے سال باقی بچے ہیں کچھ پتا ہے؟ کب موت کا بلاوا آئے گا کچھ پتا ہے؟ کب قبر کی طرف روانگی ہوگی کچھ پتا ہے؟ قبر کے بعد اگلی

منزل کیا ہے کچھ پتا ہے؟ محشر کے میدان میں حاضری ہوگی کچھ پتا ہے؟ نامہٗ اعمال ہمارے ہاتھوں میں ہونگے کچھ پتا ہے؟ بلایا جائے گا ہر اک کو اس کے نام کے ساتھ کہ فلاں ابن فلاں کہاں ہے اور وہ سب لوگوں سامنے نروار ہو کر بارگاہ الٰہی میں اپنے نامہٗ اعمال ساتھ لے کر جائے گا کچھ پتا ہے؟ ترازو کے اس پلے میں اس کی نیکیاں اور دوسرے میں اس کے گناہ رکھ دیے جائیں گے اور حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ جہنم کا نظارہ بھی سامنے ہوگا' جنت بھی اس کے نظر کے سامنے ہوگی اور ترازو میں اس کے اعمال نامے تولے جائیں گے اور وہ دیکھ رہا ہوگا۔ پھر دیکھ رہے ہونگے کہ جو امتحان میں ناپاس ہو رہے ہیں' جن کے اعمال کم ثابت ہو رہے ہیں۔ وہ جہنم کی طرف لے جائے جا رہے ہیں۔ وہ چیخ رہے ہیں او فلاں کہاں ہو میری مدد کرو۔ اور میرا باپ کہاں ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ کچھ پتا ہے؟ تو دوستو صرف ظاہر کو اسلام اور ایمان کے ساتھ مشابہت کرنے سے بات نہیں بنتی۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عارف' بڑے کامل' عالم ربانی ہو کر گذرے ہیں۔ ان کی ہدایات مثنوی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ایک بڑی عمدہ تمثیل دی ہے۔ میں نے ایک مرتبہ ان کا ایک واقعہ پڑھا لیکن پھر چونکہ کتاب بڑی طویل ہے تو دوبارہ مجھے وہ ملا نہیں۔ وہ تمثیل دیتے ہیں یہ تمہارا جسم ہے اور جسم کے اندر روح ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور آپ نے خرِ عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی سنا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر سفر کرتے رہتے تھے۔ کوئی گھر اور ٹھکانہ نہیں بنایا۔ چلتے رہتے تھے۔ لوگوں کو پیغام حق سناتے رہتے تھے۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ صوفیاء کرام سے تعلق رکھنے والے' ان سے محبت اور رابطہ اپنے دل کا جوڑنے کی کوشش کرنے والے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں لیکن جب یہاں سے واپس جائیں تو

ایک واضح تبدیلی ہمارے اندر ہونی چاہیے۔ ایسے نہ ہو کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ بڑے پہاڑ کو کھودنا شروع کر دیا بڑی محنت اور مشقت سے کہ اس کی جڑ سے ہمیں سونا ملے گا۔ ہمیں ہیرے جواہرات ملیں گے۔ لیکن کھود کھود کر عمر گذر گئی۔ جب اس کے بالکل جڑ تک پہنچنا نصیب ہوا تو وہاں نہ سونا تھا نہ ہیرے تھے۔ نہ موتی نہ جواہرات تھے۔ وہاں تو ایک چوہا نکلا۔ تو دوستو ایسے نہ ہو کہ ہم یہاں سے واپس جائیں اور جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ جسم' اس کی تمثیل دیتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کی طرح ہے اور جو تمہارا روح ہے' فرماتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے۔ اب پھر اگر کوئی شخص سفر کرنا چاہے گا تو گدھے کو گھاس ڈالے گا' اس پر زین رکھے گا' اس کو تیار کرے گا اور اس پر خود سوار ہو گا اور پھر آگے جائے گا۔ لیکن جو اس نے گدھے کو کھلایا ہے' گدھے پر زین ڈالی ہے اس سے اپنی ضروریات اس کے جسم کی پوری نہیں ہوئیں۔ اس کے جسم کو ضرورت ہے مختلف چیزوں کی۔ وہ گدھے والا دانا وہ خود نہیں لے گا۔ وہ گدھے والی زین اپنی پیٹھ پر نہیں ڈالے گا۔ جو اس گدھے کی ضروریات ہیں وہ خود استعمال نہیں کرے گا۔ وہ فرماتے ہیں بے وقوف تم خر عیسیٰ کی طرح اپنے جسم کو تو کھلا پلا رہے ہو۔ اس کو تیار کر رہے ہو تا کہ وہ اچھا نظر آئے۔ موٹا نظر آئے۔ تازہ نظر آئے لیکن جو اس پر سوار ہے روح۔ اس کی غذا کیا ہے؟۔ اس کو تو تو نے کچھ کھلایا ہی نہیں۔ اس کی تو تو نے کچھ خیر خبر لی ہی نہیں۔ اس کو تو نے کبھی یاد ہی نہیں کیا۔ اس کی ضروریات کو کبھی نہیں جانا۔ اس کی طلب اور جستجو کو تو نے نہیں پہچانا تو وہ روح تمہارا بھوکا رہ گیا اور تمہارا جسم موٹے سے موٹا ہوتا چلا گیا۔ تو تمہاری روح کی غذا بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بڑی پاکیزہ ہے۔ وہ اللہ کا ذکر ہے۔ وہ اللہ کی یاد ہے۔ وہ نور ایمان ہے۔ وہ تقویٰ ہے۔ وہ معرفت ہے جو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے قلب اور روح کو میسر ہوتی ہے۔ تو تمہارا روح پیاسا ہے' تمہارا روح بھوکا ہے'

تمہارا روح کمزور ہے' تمہارا روح مریض ہے اور بیمار ہے۔ بیوقوف صرف اپنے جسم پر لباس فاخرہ سجانے کے بعد' اچھے کپڑے پہننے کے بعد' اچھی اچھی چیزیں گھر میں جمع کرنے کے بعد یہ مت سمجھو کہ میں نے سب کچھ کرلیا۔ میں نے اپنی ذمیداریوں کو پورا کرلیا۔ اب تو میں بہت ہی بڑا آدمی بن چکا ہوں۔ نہیں جب تک تمہارے روح کی غذا نہیں ملے گی اور اس کی ضروریات نہیں پوری ہونگی تب تک تم انسان کہلوانے کے حقدار نہیں ہو۔ ایسا جسم تو گدھے کو بھی ہے۔ ایسا جسم تو گائے اور بیل کو بھی ہے۔ ایسا جسم تو جانوروں کو درندوں اور پرندوں کو بھی ہے۔ اس لیے اپنی جستجو اور اپنی کوشش کو صرف جسم کی ضروریات تک محدود مت رکھو۔ انسانیت بہت اعلیٰ اور ارفع چیز ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ 0 ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے مجھے انجیر مقدس کی قسم ہے۔ زیتون کے درخت کی قسم ہے۔ طور سینا جبل کی قسم ہے۔ اس امن والے شہر کی جس میں آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ رونق افروز ہوئے۔ اس شہر کی قسم کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔ اس کے جسم کی بھی تعریف کی گئی ہے لیکن جو اس کا مقصد حیات ہے ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ

چونکہ جسم اسکا اس کو بڑا بھا گیا۔ اس کو اچھا لگا تو وہ جسم کی پوجا پاٹ میں لگ گیا کہ میرا میک اپ صحیح ہو۔ میرا جسم صحیح ہو۔ میرا لباس صحیح ہو اور اس نے اپنے روح اور قلب کو بھلا دیا۔ بالکل ہی بھلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی اس غلط سوچ کیوجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے

اس کو پستیوں میں گرا دیا۔ جانوروں کی صف میں اس کو بٹھا دیا بلکہ ان سے بھی پیچھے چلا گیا ہے۔ جانوروں کو بھی مالک کی پہچان ہوتی ہے۔ گدھے اور گھوڑے کو بھی اپنے مالک کی پہچان ہوتی ہے۔ ہم تو ایسے ناقدرے ہیں کہ ہمیں اپنے مالک کی پہچان نہیں ہوئی ہے ابھی تک۔ اگر ہمیں اپنے مالک کی پہچان ہوتی تو کبھی بھی ہم آج رسوا نہیں ہوتے۔ مختلف تکالیف سے دوچار نہیں ہوتے۔ وہ مالک جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہ مالک جس نے ہمیں آنکھیں دی ہیں، وہ مالک جس نے ہمیں کان عطا فرمائے ہیں، وہ مالک جس نے ہمیں احسن صورت سے نوازا ہے، جس نے ہمیں اولاد کی نعمت دی ہے، جس نے ہمیں رزق عطا فرمایا ہے۔ اس کی پہچان سے ابھی تک تو بہت دور ہے اس لیے تجھے پستیوں میں گرا دیا گیا ہے۔ اگر تو اس سے بچنا چاہتا ہے، ان پستیوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ بندوں کی صف میں شامل ہونا چاہتا ہے تو کچھ ہاتھ پاؤں مارنے پڑیں گے۔ دوستو صرف القاب نام کے ساتھ ملانا کہ فلاں وڈیرہ، فلاں رئیس، فلاں ڈی سی، فلاں کمشنر، ڈاکٹر اور انجینئر۔ اس طرح بات نہیں بنے گی۔ اس کے لیے ضرورت اس چیز کی ہے کہ تم وہ چیز پا لو جس کو اللہ تعالیٰ اس آیۃ کریمہ میں بیان فرماتا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمان تمہارے دل میں آجائے، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں ہے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قانون حیات دیا ہے۔ اٹھنے اور بیٹھنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ کام کرنے کا رنگ اور ڈھنگ بتایا ہے۔ ملنے اور جلنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ اس قانون کو اپنے لیے چن لیں اور اس پر چلنا شروع کر دیں۔ ان کی اطاعت میں، ان کی فرمانبرداری میں، ان کے نقش قدم پر جب تو چلنا شروع کرے گا اور اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا لے گا۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔

ایسا اجر اس کو عطا کریں گے، اتنا اجر اس کو عطا کریں گے۔ زیادہ اجر

عطا کریں گے جو کبھی بھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وہ کامیاب لوگوں کے صف میں شامل ہو جائے گا۔ جو میں آیت کریمہ تلاوت کر رہا تھا اسمیں اس وعدہ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُون کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اور وعدہ بھی فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کہ جب وہ عمل صالحہ بھی کریں، ایمان بھی لائیں تو ان کو ضرور زمین میں ہم خلیفہ بنا دیں گے۔ اللہ کی نیابت اس کو مل جائے گی۔ دوستو یہ نیابت بڑا اعزاز ہے۔ آج ہم نے اس نیابت کو چھوڑ کر غیروں کی نیابت کو اختیار کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیے ہیں۔ بھئی فلاں صدر کا، فلاں ملک کا، فلاں وزیر کا، فلاں وڈیرے کا میں نائب بن جاؤں۔ اے بے وقوف، اے نادان کس کس کا نائب تو بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اتنا بڑا موقعہ تجھے میسر ہے کہ جو احکم الحاکمین ہے وہ تجھے بلا رہا ہے کہ آ، میں تجھے اپنا نائب بنا دوں۔ اوروں کی نیابت میں در در کے دھکے، ذلت اور رسوائی کے علاوہ ہمیں کیا ملتا ہے؟ ہمیں کہنا چاہیے کہ رب العالمین لبیک۔ ہم حاضر ہیں۔ ہماری جھولیاں کھلی ہوئی ہیں۔ ہم تیری ہی رحمت کے انتظار میں ہیں۔ بیشک ہم نے کھلے گناہ کر دیے۔ بے شک ہم نے اپنے اوپر ظلم کر دیا۔ بے شک ہم نے تمہارے حدود کو توڑا۔ بے شک ہم نے تمہارے دیے ہوئے قرآن کی حقیقت کو نہیں جانا۔ ہم نے گناہ در گناہ کیے ہیں۔ لیکن قربان جاؤں اے میرے رب العالمین تیرے سوا کوئی فریاد رس بھی نہیں ہے۔ تیرے حبیب کا وسیلہ لے کر تیری بارگاہ میں ہم التجا کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اور اس مقام پر ہمیں پہنچنے کا راستہ بخش دے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر رکھا ہے۔

تو دوستو عبادات بے شک بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں ہے لیکن صرف عبادات تک محدود رہنے والے لوگ، دین کے باقی حصے یعنی حقوق العباد کو

چھوڑنے والے لوگ کہ والدین' پڑوسی' بیٹے اور بیٹیاں' گھر والے' مسلمان اور جتنے بھی انسان ہیں' ان کے حقوق جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد کیے ہیں۔ ان سے اگر ہم صرف نظر کر لیتے ہیں تو پھر عبادات جس طرح حدیث میں ہے کہ دین کے دس حصوں میں سے عبادت ایک حصہ ہے۔ نو حصے حقوق العباد ہیں جن کو ہم نظر انداز کر رہے ہیں۔ نماز پر تو اس لیے ہمارا شوق بڑھ جاتا ہے کہ لوگ ہمیں مسجد میں دیکھ کر ہمارے لیے اچھا گمان ڈال دیتے ہیں کہ ہاں یہ نمازی ہے لیکن نماز پڑھنے کے بعد اگر وہ گھر میں آ کر ایسے ایسے کام کرے جس سے شیطان بھی شرما جائے' جھوٹ بولے' لوگوں پر ظلم کرے' ماں باپ کی بے فرمانی کرے' پڑوسیوں کے ساتھ ظلم کرے تو پھر اس کی نمازیں آخرت میں انہی لوگوں تک پہنچ جائیں گی اور یہ خالی کا خالی رہ جائے گا کیونکہ اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ تو وہ نو حصے دین کے آپ اور ہم مت بھلائیں۔ انکی اہمیت مت بھلائیں۔ ان کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے بار بار ان چیزوں کی وضاحت فرمائی اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری عبادت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَإِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

کہ جب عہد کرو' اقرار کرو تو اس کو پورا کر کے دکھاؤ۔ بنو امیہ کے دور میں افغانستان کے علائقے میں فوجوں کو بھیجا گیا اونٹوں پر سوار ہو کر آئے اور انہوں نے افغانستان میں موجود اس وقت کے بادشاہ رطبیل پر حملہ کر دیا اور اس نے مان لیا کہ ٹھیک ہے میں آپ کو خراج دینے پر آمادہ ہوں تو وہ چلے گئے۔ اس لشکر میں صحابہ بھی شامل تھے تو اس بادشاہ نے صحابہ کو دیکھا۔ جب وہ چلے گئے تو کافی عرصے کے بعد یزید بن معاویہ کے دور میں غالباً جب محسوس کیا گیا کہ وہاں سے خراج نہیں مل رہی ہے تو پھر اور لوگوں کو بھیجا گیا کہ بھائی جاؤ ان کے ساتھ لڑائی کرو۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر کافی سارا لشکر پہنچ گیا۔ بنو امیہ کا دور ہے یا اس کے آگے پیچھے۔ مجھے

پوری طرح یاد نہیں۔ تو جب وہ لوگ آئے وہاں وہی حکمران تھا۔ تو وہ حکمران اپنے گھر سے محل سے نکلا لشکر و سپاہ کے ساتھ کہ دیکھوں یہ کون لوگ آئے ہیں۔ جب وہ آیا اس نے دیکھا کہ ان کے لباس بڑے نفیس تھے ان کے جسم صحتمند تھے ان کے گھوڑے بڑے تر و تازہ تھے تو انہوں نے اس کے ساتھ بات چیت شروع کر دی۔ بھئی ٹھیک ہے آؤ بات کرو مگر اس نے بات کرنے کے بعد چند دنوں کی مہلت مانگی۔ چند دنوں کے بعد پھر ان سے ملا پوچھا کہ وہ لوگ کہاں گئے جو کچھ سال پہلے آئے تھے۔ ان کے لباس آپ کی طرح اچھے نہیں تھے ان کی صحت بھی بڑی کمزور تھی ان کے چہروں پر نشانات تھے ان کے پاؤں میں بڑی معمولی سی چپلیں تھیں کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی۔ وہ کہاں گئے؟ تو انہوں نے کہا کہ سب وفات پا چکے ہیں۔ اچھا تو اب تم آئے ہو ان کی جگہ۔ واضح فرق ہے تم میں اور ان میں۔ ہاں اب تو بڑی نعمت ہے۔ اسلامی حکومت کی حدود مصر روم شام ایران عراق ان سب علاقوں تک پہنچ چکی ہے۔ بڑی دولت کی کثرت ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں جو تم سے پہلے لوگ آئے تھے وہ بڑے بے لوث تھے۔ ان کے دل میں کوئی طمع نہیں تھی۔ اپنے واعدے کے پکے تھے اور ایک مرتبہ عہد اور اقرار کر لیتے تو اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتے تھے لیکن مجھے بڑا افسوس ہے میں نے دو تین دنوں میں تمہیں آزمایا ہے نہ تم اپنے واعدے کے پکے ہو نہ تمہارا کردار اتنا اعلیٰ ہے جس طرح کہ ان لوگوں کا تھا۔ بیشک تمہارے لباس اچھے ہیں بیشک سواریاں اچھی ہیں مگر میں آپ جیسے لوگوں سے کوئی معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

تو دوستو ایک ایسا شخص جس نے کبھی آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا۔ حالت ایمان میں نہیں تھا لیکن وہ بھی پرکھ کر بتا دیتا ہے کہ اخلاق کی عظمت وعدے کی سچائی کردار کی پختگی امانتداری یہ کتنی بڑی امانت ہے۔ ہم اور آپ آج اپنے حال پر غور کریں

ضروریات زندگی میسر نہیں ہو رہی ہیں، ہم پریشان ہیں، ایک دوسرے پر اعتماد مفقود ہو چکا ہے۔
پاکستان میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کھو چکے ہیں۔ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ وہ لوٹنے والا ہے۔ وہ دوسرا کہتا ہے نہیں میں ٹھیک ہوں یہ لوٹنے والا ہے۔ ایک دوسرے کے اوپر انگلیاں سیدھی ہیں۔ کوئی باہمی اعتماد نہیں، کوئی باہمی احترام نہیں، کوئی باہمی مساوات نہیں، کوئی باہمی مواخات نہیں اور بظاہر ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے لوگ صوفیاء کرام سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ داتا صاحب کا عرس ہو لاکھوں لوگ نظر آئینگے، قلندر شہباز کا عرس ہو لاکھوں لوگ نظر آئینگے، بھٹائی صاحب کا عرس ہو سینکڑوں ہزاروں لوگ پہنچ جائیں گے۔ بھئی صوفیاء کرام سے محبت تو ہے لیکن اس محبت کا نتیجہ کہاں ہے؟ محبت تو وہ ہوتی ہے جس سے محبت کیجاتی ہے اسکے فرمان پر لبیک کہا جائے۔ کیا صوفیاء کرام کی یہ تعلیم تھی کہ ایک دوسرے کی داڑھیوں کو پکڑو؟ صوفیاء کرام کی یہ تعلیم تھی کہ تم ایک دوسرے کے گریبان کو کھینچو؟ صوفیاء کرام کی یہ تعلیم تھی کہ تم فرقوں میں بکھر جاؤ؟ صوفیاء کرام کی یہ تعلیم تھی کہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر اپنے علاوہ باقی سب لوگوں کو کہو کہ یہ غلط ہے وہ بھی غلط ہے؟ کیا یہ تعلیم تھی ان کی؟ اگر تم اولیاء کے عاشق ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہو تو پھر وہ علامتیں کہاں ہیں؟ وہ بادشاہ افغانستان کا جو کہہ رہا تھا وہی بات ہمارے سامنے ہے۔ آئینہ ہمارے سامنے ہے۔ میرے سامنے ہے آپ کے سامنے ہے۔ چہرہ اپنا دیکھ لو کہاں کھڑے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ صرف دعویٰ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ہمارے سندھ میں گیدڑ پائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی جب ہم شروع میں آئے تھے، میرے مرشد و مربی ہمیں یہاں لے کر آئے تھے تو یہ قبرستان بڑا گھنا تھا۔ تو یہاں بڑے گیدڑ ہوتے تھے۔ کراچی کے لوگ اور لاہور کے لوگ ڈر نہ جائیں کہ یہاں بھئی ایسے جانور بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہمیں کھا جائیں گے۔ بھائی ان جانوروں سے بدتر تو ہم لوگ جانور بن چکے ہیں۔ وہ بیچارے دنیا چھوڑ گئے۔ کیوں کہ یہ خود جانور بن گئے ہمارا کام نہیں

رہا۔ تو جب شام ہوتی تھی ان کی آواز آتی تھی۔ ان کی ایک مخصوص چیخ ہوتی ہے جو میں بڑے شوق سے سنتا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر جب گھر میں جاتے تھے۔ قبرستان سے آواز سننے میں آتی تھی۔ میں بڑے آرام سے ان کی آواز سنتا تھا۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ تمہیں پتا ہے کہ گیدڑ شام کو کیا کہتے ہیں؟ پھر فرماتے تھے کہ ایک گیدڑ نکلتا ہے دن کو اس نے کھایا پیا ہے پیٹ اس کا بھر گیا ہے وہ غرور سے آواز بلند کرتا ہے ''میں وہ میں'' بھئی مجھ جیسا کوئی نہیں ''میں وہ میں'' یہ سن کر دوسرا گیدڑ ادھر سے نکل آتا ہے تیری کیا ہے تو کیا ہے ''میں وہ میں''۔ تیسرا آتا ہے تو کیا بنتا ہے تیرا کیا ہے ''میں وہ میں'' پھر چاروں طرف سے یہی آوازیں آتی ہیں ''میں وہ میں'' ''میں وہ میں'' ''میں وہ میں''۔ گیدڑوں کی طرح آج ہر طرف سے ہماری آوازیں آرہی ہیں ''میں ہی میں'' ''میں ہی میں'' میں ٹھیک ہوں میں صحیح ہوں باقی سب غلط ہیں۔ دوستو اگر تم لوگ صوفیاء کرام سے محبت کرتے ہو ان کے عاشق ہو سندھی ہو یا پنجابی ہو سرحد کے ہو یا بلوچستان کے ہو۔ صوفیاء کرام کی تعلیمات پر عمل کر کے دکھاؤ۔ کیا آج بھی دیکھو ان کے درباروں پر ہر طرف سے لوگ نہیں آتے؟ ہر قسم کے لوگ نہیں آتے؟۔ ان کی دربار پر ہر طرح کے لوگ اس وقت بھی آتے تھے یہ اور بات ہے جو اس وقت تعلیم دی جاتی تھی آج وہ تعلیم وہاں مفقود ہو چکی ہے۔ ان کے ہاں بیٹھنے والے وہ لوگ جب وہاں سے جاتے تھے ان کے سینوں میں انسانیت کی خوشبو ہوتی تھی۔ وہ وہاں سے جاتے تھے تو پیار اور محبت سیکھ کر جاتے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں

هلو هلو در کورئين نازک جنين نينهن

گنديين سارو ڏينهن چنٹ مورنه سکيا

کہتے ہیں جاؤ ان جولاہوں کے پاس جو کپڑا بنتے ہیں۔ بڑے نازک

نازک دھاگے ہوتے ہیں پر وہ چھوٹے دھاگے ایک دوسرے سے ملاتے جاتے ہیں' ملاتے جاتے ہیں۔وہ اپنی کوشش کرتے ہیں کہ ایک دھاگہ بھی ٹوٹنے نہ پائے۔جب وہ بڑی محنت سے اپنی نظر خرچ کرتے ہیں' اپنی کوشش خرچ کرتے ہیں تو ایک خوبصورت لباس تیار ہوتا ہے۔وہ ان جولاہوں سے اللہ والوں کو تشبیہ دیتے ہیں۔بھائی چلو ان جولاہوں کے پاس' ان اللہ والوں کے پاس جن کی عجیب محبت ہے۔وہ تو سارا دن گانٹھتے ہی رہتے ہیں۔ملاتے ہی رہتے ہیں۔وہ کبھی بھی توڑنا سیکھے ہی نہیں۔آج ہم قوموں میں بٹ چکے ہیں۔آج ہم فرقوں میں بٹ چکے ہیں' وہ ایسا ہے' وہ فرقہ ایسا ہے' میرا فرقہ صحیح ہے' ان کا فرقہ غلط ہے' یہ ایسا ہے' یہ ویسا ہے۔ یہاں آپ کو یہ تعلیم نہیں ملے گی۔ہمیں بھلے پتھر ملیں۔کھائیں گے پتھر۔ہمیں بھلے کفر کی فتویٰ ملے ہمیں قبول ہے۔ہمیں برا بھلا کہا جائے' ہمیں قبول ہے۔ہم اپنے مشائخ کی تعلیم دیتے رہیں گے۔کوئی خوش ہو یا ناراض۔وہ یہ ہے کہ آؤ سینے سے لگ جاؤ' ہمیں بھی سینے سے لگاؤ' ایک بن جاؤ' خدا کی بندگی کا حق ادا کر کے دکھاؤ' حضور ﷺ کے قدموں میں اپنا سر جھکا کے دکھاؤ۔ تمہارے اوپر اللہ کی رحمت تب ہی برسے گی۔دوستو تمہاری تکالیف تب ہی دور ہونگی۔تمہاری پریشانی اسی وقت دور ہوگی۔تمہاری بیماری کا علاج ہی یہی ہے۔تمہاری تکالیف کا علاج ہی یہی ہے۔صرف گفتار کے غازی مت بنو کردار کے غازی بن کر دکھاؤ۔

تو دوستو آج میری اس گفتگو کا مدعا ت دو تین تھے۔ایک یہ تھا کہ ہم صوفیاء سے محبت کرتے ہیں' اولیاء کرام سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول سے عشق کرتے ہیں۔اس لیے ہم یہاں آئے ہیں۔تو میں نے آپ کے سامنے ان لوگوں کے کردار کی جھلکیاں پیش کیں کہ ان کا کیا کیا کام تھا۔وہ چیزیں ہمارے اندر ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو وہ اپنے اندر پیدا کر کے دکھاؤ۔اور دوسری بات میں نے یہ کہی کہ خلیفۃ اللہ فی الارض بننے کی دعوت اللہ کی

طرف سے مل رہی ہے آ جاؤ۔ میرے خلیفہ بن جاؤ۔اس کے لیے شرطیں اللہ تعالیٰ نے رکھیں ہیں کہ ایمان لے آؤ اور عمل صالح کرو۔ یعنی حضور ﷺ کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لے آؤ اور حضور جو قانون آپ کے سامنے لے آئیں ہیں اس قانون اور دستور عمل کو زیر عمل لاؤ۔ ان کی پیروی کرو۔ بڑی حیرت کی بات ہے خلیفۃ اللہ فی الارض کی معنیٰ تو یہ ہے کہ پوری روئے زمین کا وارث وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔

کہ ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے میری زمین کے وارث میرے صالح بندے بنیں گے۔ تو خلیفۃ اللہ فی الارض کے معنیٰ یہ ہیں پوری زمین کا وارث۔ تو زمین کا وارث بننے کے لیے یہ کہا جاتا بھائی تم جاؤ کوئی بڑا ادارہ کھولو ان لوگوں کو فوجی ٹریننگ دو۔ یہ کہا جاتا کہ ان کو کسی یونیورسٹی میں ڈال دو، کوئی کالج کھول کر اس میں پڑھانا شروع کر دو، کسی بڑے ادارے میں ان کو ڈال دو، کسی بڑے ماہر دانشور کی خدمت میں بھیج دو۔ یہ بات نہیں کی گئی۔ بڑی حیران کن بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ، خلافت ملے گی، زمین کی وراثت ملے گی، زمین کی حکومت ملے گی، عزت اور آبرو ملے گی، شرف اور شان ملے گا۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہمارے بچے بڑے اچھے کالج میں پڑھیں گے تو بڑے انسان بن جائیں گے، ہمارے بچے بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھیں گے تو بڑے انسان بن جائیں گے۔ بیشک یونیورسٹیوں میں پڑھیں، بیشک کالج میں پڑھیں، بیشک بڑے اداروں میں ان کو ڈالیں، بیشک وہاں سے وہ انجنیئر بن کے نکلیں، بیشک وہ ڈاکٹر بن کر کے نکلیں، وہاں سے سب چیز ان کو مل سکتی ہے لیکن جو چیز اللہ سکھا رہا ہے وہاں سے وہ چیز نہیں ملے گی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

ہم ان کو ضرور ضرور نائب بنائیں گے۔ تاکید ہے ضرور ضرور ان کو نائب بنائیں گے۔ کب بنائیں گے؟ جب رسول کے اوپر اور مجھ اللہ پر ایمان لائیں گے۔ ایمان ان کے دلوں میں داخل ہو اور جو قانون رسول مکرم ﷺ نے دیا ہے اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ یہ دو باتیں کر کے دکھاؤ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا وعدہ ہے میں تمہیں زمین کا وارث بناؤں گا اور پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میری رسی کو مضبوطی سے تھام لو ایسے نہ ہو کہ تم ٹکڑیوں میں بٹ جاؤ، فرقوں میں بٹ جاؤ بلکہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَنْ فِصَامَ لَهَا

ایسے مضبوط سہارے کو پکڑ لو جو کبھی بھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اس کو پکڑ لو۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی ذات یہ سہارا ہے، قرآن کریم یہ سہارا ہے۔ اس سہارے کو تھام لو اور پھر اس سہارے کو اس طرح مضبوطی سے تھام لو کہ کوئی تمہارے اندر فرق نہیں رہے۔ محمدی رنگ میں رنگ جاؤ۔ تو جب اس رنگ میں رنگ جاؤ گے پھر تمہیں خلافت بھی عطا کروں گا، ولایت میں عطا کروں گا۔ تو دوستو! بیشک تم ڈاکٹر بھی بنو، انجینئر بھی بن جاؤ اور اسکی ضرورت بھی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالاجی کے میدان میں ہمارے نوجوانوں کو آگے بڑھنا چاہیے لیکن جو وراثت نبوی ہے، وراثت مصطفوی ہے، فیضان نبوی ہے، جو عنایت نبوی ہے وہ چیزیں بھی ہمارے اندر ہونی چاہییں۔ یہ سرمایہ ہمارے سینے میں ہونا چاہیے۔ کیا حسین منظر ہوگا جب ایک سائنسدان بھی ہو، ایک ڈاکٹر بھی ہو، ایک انجینئر بھی ہو، سب چیزیں اس کے اندر موجود ہوں اور اس کے ساتھ اس کے سینے میں ایمان کامل بھی ہو، عشق رسول بھی ہو اور اس کا عمل سنت نبوی کے مطابق ہو۔ مخلوق خدا پر مہربان ہو۔ جب یہ سب چیزیں اس میں اکھٹی ہو جائیں گی میں سمجھتا ہوں کامیابی ہم سے دور نہیں ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہونگے۔ آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے نظر سے

ایسے لوگ پیدا ہونگے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا مثل الامتی کمثل مطر

میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔کوئی نہیں جانتا کہ بارش کا اول اچھا ہے یا آخر۔اسی بارش کی طرح میری امت بھی ہے۔آپ ﷺ جانتے تھے اس وقت کیا ہو رہا ہے۔آپ ﷺ جانتے تھے آگے کیا ہونے والا ہے۔پوری امت کا منظر آپ کے سامنے تھا۔یہ تو میرے آقا کے غلاموں کو آقا کے صدقے یہ نعمت مل جاتی ہے، یہ دولت مل جاتی ہے۔ آقا کا مقام ہی کیا ہوگا؟ ان کا شان ہی کیا ہوگا؟۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جونقشبندیہ سلسلہ کے پیشوا ہیں وہ فرماتے ہیں، وہی بات جو میں پہلے کہہ رہا تھا کہ الھاؤ زاری بڑی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔وہ فرماتے ہیں ہمارے اندر انکساری، الھاؤ زاری کا اشتیاق پیدا ہوا۔ہم سجدے میں چلے گئے اور رونے لگے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی بے بسی پیش کرنے لگے۔

ندا ریم غیر از تو فریاد رس

توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

اے میرے رب العالمین توئی بخشنے والا ہے، توئی کرم فرمانے والا ہے۔وہ فرماتے ہیں الہام ہوا اللہ کی طرف سے اے احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تمہیں ہم نے بخش دیا۔ہم نے دیکھا رحمت الٰہی جوش میں ہے، وہاں سے عنایت ہو رہی ہے۔فرماتے ہیں ہم نے اور زیادہ الھاؤ زاری شروع کردی۔اے میرے رب العالمین تیری رحمت کا تجھے واسطہ ہے، تیری سخاوت کا تجھے واسطہ، تیری مغفرت کا تجھے واسطہ ہے اور بھی مہربانی فرمادے۔اور بھی مہربانی فرما۔الہام ہوا قد غفرت لک ومن توصل بک

کہ ہم نے تجھے تو بخش دیا لیکن جس نے تیرے ہاتھ کو پکڑا ہے اس کو بھی بخش دیا ہے۔فرماتے ہیں ہمیں مسرت بھی ہو رہی تھی، خوشی بھی ہو رہی تھی لیکن سوچا آج احمد

سرہندی ایسا موقعہ ملا ہے پھر کبھی شاید نہ ملے۔ رحمت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، مغفرت کے اعلان ہو رہے ہیں، بخششیں مل رہی ہیں، اعزاز و اکرام مل رہے ہیں تو امام ربانی فرماتے ہیں ہم نے اور الہاؤ زاری شروع کر دی۔ اے میرے رب العالمین میں اور بھی چاہتا ہوں۔ میں اس سے بھی زیادہ چاہتا ہوں۔ جتنی تیری رحمت ہے میں اتنا چاہتا ہوں۔ اے احمد سرہندی کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رب العالمین تیرے حبیب کے صدقے، آقا کے صدقے میں چاہتا ہوں جو بھی طریقہ نقشبندیہ میں اس وقت داخل ہے، جو آگے داخل ہونگے ان سب کو مغفرت مل جائے۔ سب کی بخشش کر دی جائے، سب کو معاف کر دیا جائے۔ سب کو جنتی ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا جائے۔ کتنا پیار ہے ہمارے مشائخ کو ہم جیسے گنہگاروں سے۔ جن کی وجہ سے، جن کے نام کے صدقے آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میرے سوہنا سائیں نور اللہ مرقدہ، حضور پیر مٹھا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا صدقہ ہے جو آج ہم یہاں جمع ہیں ورنہ تو مجھ جیسے خطا کار کو، سیاہ کار کو کون جانتا ہے۔ میری حالت، میری کیفیت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کے شعر کی مانند ہے۔

اے دریغا کس نہ می داند مرا

گر بداند دم بر آند مرا

کیا ہی اچھا ہے کوئی مجھے جانتا ہی نہیں۔ کوئی مجھے جانتا ہی نہیں۔ میرے اندر کو نہیں جانتا ہے۔ میرے گناہوں کو نہیں جانتا، میری سیاہیوں کو نہیں جانتا ہے اس لیے مجھے سر پر بٹھا رکھا ہے۔ اگر وہ میری سیاہ کاریاں جان لے۔ میری بداعمالیاں جان لے۔ اے میرے مولا یہ تو تیرا کرم ہے کہ تو نے مجھے چھپا دیا ہے۔ اگر جان لے تو مجھے یہاں سے دھکے دیکر نکال دے۔ واللہ میں تو اس لائق ہوں لیکن اس کا کرم ہے اس کی مہربانی ہے کہ اتنی عزتیں مل رہی

ہیں۔میں قربان جاؤں ان الہاؤزاریوں پر جن کی وجہ سے عزتیں مل رہی ہیں۔یہ میرا کمال نہیں ہے، میری کوئی حیثیت نہیں ہے، مجھے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔یہ تو ان کا ہاتھ ہے، شفقت ہے، ان کی عنایت ہے، ان کی مہربانیاں ہیں کہ میں خطا در خطا کرتا چلا جا رہا ہوں لیکن وہ اپنی سخاوت کے دروازے کبھی بند نہیں کرتے۔تو امام ربانی مجدد منور الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہاں اے احمد سرہندی تیری یہ حجت، تیری یہ الہاء زاری ہمیں پسند آئی جتنے بھی قیامت تک تیرے طریقت میں آئیں گے واسطے سے یا بلا واسطہ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَمَنْ تَوَصَّلَ بِکَ بِوَاسِطَۃٍ اَوْبِلَاوَاسِطَۃٍ

سب کو بخش دیا۔قیامت تک آنے والے نقشبندیوں کو امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کر کے، جب وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، وہ شکم مادر میں بھی نہیں آئے تھے، وہ دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے، امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی بارگاہ میں الہاء زاری کر کے ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کی مغفرت کا سرٹیفکیٹ اللہ کی بارگاہ سے لے لیا۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم نقشبندی ہیں۔کیوں کہ ہمارے طریقہ کے سالار اتنے فیاض ہیں۔پھر فرماتے ہیں ہم دعا کرتے چلے گئے اے میرے رب العالمین کرم نوازی فرما۔تو اتنا اللہ کا انعام ہوا وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔وہ فرماتے ہیں جتنے بھی نقشبندی طریقے میں آئیں گے ہمارے بعد یا اس سے پہلے آ چکے تھے۔ان سب کی صورتیں ہمیں دکھائیں گئیں۔ہم نے ان کو دیکھ لیا۔تو میں عرض کر رہا تھا یہ آقا کے غلاموں کا مقام ہے اللہ کی بارگاہ میں۔تو آقا کا مقام کیا ہوگا یہ اندازہ خود کر لو۔اگر یہ پسند ہے تو یہ رنگ قبول کر لو لیکن ایک شرط ہے۔ایک شرط کہ کوئی اور رنگ اس کے ساتھ مکس نہیں ہوگا۔اگر کوئی اور رنگ مکس ہو گیا تو پھر وہ کہتے ہیں کہ کوے کو شوق ہوا تھا میں بھی مور کی چال سیکھوں تو بیچارا اپنی بھی چال بھول گیا۔تو اگر یہ رنگ ہم نے حاصل کرنا ہے تو پھر وہ کوا پن چھوڑنا

پڑیگا۔ تو پھر وہ کائیں کائیں چھوڑنی پڑیگی پوری طرح سے۔ یہ موروں کا رنگ ہے۔ یہ شیروں کا رنگ ہے۔

بھٹائی صاحب سے پیار کرنے والے لوگو کچھ ہوش کرو۔ کل قیامت کے دن بھٹائی سے ملاقات ہو اور کہیں کہ سائیں تھے ہم فرقہ بندی کے شکار اور لوگوں سے لڑتے ہی رہتے تھے۔ شاہ صاحب کہیں گے کہ واہ خوب تم نے میری ہدایت پر عمل کیا ہے۔ شاہ صاحب نے تو محبت کا درس دیا' پیار کا درس دیا' اپنی ذات کی نفی کا درس دیا۔ دوستو بڑے عقیدتمند ہوتے ہیں لوگ بھی کہتے ہیں واہ کا عقیدت مند ہے۔ آپ کے ارد گرد ہونگے' میرے چوگرد ہونگے۔ دوستو عاشقوں کو پر نہیں ہوتے کہ پر دیکھ کر آپ سمجھ جائیں ہاں یہ واقعی عاشق ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں آپ کو بتاتا ہوں بڑے عجیب بزرگ گذرے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پر الہام اور مستی کا غلبہ ہوا تو انہوں نے اس وقت کے واعظ اور ان لوگوں پر جو تقریر کرنے والے تھے ان پر تنقید شروع کر دی۔ یہ مثنوی شریف کا واقعہ ہے تو اس وقت انہی کی حکومت تھی انہوں نے کہا کہ بھئی یہ تو فتنہ بڑھ رہا ہے۔ لوگوں میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور لوگ ان کی تقریریں سنتے ہیں اور یہ برملا تنقید کرتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تو ذکر نہیں کیا کہ کیا تنقید کرتے تھے اور پھر وہ اللہ کی محبت کی بات کرتے تھے' عشق کی بات کرتے' مجذوبوں کی طرح وہ لوگوں کے درمیان بھاگتے ہوتے۔ تو کہا بھئی پکڑو اس کو۔ اسکو جیل میں ڈال دو۔ حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔ اب پورے ملک میں یہ بات مشہور ہو گئی بھئی اس اللہ والے کو انہوں نے جیل میں ڈال دیا کیونکہ کہ ظاہر میں ان لوگوں کو اس حقیقت کا پتہ ہی نہیں ہوتا کہ محبت کیا ہے؟ عشق کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جب رشتہ پڑ جاتا ہے تو اسکی علامت کیا ہے؟ ہمارے حضرت یہ شعر پڑھتے تھے

سرمد غم عشق بوالہوس رانہ دہند

سوز دل پروانہ مگس رانہ دہند

سرمد ایک مغلیہ دور میں بڑے مجذوب بزرگ گذرے ہیں مستی میں رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں جو عشق کا غم ہے وہ خواہش کے مارے ہوئے کو نہیں ملتا جو اپنے نفس کا پجاری ہے اسکو نہیں ملتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ

اے میرے حبیب کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔ بہت بدترین اپنا معبود بنایا ہے۔ اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ جو اسکا نفس چاہتا ہے وہ کرتا پھرتا ہے۔ تو سرمد کہتے ہیں غم عشق جو ہے وہ بوالہوس کو نہیں ملتا۔ سوز اور گداز جو پروانے میں پایا جاتا ہے یہ مکھی کو نہیں ملتا۔ مکھی بھی وہاں آتی ہے اِدھر اُدھر گھومتی پھرے گی لیکن شعلے کے قریب نہیں آئے گی کیونکہ اس کو پیٹ بھرنے کا فکر ہوتا ہے۔ بڑے بڑے آتے ہیں امیر، رئیس، وزیر، ملازمت پیشہ لوگ یوں دیکھ کر چلے جاتے ہیں۔ ہاں سائیں دعا کرو۔ بس چلے جائیں گے۔ بیٹھنے میں ان کو مزا نہیں آئے گا۔ ان کو تب مزا آئے گا جب سب لوگ انکے سامنے کھڑے ہوں اور یہ کچھ کہنا شروع کر دیں جس طرح میں کر رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے انگشتری خریدی تھی تو اس نے انگشتری پہنی دو تین دن بازار میں دوستوں یاروں کی طرف گیا لیکن کسی نے اس کی انگشتری کو دیکھا نہیں۔ اس کو بڑا فکر ہوا کہ بھئی لوگ بات نہیں کر رہے ہیں میں نے بڑی اچھی انگشتری سونے کی بنوائی ہے۔ تو اس نے دوستوں کو دعوت دی سب لوگ آ گئے تو جب آ رہے تھے تو انگشتری دکھانے کے لیے وہ کہہ رہا تھا یہاں بیٹھیں، یہاں بیٹھیں کہ انگشتری کی چمک دمک بھی نظر آئے۔ لیکن پھر بھی کسی نے توجہ نہیں کی وہ تو کھانے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کیا پلاؤ ملتا ہے' کیا قورمہ ملتا ہے اور کیا روسٹ ملتا ہے۔ جیسا کہ آج ہمارا حال ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے یاد رکھو کم کھاؤ گے تو تمہارا روح تازہ رہے گا' پیٹ پوجا میں لگے رہو گے تمہارا روح بھوکا رہ جائے گا۔ زیادہ کھانا صوفیاء کرام کا شیوہ نہیں ہے

نیم نانے گر خورد مرد خدا

بزل درویشاں کند نیمِ دگر

اگر آدھی روٹی خدا کا بندہ کھاتا ہے تو آدھی روٹی دوست کو کھلا دیتا ہے۔ تو وہ اپنے دوستوں کو کہنے لگا بھئی ادھر بیٹھو پھر بھی کسی نے نہیں توجہ کی۔ لوگ کھانا بھی کھا چکے کسی نے انگشتری کی تعریف بھی نہیں کی تو مجبور ہو کر وہ یوں ہاتھ اوپر اٹھاتا ہے اور کہتا ہے بھئی آج بڑی گرمی ہے مجھے انگشتری اتارنی پڑے گی۔ تو ایسے ہی ہمیں عادت ہوتی ہے لوگوں کو دکھائیں کچھ اپنا کمال۔ تو دوستو یہ چیز انسان کو رسوا کر دیتی ہے اللہ کی نظر میں۔ بندگی کا شیوا ہے عاجزی' انکساری' چھپانا اپنے آپ کو۔ تو میں عرض کر رہا تھا وہ سرمد کا شعر

عمرے باید کہ یار آید بکنار

سرمد ایں دولت ہمہ کس رانہ دہند

ایک عمر چاہیے' وقت چاہیے کہ دوست تمہارے بازو میں آجائے یہ ایسے نہیں ہوگا کہ تم نے جھٹ سے کہا اور پٹ سے آ گیا۔ یاد رکھو دوست ہر ایک کے بازو میں نہیں آتا۔ کسی خوش نصیب کے بازو میں آتا ہے۔ تو محبوب کو پانا چاہتے ہو تو پھر دل سے خواہش نکال دو۔ بوالہوس نہ بنو' فدا کرنے والے' جان فدا کرنے والے بنو۔ قربان ہونے والے ہو جاؤ۔

تو ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی بات میں عرض کر رہا تھا ان کے معتقدین وہاں آ گئے انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں آپ تو بڑے عالم ہیں' بڑے علامہ ہیں۔ آپ نے

لوگوں پر اس لیے تنقید کی ہوگی کہ لوگ آپ کے اردگرد اکٹھے ہورہے ہیں تو آپ کو جیل میں ڈالدیا جائے' آپ چھپ چھپا جائیں۔ سائیں حضور ایسی بات نہیں ہے آپ باہر تشریف لے آئیں۔ ہم آپ کے خادم ہیں اور ہم آپ کے جاں نثار ہیں۔ ہم آپ پر قربان ہونے والے ہیں۔ تو ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا یہ اتنی محبت کی دعویٰ کر رہے ہیں ان کو آزمانا چاہیے کہ واقعی یہ محبت میں سچے بھی ہیں۔ تو وہ تو پہلے ہی مستی میں تھے۔ عشق الٰہی کی وجہ سے ان کے سینے میں ایک آگ جل رہی تھی' وہ بڑی مستی میں اور بڑے شوق میں تھے۔ انہوں نے زور سے ضرب لگائی اور جو بھی وہاں چیزیں موجود تھیں اٹھا کر ان کو مارنا شروع کر دیا۔ اس کو مارا' اس کو مارا۔ وہ بھاگنا شروع ہو گئے۔ کوئی ادھر بھاگ رہا ہے کوئی ادھر بھاگ رہا ہے۔ کہنے لگے سائیں پاگل ہو گیا۔ بھاگ گئے۔ تو وہ اپنے آپ کو کہنے لگے اے ذوالنون دیکھ لیا اپنے عقیدت مندوں کا حال۔ بھئی جس کی محبت ہوتی ہے' جس کا شوق ہوتا ہے' جس کا تعلق ہوتا ہے وہ تو اپنے پیاروں سے چوٹ کھا کر بھی خوش ہوتا ہے یہ نہیں کہ اس کی طرف سے چوٹ ملے تو وہ بلبلا اٹھے' چیخنا شروع کر دے۔ یہ کیوں ہوا اور وہ کیوں ہوا بلکہ وہ اس چوٹ کو کھا کر بھی خوش ہوتا ہے۔ وہ شعر مجھے بڑا پسند آیا مولانا رومی کا وہ فرماتے ہیں

گراں گیرد چہ رنج دوست بہ دوست

دوست کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو دوست کیوں گراں سمجھے گا۔ آگے جو بات کہہ رہے ہیں بڑے پتے کی ہے۔

رنج مغز بدوستی اوراچہ اوست

کہہ رہے ہیں کہ دوستی تو چھلکا ہے۔ جو اندر اصل مغز ہے وہ رنج ہے۔ جو دوستی میں رنج پہنچتا ہے' تکلیف پہنچتی ہے اصل مغز تو وہ ہے۔ وہ کہتے ہیں وہ ہی تو مطلوب ہے۔

اگر وہ چیز نہ ہو تو دوستی کا مثال تو چھلکے کی طرح ہے۔ تم بادام خریدتے ہو۔ بادام کے اوپر چھلکا ہوتا ہے اندر مغز ہوتا ہے۔ جب تم خرید رہے ہوتے ہو چھلکے پر تمہاری نظر نہیں ہوتی، تمہاری نظر چھلکے کے اندر موجود مغز پر ہوتی ہے کہ جا کر میں اس کو توڑوں گا، اندر سے بادام نکالوں گا اور میں کھاؤں گا۔ میرے دماغ اور قلب کو تازگی ملے گی۔ اگر تمہیں بادام نکلا ہوا ہو اور صرف چھلکے ہوں، کوئی مفت میں بھی دے کبھی بھی لینا پسند نہ کرو گے۔ کہو گے بھئی میں اس کا کیا کروں گا۔ یہ تو جلانے کے بھی لائق نہیں ہے۔ پھینک کے چلے جاؤ گے۔ تو وہ فرماتے ہیں دوست جس کو تم مغز سمجھ رہے ہو یہ چھلکا ہے۔ اصل جو مغز ہے وہ دوستی میں ملنے والا رنج و تکلیف ہے۔ دوست کی طرف سے جو بھی ملتا ہے وہ پیارا ہوتا ہے۔ اگر رنج مل جائے تو وہ بھی پیارا ہوتا ہے۔

ڏک سکن جي سونهن گهوريان سک ڏکن تان

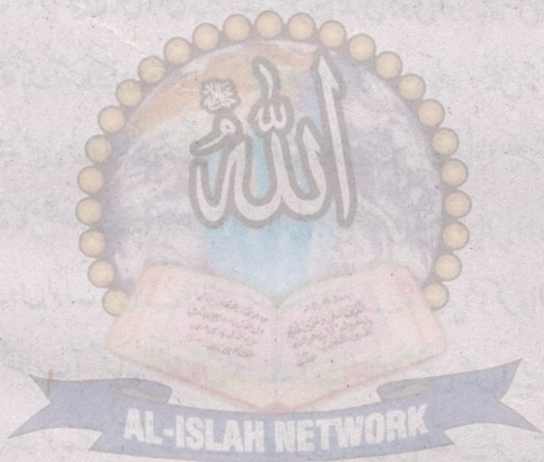
شاہ عبداللطیف بھٹائی صاحب فرماتے ہیں کہ جو دکھ مجھے ملے ہیں وہ اصل حسن تو ان ہی میں ہے۔ سمجھو صوفیو سمجھو۔ اور پھر فرماتے ہیں ایسے دکھوں پر جو مجھے محبوب کے در پر ملیں، اس کے جستجو میں ملیں، اس کی رضا کو پانے میں ملیں، فرماتے ہیں یہ جو تکلیفیں مل رہی ہیں یہ تو اصل ہے۔ میں ایسے آرام، ایسے خوشیوں کو ان پر قربان کردوں۔ قربان کردوں۔ میں عرض کروں گا کہ آپ یہاں آئے ہیں۔ آپ کو یہاں تکلیفیں پہنچی ہونگی، مشقتیں پہنچی ہونگی تو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا جو واقعہ میں نے عرض کیا تھا اور ان کے واقعے کے حوالے سے جو میں شعر عرض کیا اس میں ہماری ان تکالیف کا جواب موجود ہے لیکن پھر بھی میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ ہمارے حالات اتنے اچھے نہیں یعنی کہ بندوبست اتنا اچھا نہیں کہ آپ کو آسائش مل سکی ہو لیکن جفا کے پیچھے تمغے ملتے ہیں۔ جفا ہوگی تو تمغہ بھی ملے گا۔ ایسے دوست نہیں ملتا دوستو۔ تو جفا ہوگی تو تمغہ بھی ملے گا۔ وہ مبلغین، وہ خلفاء کرام وہ پیارے جو دن رات تبلیغ کے

لیے کوشاں ہیں ان کو آفرین ہو۔ میرا حال تو وہ ہے جس طرح ایک اور واقعہ میں عرض کر دوں۔
مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک شخص کو شوق ہوا کہ میں فقیہ بن جاؤں۔ لوگ مجھے بڑا عالم سمجھیں تو وہ دیکھتا تھا کہ فقیہوں کو، عالموں کو بڑی پگ ہوتی ہے۔ تو اس نے سوچا کہ میں بھی بڑی سی پگ باندھ لیتا ہوں لوگ سمجھیں گے کہ بڑا عالم ہے، بڑا فقیہ ہے لیکن بیچارا اتنا بدحال تھا کہ گھر میں کوئی ڈھنگ کا کپڑا بھی نہیں تھا۔ اس نے مانگنے تانگنے کے لیے بھی کوشش کی مگر صرف آدھا گز کپڑا مل پایا۔ اب وہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ پگ کی طرح سر پہ سجالے۔ تو اس نے کہا ایسے میں بیٹھا رہا تو فقیہ بننے سے رہا۔ اس نے کسی کچرے کے ڈھیر سے جو کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے پیسز پڑے ہوتے ہیں وہ جمع کیے، وہ جو کترن ہوتی ہے کپڑوں کی، کافی ساری جمع کی اور پھر اس نے آدھے گز کے اس کپڑے کے اندر ڈالنا شروع کر دیا تا کہ بڑی پگ بن جائے۔
لوگ کہیں واہ بھئی واہ۔ ہمارا حال بھی وہی ہے۔ جس کو دیکھیں گے بھئی اس کی آواز کچھ بھاری بھرکم ہے، جسم کچھ بھاری بھرکم ہے اور وہ کچھ اپنے آپ کو بنا بنا کر پیش کر رہا ہے تو ہم اس کے پاؤں میں گرتے ہیں۔ ہم اس کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ تب ہی تو ہم ایسے ہی بن گئے ہیں۔ اندر کچھ بھی نہیں ہوتا خالی ڈبہ ہوتا ہے لوگ کہتے ہیں واہ بھئی واہ۔ ہمارا حال بھی وہی ہے۔ ایسے نہیں بنو۔
عقل تمہیں اللہ نے دی ہے، دل تمہیں اللہ نے دیا ہے، پہچان رکھو پہچان۔ جاہلوں کی طرح ایسے نہ ہو کہ جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہو اس کے آگے آگے چلنا شروع کر دو۔ تو وہ پگ اس نے بنائی اور وہ گھر سے نکلا۔ وہ پگ باندھ کر گھومتا ہے ہر جگہ اس کو عزتیں ملتی تھیں تو کسی چور اچکے نے دیکھا بھئی یہ تو بالکل مفلس کلاش تھا، اس نے بڑی بوسکی کی پگ باندھی ہوئی ہے بڑا مزا ہو گیا ہے اس کا تو۔ وہ اس کے پیچھے کئی ہفتے خوار ہوتا پھرا۔ کبھی موقع ملے تو اس کے پگ میں چھین لوں۔ تو ایک دن کہیں سے اس کو یہ شخص اکیلا جاتا ہوا، بڑی پگ والا جو فقیہ بنا تھا وہ مل گیا۔ تو چور نے آؤ دیکھا

نہ تاؤ تو پگ اس کے سر سے جھپٹ کر بھاگا۔ جب کافی دور چلا گیا تو اس نے کہا او بھائی بات تو سن۔ کیا بات ہے؟ اندر دیکھ اس میں ہے کیا۔ تو اس نے کہا نہیں نہیں میں گھر جا کر دیکھوں گا۔ او بیوقوف ابھی دیکھ لے۔ اس نے یوں پگ کو کھولا تو کپڑوں کی کترن گری ہے اور صرف آدھا گز کپڑے کا ہے۔ وہ اس کو بڑی صلاتیں سنانے لگا بیوقوف تو نے میرے دن ضایع کر دے۔ ایک مہینہ تمہیں تاڑا ہے یہ بوسکی کی پگ مجھے مل جائیگی۔ اور اس میں کترن بھری ہوئی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تو بھائی ہمارا حال بھی وہی ہے ایک کترن بھری ہوئی اور کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ اخلاص ہے' نہ عمل ہے۔ کچھ بھی نہیں لیکن دوستوں نے جو کہہ دیا کہ آپ کچھ بولیں تو پھر میں سمجھتا ہوں یہ مشائخ کا فیض ہے' مہربانی ان کی ہوگی ہم عرض کر دیتے ہیں۔ ہمارا کچھ بھی حال نہیں ہے۔ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دل کی اصلاح ہو اور نفس کی خرابیاں دور کرنے کی ہم کوشش کریں۔ ایسے سینکڑوں لوگ میں نے دیکھے جب انہوں نے ذکر کیا' ذکر والوں کے ساتھ بیٹھے ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ سینکڑوں لوگ۔ آپ کو اس محفل میں ایسے ہزاروں لوگ ملیں گے جو چور تھے' جھوٹ بولتے تھے' نشہ کرتے تھے' لوگوں کے حق غصب کرتے تھے' بداخلاق تھے اور بھی دنیا بھر کی خرابیاں ان میں تھیں مگر جب میرے پیر کی صحبت میں آئے' ذکر لیا' ذکر کمایا' صحیح معنیٰ میں مراقبہ کیا آج ان کے اندر وہ انقلاب آ گیا کہ ان کی اصلاح ہوگئی۔ پورے گھرانے کی اصلاح ہوگئی۔ اور جو میں نے پہلے بات عرض کی کہ یہاں سے جانے کے بعد آپ مخلوق کے لیے پیار کرنے والے بنیں۔ یہ میرے آقا کی سنت ہے کہ اپنوں سے تو پیار کیا مگر جو دشمن تھے ان کو بھی سینے سے لگایا۔ اس لیے اگر آپ کا کوئی بھی دشمن ہے آپ کے اس کے خلاف بغض دل میں قطعاً نہ رکھیں۔ قطعاً نہ رکھیں بلکہ میرے آقا کی سنت پر عمل کریں۔ جو آپ کو مخالف' دشمن سمجھتا ہے وہ ملے تو اس کو سلام کرتے چلے جائیں۔ یہ سلام ایسا لفظ ہے' میرے آقا کی سنت ہے کہ اس کے

سینے سے جو مخالف ہے اس کے سینے سے بغض اور کینہ بھی نکال کر باہر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے۔



آزمائش خداوندی

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم.

امابعد

فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَنُرِیهِمُ اٰیٰاتِنَا فِی الاٰفَاقِ وَفِیٓ اَنْفُسِهِمْ

صدق اللہ العظیم۔

میرے محترم دوستو عزیزو! نصیحت اور واعظ آپ نے سن لی مزید کوئی ضرورت تو نہیں ہے الحمدللہ سنانے والے بھی نیک صالح اور سننے والے بھی آپ سب نیک صالح۔ یہ عاجز ان دونوں باتوں سے محروم ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت سلیم دے اور نیک بندوں کی صحیح محبت اور عقیدت بھی نصیب کرے اور ان کی صحبت اور محبت کا شوق دل میں پیدا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ طلب اور جستجو پیدا نہ ہوگی دعواؤں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اگر دعواؤں

سے کام بنتا تو آج آپ کو کوئی بھی شخص زمینوں میں ہل چلاتا ہوا نظر نہیں آتا یا کوئی بھی شخص دکانوں پر بیٹھا ہوا نظر نہیں آتا' اپنی فیکٹریوں اور ملوں میں آپ کو کوئی بھی آدمی نظر نہیں آتا۔ ہر شخص صرف زبان کی کمائی کھاتا' جا کے دعویٰ کرتا اور وہ چیز اس کو مل جاتی۔ تو جو دنیاوی چیزیں ہیں' عارضی اور فانی چیزیں ہیں' مختصر اور قلیل چیزیں ہیں۔ ان سب چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے اتنی سخت محنت کرنی ہوتی ہے' حالانکہ دنیا فانی اور عارضی ہے۔ جب اس کے حصول کے لیے اتنی محنت کی ضرورت ہے تو آخرت جو باقی ہے' ابدی ہے' دائمی ہے' افضل ہے' اعلیٰ ہے' بہتر ہے' برتر ہے تو کیا اس کے اندر وہ منزلیں اور مقام اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی وہ بغیر محنت کیے اور بغیر کوشش کیے ہمیں مفت میں حاصل ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کبھی بھی مشقتیں نہیں اٹھاتے۔ مگر آپ دیکھیں انسانوں کے گروہ میں جنہیں سب سے زیادہ تکالیف اور اذیتیں پہنچی ہیں' جنہوں نے مشقتیں اٹھائی ہیں اور محنتیں کی ہیں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کا ہی گروہ ہے۔ بعض انبیاء کو کلمہ حق کے لیے' اللہ تعالیٰ کے خوشنودی اور رضا کو حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن کو چھوڑنا پڑا اور بعض وہ تھے جن کو اللہ کی راہ میں شہید کیا گیا اور بعض انبیاء وہ تھے جن کو بہت زیادہ سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کو آپ نے سنا ہوگا کہ کتنی آپ کی مال و دولت تھی' کس قدر اولاد تھی۔ اتنی ساری چیزوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بطور آزمائش یکسر ختم کر دیا گیا۔ پہلے مال چلا گیا' جائداد چلی گئی حتیٰ کہ اولاد بھی اور ان سب چیزوں کے بعد ان کے جسم پر آزمائش شروع ہوگئی۔ یہ واقعہ علماء کرام سے آپ نے سنا ہوگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے علاوہ اور انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان کو کس طرح آزمایا گیا کہ بہت بڑی آگ جلائی گئی تھی۔ جس کی تپش اور گرمی میلوں دور تک پہنچ رہی تھی۔ ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ اس ناچیز کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہی وہ لوگ ہیں جو آخرت

کی حقیقت سے بہت زیادہ واقف ہیں اور ان سب میں سے زیادہ ہمارے آقا ومولیٰ آنحضرت ﷺ کی ذات کو آزمایا گیا۔ جس طرح کہ آپ فرماتے ہیں کسی بھی نبی کو مجھ سے پہلے اس طرح اذیتیں نہیں دی گئیں اور اس طرح تکالیف نہیں دی گئیں۔ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ، سیرت مبارک کو جب ہم پڑھتے ہیں تو یہ ہی چیز ہمیں معلوم ہوتی ہے کہ جوانی سے لے کر آخیر عمر تک آپ پر مختلف زمانوں میں مختلف تکالیف اور آزمائشیں آتی رہیں۔ مکہ میں آپ کی نبوت کے ابتدائی زمانہ کو دیکھیں، بچپن میں دیکھیں، والد بہت پہلے وفات پا گئے اور والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس طرح آپ اپنے دادا اور اس کے بعد اپنے چچا کے پاس قیام پذیر رہے۔ نبوت کے بعد مکہ میں آپ قیام پذیر ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچاؤ، ان کو حق کی طرف بلاؤ۔ دعوت دیتے ہیں، کوہ صفا پر کھڑے ہوئے ہیں، قریش مکہ کو بلاتے ہیں جس طرح اس وقت میں معمول تھا کہ کوئی ایسی سخت مشکل درپیش ہوتی تھی یا کوئی بڑا خطرہ درپیش ہوتا تھا تو قریش اسی طرح ایک دوسرے کو بلاتے تھے۔ اسی انداز میں میرے آقا ومولیٰ آنحضرت ﷺ نے قریش مکہ کو بلایا۔ کوہ صفا پر کھڑے ہیں، سب رئیس اور سب سردار اکٹھے ہو گئے بلکہ مکہ کے جو بھی لوگ تھے وہ بھی اکٹھے ہو گئے۔ سینکڑوں لوگ جب کھڑے ہو گئے تو میرے آقا ومولیٰ آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا کہ میں اس پہاڑی پر کھڑا ہوں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں آپ کی صورتوں کو بھی دیکھ رہا ہوں اور اس طرف جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ بات آپ اچھی طرح دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا بیشک۔ آپ نے فرمایا اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جس طرف میری نظر جا رہی ہے ایک بڑا جم غفیر، ایک بڑا لشکر اور سپاہ اسلحہ سمیت جبل کے اس پار آپ کو نیست نابود کرنے کے لیے چلا آ رہا ہے کیا آپ یقین کریں گے؟ سب لوگوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ پر پایا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اے قریش

مکہ ذرا یہ سن لو' میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ایک آج ہے جس کے بعد ایک کل آنے والی ہے۔ اس کل کے متعلق میں آپ کو ڈراتا ہوں۔ وہ قیامت کا دن ہوگا جب ہر شخص کو اللہ کے بارگاہ میں پیش ہونا ہے' اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔ تم فضول نہیں پیدا گئے۔ اس لیے نہیں دنیا میں آئے ہو کہ صرف اپنے پیٹ کا بسر کرو یا صرف اپنے قبیلہ اور قوم پر بسر کرو' اس کے لیے ہی اپنی جان کو قربان کر دو یا ضایع کر دو۔ یاد رکھو کہ یہ دنیا عارضی ہے' فانی ہے۔ آخرت دائمی اور باقی ہے۔ آخرت کے لیے تمہیں کچھ کرنا چاہیے اور آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا' اس کی وحدانیت کا درس دیا' آخرت کا ان کو فکر بتایا۔ جب یہ باتیں سب نے سنیں تو اور تو خاموش رہے غالباً آپ کے چچا ابولہب' اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی' کچھ کم وبیش الفاظ کہے لیکن آپ اس محنت اور مشقت کو ان لوگوں کے غلط الفاظ کے وجہ سے روکنے والے نہیں تھے۔ آپ کی محنت برابر جاری رہی۔ کس قدر دشمنی بھڑکی' کس قدر تکالیف اور اذیتوں میں اضافہ ہوا کہ آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ جس طرح کہ پہلے کچھ مسلمان حبش کی طرف روانہ ہوئے لیکن پھر بھی آپ نے ماحول کو بنتے ہوئے نہیں پایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا

اے میرے حبیب اب تم ان کو چھوڑ دو' ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ شاید اس طرح آپ کے دور جانے سے ان کے لیے کچھ مصلحتیں پیدا ہوں اور آپ کی طرف ان کا میلان ہو۔ تو آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ کون ہوگا اہل ایمان جو یہ پسند کریگا کہ خانہ کعبہ کو چھوڑ دے اور اس سے دور چلا جائے؟ کون ہے وہ جو یہ چاہے گا کو صفا و مروہ جیسی پاکیزہ جگہوں کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے؟ کون ہے جو یہ چاہے گا کہ حجر اسود جیسی عظیم ایک نعمت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کعبۃ اللہ میں رکھی ہے اس کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جائے؟ وہاں مقدس مقامات ہیں'

وہاں انبیاء علیہم السلام کی آمد رہی' ملائکہ کا نزول وہاں ہمیشہ رہتا ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول وہیں پر ہوتا ہے۔ آپ ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے چھوڑ رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے اس طرح پریشان کیا اور تکالیف اور اذیتیں دیں کہ اب ممکن نہیں رہا تھا کہ اطمینان اور آرام سے تبلیغ کا کام ہو سکے۔ آپ وہاں سے رخصت ہوتے ہیں' وہی رات جو آپ کی مکہ میں آخری رات ہے۔ جملہ قریش نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک نوجوان آگے بڑھے اور آپ ﷺ کے گھر مبارک کا گھیراؤ کرلیں اور یہ ان کا ناپاک عزم اور ارادہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔ گھیرے میں لے لیا ہے' تنہا اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن آپ پر کچھ گھبراہٹ کے آثار نہیں ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جس کے کام میں لگے ہوئے ہیں وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ان کفار کو بھی دیکھ رہا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ حق پر کون ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگرچہ یہ چند مسلمان' جو اسکے نام لیوا ہیں اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی مدد نہ فرمائی تو پھر آگے کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے گا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو یقین تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ اس سے ہمیں یہ بھی درس ملتا ہے کہ جب ہم اللہ کی راہ میں نکلیں اور اس کا پیغام عام کرنے کے لیے کوشاں ہو جائیں اور اس قدر مخالفتیں بڑھیں حالانکہ ایسی کوئی صورت ہمیں نظر تو نہیں آتی کہ دشمنان ہمیں گھیر لیں اور ہمیں کوئی راستہ بھی نظر نہ آئے کہ کہیں سے ہم نکل سکیں۔ تو اہل ایمان کو یہ واقعہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ ہمارا پیشوا' رہنما' راہبر اپنی زندگی سے یہ درس دے کر گیا ہے۔ اس لیے اگر ایسی صورت بھی درپیش آجائے تو بھی آپ کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات آپ کے ساتھ ہے اور وہ آپ کی مدد ضرور کریگا۔ جب آپ اس کی راہ میں نکلتے ہیں' اس کے دین کی سربلندی کے لیے کوشاں ہیں تو وہ آپ کی ضرور مدد کرے گا۔ اگرچہ آپ کو ظاہری عقل یہ فتویٰ دے کہ موت یقینی

ہے۔ کچھ بھی راستہ باقی نہیں اور آپ اب کہیں بھی نہیں جا سکتے' اپنی جان بچا نہیں سکتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ درس دیا اور بتا دیا اپنے عملی تفسیر اور عملی قدم سے کہ ایسے وقت میں بھی آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ بیشک یہ حقیقت ہے کہ ایمان والے کبھی بھی موت سے نہیں ڈرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ پیاری زندگی اگر چھوڑ کر ہم آگے گئے تو اس سے بہتر ہم آگے پائیں گے اور انسان ہمیشہ یہ ہی چاہتا ہے کہ میں ایک جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام پر چلا جاؤں جو یہاں سے بہتر ہو۔ حتیٰ کہ لوگ اپنے وطن کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی دبئی چلا جاتا ہے' کوئی امریکا چلا جاتا ہے' کوئی لندن چلا جاتا ہے' کوئی افریکا چلا جاتا ہے۔ کس لیے جاتے ہیں؟ اس لیے جاتے ہیں کہ ہمیں بہتر معاش ملے' زیادہ ترقی ملے' زیادہ دولت ملے۔ اسی فکر کے تحت وہ اپنے گھر کو' ماں باپ کو' بیوی بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح مؤمنین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دنیا سے آخرت زیادہ افضل اور اعلیٰ ہے۔ تو جب موت ان پر آتی ہے تو کوئی گھبراہٹ ان پر طاری نہیں ہوتی' ان کے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں ہوتی' وہ غمگین نہیں ہوتے کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ فرشتے نازل ہو رہے ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کی آمد ہو رہی ہے' وہ خوش خبریاں لا رہے ہیں' جنت کا مقام دکھا رہے ہیں اور جب وہ اللہ کے حضور میں پہنچے گا تو اللہ اس پر راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہوگا۔ اس کے لیے قبر قبر نہیں رہے گی بلکہ وہ جنت کا باغ ہو جائے گی اور وہ دیکھے گا جنت کی کھڑکی کھول دی گئی ہے اور جنت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آ رہی ہیں اور وہ دیکھے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرشتے آئے ہیں' اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھا رہے ہیں اور اس کو کہتے ہیں تم کو کچھ فکر نہیں' تم کو کچھ غم نہیں' تو مزے سے آرام کی نیند سو جا کیونکہ تو زیادہ محنت کر کے آیا ہے۔ جو ڈیوٹی اللہ نے تیرے اوپر لگائی تھی' تجھ کو مبارک ہو وہ ڈیوٹی تم نے پوری کی پوری ادا کر لی ہے۔ جس طرح ایک ملازم ہو اور وہ

مہینے کی تنخواہ پر ملازمت اختیار کرے پھر پورا مہینہ محنت کرے۔ صبح کو دفتر پہنچے' گرمی کی پرواہ نہ ہو' سردی کی پرواہ نہ ہو اس کو' دفتری فرائض کو ادا کر کے شام تک وہ مکمل ذمہ داری سے بیٹھا رہا' چھ لکھتا بھی رہا۔ اس کو حکم ہوا لکھنے کا' اس کو حکم ہوا کہ تو جا کے بینک سے فلاں کام کر کے آ' وہ اپنی جیب میں چیک ڈال کر بینک پہنچا۔ اس کو حکم ہوا تو فلاں علاقہ میں جا اور ہمارے دفتر کا جو بھی کام ہے وہ کر کے آ۔ اس کام سے وہ ادھر چلا گیا۔ انکار نہیں کیا۔ اس کو حکم ہوا اور بھی تیرے لیے مشکل مراحل ہیں' تم کو فلاں پہاڑی علاقے میں جانا ہے جدھر تم کو بھوکا اور پیاسا رہنا پڑے گا۔ اس نے اس بات کی پرواہ نہیں کی۔ پورا مہینہ اپنی ذمہ داری کو پورے احسن طریقے سے ادا کیا۔ اب مہینے کی آخری تاریخ ہے اس کو غم نہیں ہوگا' اس کو دکھ نہ ہوگا' اس کو فکر نہیں ہوگا بلکہ وہ مطمئن اور مسرور ہوگا۔ وہ جانتا ہے کہ میں نے اپنے فرائض پوری ایمانداری سے سرانجام دیے ہیں۔ اسی طرح سے ایک مؤمن' ایمان والا' متقی' پرہیز گار انسان اپنی زندگی کے دن بسر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بیشک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے خرید لی ہیں ان کی جانیں اور ان کے مال کہ اس کے عوض ان کو جنت ملے گی۔ اب نہ ان کو اپنی جانیں عزیز ہیں اور نہ ان کو اپنے مال سے پیار ہے کیونکہ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت مقرر کر دی ہے۔ یہ تجارت ہوگئی۔ اب انکو یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں جو بھی حکم کرے گا اس پر ہم لبیک کہیں گے کیونکہ ہم اپنی جانیں اللہ کے حوالے کر چکے ہیں۔ بدلے میں ہم نے جنت خرید کی ہے۔ اللہ کا حکم ہو گیا اب آپ اٹھ کر میری نماز کو ادا کریں' انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ آج گرمی زیادہ ہے گھر سے کیسے نکلیں یا ایسے سوچیں کہ بدن میں درد ہے کیسے میں اپنے گھر سے باہر نکلوں یا ان کو حکم ہو گیا کہ آپ

روزے رکھو۔ اس کو معلوم ہے کہ میں اللہ سے اپنی تجارت کر چکا ہوں، میں جنت خرید چکا ہوں، اب مجھے اپنی ڈیوٹی کے اوپر نظر رکھنی ہے۔ اسی لیے بلا چوں وچرا کے اس نے روزے رکھنے شروع کر دیے۔ سخت پیاس نے ستایا، اکیلا بیٹھا تھا، کوئی دیکھنے والا نہیں تھا سوائے اللہ کی ذات کے اور پانی بھی آگے پڑا ہے، شربت بھی موجود ہے لیکن اس نے پانی یا شربت کو ہونٹوں کے قریب لانا بھی گوارا نہیں کیا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اوپر یہ ڈیوٹی لگائی تھی کہ پیاسا اور بھوکا رہنا ہے۔ اسی طرح سے ان کو زندگی میں زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ مال سے بہت پیار ہے، ایک ایک روپیہ پیسہ اس نے جمع کیا ہے۔ اب کون چاہے گا کہ اس کو بغیر کسی بدلے کے مفت میں ایسے ہی دے دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تیرے پاس نصاب کے مطابق پیسے ہیں اور ان کو سال گذر گیا ہے یا تمہارے پاس سونا اور چاندی ہے اور ان کو سال گذر چکا ہے اور وہ سونا اور چاندی نصاب کے مطابق ہے تو اب تم کو ضرور زکوٰۃ نکالنی ہے۔ تمہارے اوپر فرض ہے۔ اگر تم زکوٰۃ نہیں نکالو گے تو آخرت میں تمہارے لیے دردناک عذاب ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آیا ہے کہ جو بھی سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے بلکہ ان کو اکٹھے کر کے رکھتے ہیں، جمع کرتے ہیں، انکے اوپر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اس سونے اور چاندی سے ان کی پیشانیوں کو قیامت کے دن داغا جائے گا۔ آگ میں سونے، چاندی کو گرم کر کے ان کی پیشانیوں کو داغا جائیگا اور وہ سونا، چاندی عذاب کی صورت میں ان کے سامنے درپیش ہوگا اور آگے بھی جہنم کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ تو جب اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ تم میرے اس حکم کے ماتحت زکوٰۃ ادا کرو تو تم بلا چوں وچرا اس نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کر دو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اب وہ سکرات کا لمحہ پہنچ گیا ہے، دوسرے پریشان ہونگے، تم خوش ہوگے۔ کیونکہ تم جانتے ہو پوری زندگی اللہ کی ڈیوٹی دی ہے۔ جو میری نوکری مقرر کی گئی تھی اس کو میں نے پوری

طرح ادا کیا ہے۔ رشوت سے بچا‘ حرام سے بچا‘ سود سے بچا‘ چوری سے بچا‘ زنا سے بچا اب اطمینان ہے‘ خوشی اور مسرت ہے کہ مجھے اپنی محنت کا اجر ضرور ملے گا۔ چہرے پر کوئی غم نہیں ہے۔تو میرے عزیز و دوستو یہ عاجز وہ ہی عرض کر رہا تھا کہ ہم اور آپ اس زندگی میں ان فرائض کو اخلاص سے ادا کریں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان فرائض کا حسین اجر ہمارے لیے تیار کر رکھا ہے۔جن کا آخرت پر یقین ہے وہ کبھی بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں ہونگے۔

میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اس آفاق میں‘ اس دنیا میں‘ اس زمین میں اور آسمانوں میں انسانوں کو اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کو اپنے نفس میں‘ اپنی جان میں بھی اپنی علامات دکھاتے ہیں تاکہ ان کو یقین ہو جائے۔ان کے اندر جو شکوک اور شبہات کے بادل چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ جائیں۔ ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ مذہب اسلام‘ یہ دین جو حضور نبی کریم ﷺ ہمارے پاس لائے‘ یہ ہی سچا ہے اور یہ ہی برحق ہے۔یہ ان کو کامل یقین حاصل ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی اس آیت کے مطابق اسی غور و فکر سے آفاق کو دیکھتے ہیں اور اپنی جانوں کو دیکھتے ہیں اگر اسی نظر سے ہم اس آفاق کو دیکھیں تو اللہ کی نشانیاں ہم کو بھی نظر آ جائیں گی۔مگر ہم اپنے زمین کے ٹکرے کو اس نیت سے دیکھیں گے کہ یہ میری ملکیت ہے‘ میں بڑا زمیندار ہوں‘ میں بڑا رئیس ہوں‘ میں بڑا خان ہوں‘ میرا بڑا شان ہے‘ دوسروں کو زمین نہیں ہے مجھے تو زمین ہے لیکن اس نیت سے ہم نہیں دیکھیں گے یہ زمین اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کی ہے‘ اس کی قدرت کاملہ پر نظر کرو کہ یہ ایک حقیر مٹی ہے‘ اس مٹی میں زندگی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا‘ کیا کسی مٹی کو آپ نے بولتے ہوئے دیکھا ہے یا اس کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے یا اس کو چلتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس میں کوئی زندگی کا نشان نظر نہیں آتا۔ ہوا کا جھونکا آتا ہے اس کو اڑا کر لے جاتا ہے۔کبھی ادھر‘ کبھی ادھر پاؤں میں پڑی

ہوتی ہے۔ایسی بظاہر بے جان مٹی لیکن اس میں قدرت کاملہ کا ایک عجیب نظارہ دیکھو کہ جب اس میں گندم کا دانا ڈالتے ہیں' پانی اس کو لگتا ہے تو اس میں سٹا پیدا ہو جاتا ہے۔جو اللہ والا ہو گا وہ اس کو اس نظر سے دیکھے گا۔اس میں غور فکر کرے گا کہ خدا کی قدرت کا شان دیکھو جو کیسی بے جان مٹی سے ایک سبز چیز گندم کے سٹے کو پیدا کرتا ہے۔کسی دوسرے کو طاقت ہے جو ایسا کر سکے؟ اسی طرح سے وہ درخت کے اوپر نظر کرم کرتا ہے۔درخت کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک چھوٹا سا بیج ہے۔ایک معمولی سا۔اگر اس کو چڑیا بھی کھانا چاہے تو اس کو نگل لے۔بلکہ اس سے بھی چھوٹا پرندہ ہو تو اس کو ہضم کر جائے۔ایک معمولی دانا! جو انتہائی کمزور اور حقیر تھا۔ایک انگلی سے وہ ٹوٹ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو سب دشمنوں سے محفوظ رکھا۔بکریاں بھی اس کے پاس سے گذریں' بھینسیں بھی اس کے پاس سے گذریں' گائیں بھی اس کے پاس سے گذریں' انسان بھی گذرے لیکن کسی نے بھی اس کو توڑا نہیں۔اسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے محفوظ رکھا۔وہ بڑھتا چلا گیا۔اس کو غذا بھی اللہ کی طرف سے ملتی رہی۔وہ بڑھتا ہی رہا۔کبھی اس کو کسی نے پانی بھی نہیں دیا۔یہ پیپل کے درخت آپ کو نظر آتے ہیں اس کو کس نے پانی دیا؟ اکثر ایسے ہی درخت ہیں جو خدا کی قدرت سے بڑھے اور اتنے بلند ہو گئے کہ جو بھی کوئی ٹریکٹر آ کے اس کو ٹکر مارے تو بھی اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔یہ کس کی قدرت ہے؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے۔تو اس نے پورے آفاق میں' زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نشانیاں ہمیں دکھائی ہیں۔گندم ہے' دانے ہیں۔جیسا دانا ڈالتے ہو ویسا ہی پودا اگتا ہے۔پھر اس کی قدرت کے اوپر نظر کرو۔ایک سٹا ہے پھر اس سٹے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت ڈال دی کہ ویسے تو ایک دانہ تھا تو اس سے ایک ہی دانہ پیدا ہونا چاہیے مگر اتنی برکت ڈالی کہ کتنے ہی خوشے پیدا ہوئے اور ایک ایک خوشے میں سے دس دس' بیس بیس دانے پیدا ہوئے۔پھر اس میں اتنی برکت ہوئی کہ اس دانے میں سے

سات سودانے پیدا ہوئے۔ کسی دوسرے انسان کو یہ طاقت ہے یا کسی علم والے کو یا کسی دعویدار کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ ایسا کر دکھائے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبرت والی نظر تم ہر طرف گھماؤ اور تمہیں ہر طرف میری نشانیاں اور علامتیں نظر آ جائیں گی۔ تمہارا ایمان کامل ہو جائے گا۔ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا۔ اپنے وجود کے اوپر نظر کرو، آفاق کو تم دیکھ چکے۔ دیکھو اور گہری نظر سے دیکھو۔ پہاڑوں کو دیکھو۔ ایک ایک چیز کے اوپر نظر کرو لیکن اس سے آگے آسان ترین یہ ہے کہ اپنے وجود کو دیکھو۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آفاق میں پیدا کیا ہے اس سب کا ایک تفصیل ہے۔ درخت ہیں۔ ندیاں ہیں۔ پہاڑ ہیں۔ اسی طرح سے مسطح اور سیدھی زمین ہے۔ کہیں اوپر نیچے ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب کو اجمالی طرح انسان کے جسم کے اندر رکھ دیا ہے۔ تفصیل تو اس کا پورے جہاں میں پھیلا ہوا ہے لیکن اجمالاً اس کا انسان کے اندر موجود ہے۔ پھر وہ ایک ایک چیز کو تفصیل سے بتاتے ہیں۔ وہ ہڈیوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دیتے ہیں، انسان کے ہڈیوں کو دیکھو گویا کہ یہ پہاڑ ہیں۔ فرماتے ہیں اس کی جو شریانیں ہیں، اس کی جو رگیں ہیں، جو پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کو ندیوں اور نالوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس کے بالوں کو گھاس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں اس پوری دنیا کے تفصیل کو اجمالاً جمع کر کے پیدا کیا ہے۔ انسان اپنے وجود کو دیکھے تو اس کو دنیا کا عکس نظر آئے گا۔ اس قدر اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو اعلیٰ اور احسن صورت عطا فرمائی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْم

بے شک ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔ ایسا کوئی کامل مکمل نمونہ کہیں بھی نظر نہیں آئے گا۔ انسان کے نفس کو آپ دیکھیں، اس کے قلب کو دیکھیں، کیا کچھ اس کے اندر صلاحیتیں پیدا کی ہیں کہ جو کچھ سالہا سال پہلے اس نے دیکھا ہوا تھا لیکن عرصہ

دراز سے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھا مگر آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس کا تصور لائے تو وہ چیز گویا کہ اس کے سامنے کھڑی ہے۔ آپ نے لاہور کو دیکھا ہے چند سال پیشتر۔ اب قریب میں نہیں گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس میں وہ قوت رکھی ہے جو آنکھیں بند کرے اور تصور لائے تو وہ ساری چیزیں اس کے سامنے ہیں۔ لاہور کی بازاریں، اس کی گلیاں، جو کچھ بھی اس نے دیکھا ہے وہ ساری چیزیں اس کے سامنے ہونگیں۔ اسی طرح انسان اگر اپنے نفس کی خامیوں اور خوبیوں کو تلاش کرے تو وہ بھی اس کے سامنے آجائیں گی۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اس کی طرف توجہ دیتا ہے کوئی اس کے طرف توجہ نہیں دیتا۔ انسانیت کا کمال اسی میں ہے کہ وہ اپنے خامیوں کو تلاش کرے اور اپنی خامیوں سے اپنے آپ کو علیحدہ کرے۔ جو بہترین، اعلیٰ اور افضل چیزیں ہیں، عمدہ اخلاق ہیں وہ اپنے اندر پیدا کرے۔ ان کو زیادہ بڑھائے تو اس سے انسان کی ترقی ہوتی ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی۔

کامیاب وہی ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک اور صاف کیا۔ پاک اور صاف بنانے کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ کپڑا اگر ناپاک ہوجاتا ہے تو جس چیز کی وجہ سے ناپاک ہوا ہے، اس کپڑے کو دھو کر، اس چیز کو نکالا جاتا ہے۔ پھر صاف اور پاک پانی میں اس کو ڈالا جاتا ہے۔ اس کو نچوڑا بھی جاتا ہے تاکہ گندگی، غلاظت دور ہو جائے۔ کبھی اس کو نیل لگائی جاتی ہے، صابن لگایا جاتا ہے کہ اس میں چمک پیدا ہو اور وہ صاف ستھرا لباس بن جائے۔ اسی طرح انسان کا جسم بھی دنیا کی آلودگیوں کی وجہ سے وہ بھی ناپاک ہو چکا ہے۔ اس میں حرص بھی آگیا، ہوس بھی آگئی، تکبر بھی موجود ہے، ریا بھی موجود ہے اور بھی بیشمار بیماریاں اس کے نفس میں موجود ہیں۔ اب یہ ناپاک ہو چکا ہے۔ اب یہ نفس اس لائق نہیں ہے کہ یہ اپنے آپ کو پہچان سکے۔ جیسے کسی کی آنکھوں کی بینائی چلی جائے تو وہ کیا جانے گا کہ دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ اس جہاں میں کیا

کچھ موجود ہے۔ اس بیچارے کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح وہ نفس اندھا ہوجاتا ہے' بہرا ہوجاتا ہے' گونگا بھی ہوجاتا ہے۔ جب اس کی بیماریاں دور ہوجائیں گی تو اس کے اندر وہ صلاحیت اور قوت پیدا ہوجائے گی جو اللہ تبارک وتعالیٰ اس نفس میں دیکھنا چاہتا ہے۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ کا عرفان بھی حاصل ہوگا۔ اس کا قرب بھی حاصل ہوگا۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

اس لیے صوفیاء کرام نے فرمایا جو اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے' اس کی غلط باتیں دور کرکے اس میں صحیح باتیں پیدا کرلیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرفان اس پر آسان ہوجاتا ہے۔ بلکہ ایسے ہی سمجھیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرچکا ہے۔ یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ایسی ایسی مثالیں بھی دنیا میں موجود ہیں جیسے کہ میرے مرشد ومربی ہمیشہ یہ واقعہ بیان فرماتے تھے۔ عراق کا واقعہ ہے' جس طرح جو میں نے آیت کریمہ تلاوت کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں اس جہاں میں ایسی نشانیاں اور علامتیں دکھاتے ہیں کہ تمہارا ایمان کامل ہوجائے اور تمہیں یہ اطمینان ہوجائے کہ جو یہ مذہب اسلام ہے' جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ یہی سچ ہے۔ یہی صحیح ہے۔ یہی حق پر ہے۔ تو ہمارے مرشد ومربی کی خدمت میں ایک رسالہ ماہ طیبہ پیش کیا گیا تھا۔ وہ ساری جماعت کی خدمت میں پڑھ کر سناتے تھے۔ طاہر آباد میں وہ پڑھا گیا سارے مجمعے میں۔ وہاں موجود سارے دوستوں نے سنا تھا۔ فرماتے ہیں 1929ء میں یہ عراق میں واقعہ درپیش آیا تھا۔ اس وقت میں جو اس علاقہ کا حکمران تھا اس کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ اس کو خواب نظر آیا کہ دجلہ دریا کے کنارے دو صحابی رسول ﷺ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور غالباً حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب' ان دو حضرات کے مزارات تھے۔ اس بادشاہ کو یا اس حکمران کو خواب نظر آیا کہ وہ دونوں صحابی رسول فرمارہے ہیں

کہ ہماری مزارات میں پانی پہنچ چکا ہے اس لیے ہمارے جسم اطہر کو وہاں سے منتقل کر دو۔ اس نے سوچا یہ کیسا خواب ہے اس پر کچھ غور فکر کرنا چاہیے۔ اس نے کچھ لوگوں کو مقرر کیا کہ دجلہ دریا جہاں سے بہتا ہے اور ان دو صحابیوں کی مزارات کے درمیان جو زمین آتی ہے اس کو کچھ کھود کر دیکھو کیا واقعی وہاں پانی ہے؟ اگر پانی ہو گا تو یقیناً یہ خواب میرا سچا ہے۔ جب وہاں کھدائی کی گئی تو وہاں کچھ پانی نظر نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہ شاید میرا یہ وہم اور خیال ہے اور وہم کو ذہن سے نکال دیا۔ پھر چند دنوں کے بعد اس کو خواب نظر آیا' دونوں صحابی رسول اس کو نظر آئے کہ بھئی ہم نے تجھے کہا کہ ہمارے مزارات میں یا قبروں میں پانی پہنچ چکا ہے اور تو غفلت کر رہا ہے۔ اس طرح دو تین مرتبہ خواب نظر آیا۔ اس نے اس علاقے کے مفتیوں' عالموں کو بلایا اور ان کے سامنے باتیں بیان کیں کہ یہ خواب مجھے بار بار نظر آ رہا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو وہاں پر ایک عالم بھی موجود تھا اس نے کہا کہ یہی خواب چند دن پہلے میں نے بھی دیکھا ہے اور اس پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔ جمیع علماء نے آپس میں مل کر بیٹھ کر مشورہ کیا اور متفق طور پر یہ فتویٰ جاری کیا کہ ان قبروں کو کھود کر ان صحابہ کے جسدوں کو وہاں سے نکالنا چاہیے۔ یہ بات لوگوں کے علم میں آئی اور حجاج کرام نے پرزور اصرار کیا کہ اس معاملے کو کچھ دن مؤخر کیا جائے کیوں کہ حج سے فارغ ہو کر ہم بھی یہ مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال حجاج کے بہت اصرار پر اس کام کو مؤخر کر دیا گیا۔ تو جو عاشق رسول تھے انہوں نے بھی جہاں کہیں سے یہ بات سنی تو خالص اس ارادے سے کہ اس بہانے سے صحابہ کی زیارت ہو جائے گی' وہ پاکیزہ اور پرنور ہستیاں' جن کو آقا و مولا آنحضرت ﷺ کا دیدار نصیب ہوا' ہم نشینی اور صحبت نصیب ہوئی' ان کی زیارت ہمیں حاصل ہو جائے گی۔ اس وجہ سے ویسے بھی لوگ پہنچنا شروع ہو گئے۔ لکھنے والا لکھتا ہے کہ اس کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا' دیکھا تھا۔ انہوں نے خود بیان کیا بلکہ وہاں

محکمہ اوقاف کے جو ذمہ دار افراد تھے انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ واقعہ سچا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہاں بہت سارے لوگ پہنچنا شروع ہو گئے حتیٰ کہ غیر مسلم جو یہودی اور نصاریٰ' وہ بھی وہاں پہنچنا شروع ہو گئے کہ ہم بھی یہ دیکھنا چاہتے ہیں جو مسلمان اپنے دین کی حقانیت بیان کرتے ہیں۔ ہمیں اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کی باتوں میں کس قدر وزن ہے اور کس قدر سچائی ہے۔ غیر مسلم بھی وہاں پہنچنا شروع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ لاکھوں کا مجمع جمع ہو گیا۔ اس سارے مجمعے کو دکھانے کے لیے اس وقت میں اس عراق کی حکومت نے بڑی بڑی اسکرینیں مختلف جگہوں پر لگا دیں تا کہ سارا عمل جو لوگ وہاں پر کھڑے ہوئے ہیں اور اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تو سکرینوں پر' پردوں پر اس کا عکس دیکھ سکیں۔ ہزار ہا لوگ موجود ہیں۔ ان قبروں کی کھدائی کی گئی۔ حضرت حذیفہ' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا واللہ اعلم ان کے علاوہ کوئی اور صحابی ہیں۔ جب ان قبروں کو کھودا گیا' جب ان کا جسم اطہر ظاہر ہوا۔ ہزار ہا لوگوں نے اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا کہ ان صحابی رسول کے جسم مبارک بالکل تر و تازہ تھے۔ کچھ بھی ان کے جسم پر مٹی لگنے کے آثار موجود نہیں تھے۔ لوگوں کی نظریں جب ان پر پڑیں تو ان کے قلب کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ بہت سارے لوگ ایسے تھے جو ان کو دیکھ کر' جن کا پہلے ایمان کمزور تھا ان کا ایمان کامل ہو گیا بلکہ وہاں اس کتاب میں لکھا گیا ہے کہ ماہر امراض چشم ایک عیسائی شخص بھی وہاں پر موجود تھا۔ وہ آگے بڑھا اس نے کہا کہ میں ان حضرات کے آنکھوں کو دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ میں یقین کر سکوں کہ جس طرح یہ لوگ تر و تازہ نظر آ رہے ہیں' ان کی آنکھوں سے مجھے علم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ اس نے ان حضرات صحابہ کی آنکھوں کا مشاہدہ کیا۔ اس مشاہدہ کے بعد اس نے بر سر عام اعلان کیا کہ جب کسی انسان کی وفات ہو جاتی ہے تو چند لمحے گذر جانے کے بعد وہ آنکھوں کی جو ایک مخصوص چمک ہے' وہ ختم ہو جاتی ہے۔ وہ

آنکھیں چمک سے عاری ہو جاتی ہیں۔ میں نے ابھی ان کے آنکھوں کو دیکھا ہے' ان صحابہ رسول کی آنکھوں کو دیکھا ہے جو مرنے کے چند لمحوں کے بعد جو چمک ختم ہو جاتی ہے وہ چمک ابھی تک ان کی آنکھوں میں موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں سینکڑوں لوگ ایسے بھی تھے جو یہ صرف دیکھنے آئے تھے۔ یہ سارا مشاہدہ دیکھ کر' یہ سارا اسرار و رموز دیکھ کر' ان صحابہ کو دیکھ کر' ان صحابہ کی زیارت کر کے ان کو ایمان نصیب ہو گیا۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پوری دنیا کو یہ دکھا دیا بلکہ ایسا موقعہ پیدا کیا جوان سارے لوگوں نے دیکھا کہ جو میرے پیارے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے جانثار صحابہ ہیں وہ یقیناً اس دنیا میں' قبروں میں ان کے جسم اطہر موجود ہیں تو وہ بھی ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جو زندگی ہم اس زمین پر بسر کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سے کئی گنا اعلیٰ اور افضل بہتر انکی زندگی قبروں میں ہے بلکہ ان کے جسم اطہر اس طرح تر و تازہ ہیں جس طرح ایک زندہ آدمی نیند میں سو جائے اور نیند کی حالت میں اس کے جسم پر کچھ ایسے آثار ظاہر نہیں ہوتے کہ یہ کمزور ہو چکا ہے' ضعیف ہو چکا ہے' یا مردہ ہو چکا ہے۔ وہ ایسا ہی تر و تازہ ہوتا ہے۔ بلکہ حالت نیند میں اس کے چہرے پر اور بھی تازگی ہو جاتی ہے۔ تو وہ صحابی رسول بھی اسی طرح نظر آ رہے تھے جیسے وہ حالت نوم میں ہیں۔ نیند میں پڑے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سب لوگوں کی تمنا تھی ہم ان کے جسم اطہر کو کندھا دیں۔ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے بانس لگائے گئے' جو سینکڑوں فٹ لمبے تھے۔ ان کو اور بھی لمبا کیا گیا اور جب ان کے جسدوں کو اٹھایا گیا تو سینکڑوں لوگوں کو بلکہ ہزار ہا لوگوں کو کندھے دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور ان کو منتقل کر کے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد' جامع مسجد سلمان جو آج بھی عراق میں موجود ہے۔ ان کی مزار کے قریب انہیں دفنایا گیا۔

تو میرے دوستو عزیزو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک عجیب اظہار

تھا۔ جو لوگ یقین نہیں کرتے بلکہ ان باتوں کو معاذ اللہ ایک واہمہ سمجھتے ہیں یا ایک بنی بنائی باتیں سمجھتے ہیں۔ ان کو بھی یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھیجا ہوا دین برحق ہے اور جو اس کو پھیلانے والے ہیں آنحضرت ﷺ کے صحابہ، وہ بھی سچے اور برحق ہیں اور اس قدر سچے ہیں کہ ان کی سچائی اور صداقت کا ثبوت یہ بھی ہے کہ قبر میں مٹی ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ان کے کفن تک کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کو سارے لوگوں نے دیکھا اور آج تک اس کو دیکھنے والے عراق میں زندہ بھی ہیں۔ کوئی وہاں جائے اور وہ پوچھ گچھ کرے تو ایسے لوگوں سے ملاقات کر بھی سکتا ہے۔

تو میرے دوستو عزیزو! اگر ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسی ابدی اور دائمی زندگی ہمیں حاصل ہو جائے تو ان صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہم چلنا شروع کر دیں۔ وہ صحابہ جو ان کے سامنے کوئی دنیاوی منصب رکھا جاتا تھا تو اس کو رد کرتے تھے۔ گورنری پیش کی جاتی تھی تو وہ یہی تمنا کیا کرتے تھے کہ ہمیں اس سے معزول کیا جائے۔ ہم اس کے علاوہ اپنے آپ کو بہتر اور ہلکا محسوس کرتے ہیں۔ آج وہ دور آچکا ہے کہ ہر شخص یہ تمنا کرتا ہے کہ جو بڑے سے بڑا منصب ہے وہ مجھے مل جائے۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یہ عاجز گذشتہ دنوں پڑھ رہا تھا کہ آپ شام کے علاقے میں جہاں جنگ مسلمانوں کی طرف سے لڑی جا رہی تھی، اس جنگ میں مشغول تھے۔ امیر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے وہاں ان کو پیغام ملا۔

مختصراً یہ عاجز بیان کرتا ہے کہ صحابہ کو جو یہ مقام ملا ہے تو ان کی تقویٰ کی وجہ سے ملا ہے۔ ان کی محبت خداوندی کی وجہ سے ملا ہے۔ دنیا سے قلب کی دوری، ان کی لاتعلقی کی وجہ سے ملا ہے۔ جب کہ ہم اس دنیا میں گھرے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو حرام سے بچا بھی نہیں سکتے۔ اور اس طرح کچھ کام کر کے دل میں ندامت بھی نہیں پیدا ہوتی بلکہ ہم فخر کرتے ہیں کہ اتنی دولت اکٹھی کی ہے سود کی صورت میں، رشوت کی صورت میں یا جوا اور طرح کے حرام اور ناجائز

طریقے ہیں' ان کے ذریعے جمع کی ہے۔ جبکہ یہ صحابہ کا اخلاق تھا اور یہ تقویٰ تھی کہ جائز ذرائع سے بھی ان کے پاس دنیا آتی تھی تو اس کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اخیر وقت میں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا۔ ایک معمولی سی جھونپڑی تھی جو بوریا سے یا اس طرح کی چیزوں سے' کھجور کے پتوں سے جو بنائی گئی تھی۔ تو ایک جھونپڑی تھی' اس میں آپ لیٹے ہوئے تھے اور آپ زار و قطار رو رہے تھے۔ میں خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی حالت کو دیکھا عرض کیا یا حضرت آپ کو کون سی چیز رلا رہی ہے؟ کیوں آپ رو رہے ہیں؟ یہ وہ سلمان فارسی ہیں جنہوں نے سالہا سال سفر کیا تھا۔ ایران سے کبھی شام کے علاقے میں پہنچے' غلامی کی حالت میں پہنچے۔ ان کی تمنا یہ تھی کہ میں مذہب حق کو پالوں لیکن ان ساری جگہوں پر پھرتے پھرتے ایسا وقت بھی آپ پر گذرا کہ غلام کی حیثیت میں بیچے گئے۔ جب مدینہ عالیہ میں آپ پہنچے تھے تو ایک یہودی کے غلام تھے۔ اس کے پاس آپ کام کاج کیا کرتے تھے۔ اسی انتظار میں تھے کہ غالباً یہ وہی علاقہ ہے کہ جس کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ آخری نبی ایسی جگہ پر آئے گا جہاں بہت ساری کھجوریں ہوں گی' نخلستان ہونگے' بڑا سبز و شاداب علاقہ ہوگا۔ جب وہاں پہنچے تو آپ کو وہاں نشانیاں نظر آئیں کہ ایک ایسا شخص آ گیا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے کہا کہ میں بھی دیکھوں کہ واقعی یہ نبی ہے بھی یا نہیں۔ کچھ نشانیاں تھیں جو کسی راہب نے یا کسی نصرانی نے جو اپنے جماعت کا سرپرست تھا یا سربراہ تھا' اس نے مرتے ہوئے بتائی تھیں۔ ایک نشانی یہ تھی کبھی بھی صدقہ قبول نہیں کریں گے اور دوسری یہ کہ ہدیہ قبول کریں گے۔ تیسری یہ کہ ان کی پشت مبارک پر مہر نبوت لگی ہوئی ہوگی۔ مسجد قبا پہنچتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور کچھ اپنی کمائی سے کچھ چیزیں لاتے ہیں اور پیش کرتے

ہیں۔ ”یہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں صدقے کے طور پر پیش کرتا ہوں“۔ آپ نے فرمایا ہم صدقہ نہیں لیتے ہمارے صحابہ کو دے دو کیونکہ صدقے سے ہمیں منع کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلی علامت تو سچی نکلی اب میں دوسری علامت بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ دوسرے روز پھر حاضر ہوئے اور وہ کھجور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے بڑی ہی فراخدلی سے اس تحفے کو قبول کیا اور استعمال فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ دوسری علامت بھی سچی ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ صحابہ محبت سے صحبت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ ان کو نصیحت یا ہدایت فرما رہے ہیں۔ وہ سامنے سے نہیں آئے بلکہ پچھلی طرف سے اس ارادے سے آئے تا کہ مہر نبوت کی مجھے زیارت ہو جائے۔ راوی لکھتے ہیں کہ جیسے ہی سلمان فارسی آنحضرت ﷺ کے پیچھے کی طرف سے پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے بغیر اس کو دیکھے یا اس کا نام لیے کہ سلمان کو ہم دیکھ چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے کرتہ مبارک کا دامن پیچھے سے اوپر کر لیا تا کہ وہ مہر نبوت کو دیکھے۔ اس مہر نبوت کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب تو تجھے تیسری علامت کا بھی یقین ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے اب مکمل یقین ہو چکا ہے۔ میں تو چہرہ انور کو دیکھ کر ہی یقین کر چکا تھا لیکن پھر بھی میں متأمل تھا۔ اب مجھے دائرہ اسلام میں داخل کر دیں۔ وہ اسلام میں داخل تو ہو گئے لیکن غلام اب بھی تھے۔ وہ یہودی ان سے کام کاج لیتا تھا۔ لیکن اب اور بھی سختی کیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے سلمان تم کچھ ایسا طریقہ اختیار کرو کہ تیری جان خلاصی ہو جائے۔ انہوں نے بات کی اپنے سردار سے یا ان کا جو مالک تھا' آقا تھا کہ کس طرح میری رہائی ہو سکتی ہے۔ اس نے کچھ ایسے شرائط رکھے جس کے متعلق اس کو یقین تھا کہ سلمان کبھی بھی پورا نہیں کر سکتا کہ بھئی اتنے

سارے درخت تم لگاؤ کھجور کے، جب وہ پھل دیں گے تو پھر تیری رہائی ہے اور دوسرا شرط یہ ہے کہ اتنا اوقیہ سونا، وہ مجھے مقدار یاد نہیں ہے، کافی مقدار اس نے سونا بتایا۔ تو وہ مجھے دے دو۔ اس کو یقین تھا کہ سلمان کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔ حضرت سلمان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مایوس ہے، پریشان ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے فرمان کے مطابق میں نے اپنے مالک سے بات کی تھی لیکن اس نے ایسی شرائط لگائی ہیں کہ میں پہلے ہی بوڑھا ہوں تو یہ کبھی پوری ہو ہی نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس نے شرائط لگائی ہیں؟ اس نے کہا کہ اتنے درخت لگاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے تم کل زمین تیار کر لینا۔ اس یہودی سے پوچھ لو کہ کہاں ہے اس کی زمین اور تم اس زمین کو ہموار بنا لینا۔ ہم کل آئینگے اور لگانے والے کھجور کے پودے وہ بھی تم حاصل کر لینا۔ سلمان کو یقین تھا کہ اس میں کوئی بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ اس نے زمین کو بنایا اور کھجور کے پودے کہیں سے حاصل کر لیے۔ دوسرے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے صحابہ سے کہ آج سلمان کی مدد کے لیے چلنا ہے۔ کون ہے جو ہمارے ساتھ جانا چاہتا ہے؟ سینکڑوں صحابہ تیار ہو گئے "یارسول اللہ ﷺ ہم بھی اس کار خیر میں شامل ہونا چاہتے ہیں"۔ صحابہ کی جماعت لے کر اس زمین پر پہنچتے ہیں جو اس یہودی کی زمین ہے اور اس کا جو شرط ہے، جو اس نے لگایا ہے وہ پورا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں ہیں وہ تیری کھجوریں اور صحابہ کو فرماتے ہیں جو لگانے کے لیے زمین کو کھودا جاتا ہے کہ اس کی کھدائی کرو۔ صحابہ کھدائی میں لگ جاتے ہیں۔ وہ سارے صحابہ اپنے ہاتھوں سے اس کی کھدائی کر رہے ہیں۔ کیا وہ عجیب منظر ہوگا۔ وہ کس قدر خوش قسمت زمین ہوگی اور وہ باغ ہوگا کہ جس کی کھدائی کرنے والے صحابہ ہیں۔ جن کی تعریف قرآن مجید میں ہے۔ اور اس کو لگانے والا وہ تو انبیاء کا سردار ہے۔ سارے کھدائی میں لگ گئے

اور آپ ﷺ نے ایک ایک درخت کو اپنے ہاتھ سے لگایا۔ سارے درخت جتنے بھی تھے وہ سارے کے سارے، آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کو لگایا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی شفقت وعنایت سے سلمان کی آزادی ہوئی۔ حضور کو اس قدر عزیز تھے سلمان فارسی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''سلمان جو ہے وہ میرے اہل سے ہے'' ایسا امتیاز کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ حالانکہ آپ عربی بھی نہیں تھے، آئے تو عجم کے علاقے سے تھے لیکن حضور سے اس قدر محبت تھی اور حضور کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ فرمایا ''سلمان میرے اہل میں سے ہے'' وہ جانثار صحابی، ہمارے طریقہ عالیہ کے پیشوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو اس وقت آپ غالباً کوفے کے گورنر تھے۔ ابن مسعود ہیں یا کوئی اور صحابی ہیں وہ آپ کی خدمت میں جاتا ہے کہ آپ کی عیادت کر سکے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ پر وفات کا وقت قریب پہنچ چکا تھا، اس حالت میں زار وقطار رو رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں کہتا ہوں سلمان کیا بات ہے؟ اے جانثارِ رسول کیا بات ہے؟ اس وقت آپ رو رہے ہیں حالانکہ آپ تو خدا کے دیدار کے لیے جا رہے ہیں، آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی قربت کے لیے جا رہے ہیں۔ کیوں رو رہے ہیں؟ وہ فرمانے لگے کہ اے میرے دوست مجھے وہ بات رلا رہی ہے جو اس وقت مجھے یاد آ رہی ہے۔ فرمائیے کہ وہ کیا بات ہے جو آپ کو رلا رہی ہے؟ فرمانے لگے کہ وہ یہ بات ہے جب میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ اے سلمان جب دنیا کو چھوڑ کر تو آخرت میں میری طرف آئے تو اس حالت میں آنا کہ تیرے پاس دنیا و دولت نہیں ہونی چاہیے، تیرے ساتھ میں کوئی دنیا، جگہ جائداد نہ ہو اور میں دیکھتا ہوں تو اپنے پاس اتنی دولت وجائداد پاتا ہوں تو میں آقا و مولیٰ کے سامنے کس طرح کھڑا ہو جاؤں گا، کس طرح میں ان سے بات کروں گا، کیسے میں ان کا سامنا

کروں گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری جب ان کے گھر پر نظر پڑی کہ وہ دولت کیا ہے جس کو آپ جائداد یا دولت کہہ رہے ہیں‘ دنیا کہہ رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خش خاشاک کی ایک کمزور جھونپڑی بنی ہوئی تھی جس میں کوفے کا گورنر رہتا تھا۔ جسے اب وہ دنیا کہہ رہے ہیں وہ کیا تھا؟ آپ کا ایک عصا تھا‘ آپ کا ایک کوزہ تھا‘ آپ کی ایک گودڑی تھی اور آدھا بنایا ہوا وہ بوریا تھا جو آپ کے گھر میں موجود تھا۔ صرف یہ چند چیزیں موجود تھیں اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اور فرمارہے تھے کہ یہ دولت و دنیا ہے۔ یہ انکی تقویٰ تھی‘ یہ ان کا ڈر تھا‘ یہ ان کا خوف تھا۔ روایات میں آتا ہے جو بھی وظیفہ آپ کو ملتا تھا سب سائلین میں تقسیم کردیتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے میں نے خدمت کی حق ادائیگی نہیں کی میں یہ وظیفہ نہیں لے سکتا‘ یہ میں اس علائقے کے لوگوں میں تقسیم کردیتا ہوں۔ اور اپنا گذر سفر کس طرح کرتے تھے؟ علائقے کے گورنر ہیں‘ اپنے ہاتھوں سے وہ چٹائی بناتے تھے‘ بوریاں بناتے تھے کہتے ہیں کہ پانچ چھے دن میں ایک بوریا تیار ہوتا تھا‘ چٹائی تیار ہوجاتی اور اس کو بیچتے۔ جو اس سے رقم ملتی آدھی اپنے اوپر خرچ کرتے اور آدھی وہ بھی غریبوں میں تقسیم کردیتے۔ یہ صحابہ کرام کی زندگی تھی‘ یہ ان کا عمل تھا‘ یہ ان کا اخلاص تھا۔

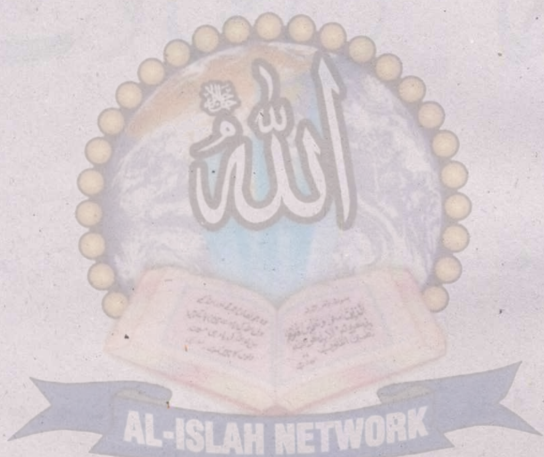
تو میں عرض کررہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حمص کا گورنر بنا کر روانہ کیا۔ کافی عرصہ گذر گیا ان کا کچھ احوال معلوم نہیں ہوا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صحابی رسول گورنر کو یہ پیغام بھیجا کہ بھئی تم نے بیت المال میں مال جمع نہیں کروایا اور کچھ ہمیں اپنا حال بھی نہیں بتایا۔ آپ کی دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پتا نہیں گورنر بن کر عمیر کا مزاج بگڑ نہ گیا ہو۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو پیغام ملا تو وہاں سے نکلے۔ پیادہ سفر کرتے ہوئے‘ دن رات سفر کرتے ہوئے امیر المؤمنین

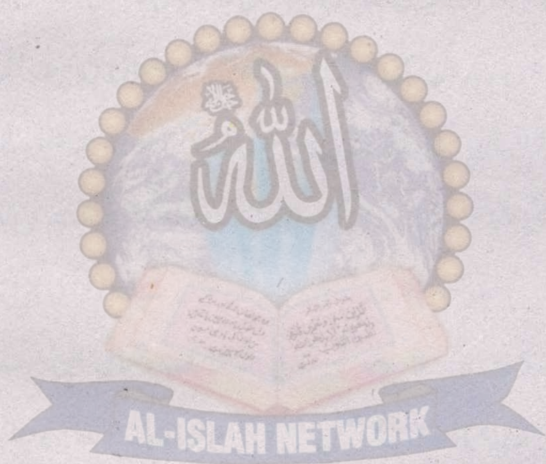
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس عالم میں کہ آپ کا چہرہ گرد آلودہ تھا' لباس پھٹ چکا تھا' گرد آلود ہو چکا تھا' نہایت کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا عمیر بن سعد ہو؟ اے عمیر تم پیدل آئے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین ہاں میں پیدل آیا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا اتنا لمبا سفر تم نے طے کیا ہے کیا حمص والوں نے تجھے سواری نہیں دی؟ آپ نے فرمایا نہیں میں نے ان سے طلب ہی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے مجھے کچھ دیا۔ میں تو ایسے ہی نکل پڑا۔ چونکہ آپ کا حکم پہنچ چکا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا حصہ دو۔ آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا حصہ میں کیا دوں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تو تیرے پاس کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ دیکھیں۔ ہمارے پاس کوزا ہے یا جو میں نے لباس پہنا ہوا ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا وہ حصہ کہاں گیا؟ آپ نے فرمایا جو بھی آمدنی ہوتی تھی تین یا چار آدمیوں کا ایک وفد یا ایک گروہ تشکیل دیا ہوا تھا۔ وہ سب مل جل کر اس کے حصے بناتے تھے اور غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے ۔اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس طرح کچھ باتیں ہوئیں۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں اطمینان پیدا ہوا اور فرمایا کہ اب تم واپس حمص کی طرف جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یا امیر المؤمنین میں پہلے ہی نہیں جانا چاہتا تھا لیکن آپ کا امر ہوا تھا اس کی بجا آوری کی تھی لیکن اب میرا دل نہیں چاہتا۔ خدا کے لیے مجھے اس ذمہ داری سے آزاد ہی رکھیں تو میں آپ کا مشکور رہوں گا۔ دیکھیے میں اسی موضوع پر آ رہا تھا کہ اس وقت کے صحابہ ان اعزازات سے اپنے آپ کو بچا رہے تھے لیکن آج ہر ایک کی دل میں یہ ایک شوق ہے میں وزیر بن جاؤں' مشیر بن جاؤں یا اس طرح کے اعزازات اور القابات لے کر ہم خوش ہوتے ہیں۔ اور وہ صحابی رسول چاہتے تھے کہ کسی تنہائی کی جگہ بیٹھ کر ہم اپنے رب کا ذکر کریں۔ اس کی یاد کریں۔

اس کی عبادت کریں۔ یہ ہمارے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ تو میرے دوستو یہ وہ صحابہ والا عشق، وہ سوز و گداز ہمارے دل میں پیدا ہوگا تو ہمیں بھی ان کے توسل سے، ان کے تصدق سے اللہ تعالیٰ کا قرب عطا ہو جائے گا۔ تو ذکر اللہ کا طریقہ ایسا ہے کہ اس کی برکت سے دل میں وہ غنا پیدا ہوتی ہے کہ کسی کی احتیاجی باقی نہیں رہتی۔ جس طرح وہ صحابہ کے وفود بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں جاتے تھے لیکن ان کی دل میں کچھ رعب تاب نہیں ہوتا تھا بلکہ اس قدر اعتماد سے اور کامل یقین سے بولتے تھے کہ بادشاہ بھی حیران رہ جاتے تھے کہ بھئی یہ کیسے لوگ ہیں جو ایسا میرا دبدبہ ہے، ایسی میری بڑی سلطنت دیکھ آتے ہیں لیکن ان کے اوپر کچھ احساس یا فکر، کچھ ڈر یا کچھ خوف کے آثار تک ظاہر نہیں۔ تو وہ اطمینان، وہ بے پرواہی اور اللہ پر بھروسہ کامل یہ ذکر اللہ کے صدقے میں ہی حاصل ہوتا ہے۔ اولیاء کاملین کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جیسا رویہ ان کا ایک بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا وہی رویہ ان کا ایک عام آدمی کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ نہیں کہ کوئی بڑا امیر آ گیا تو آگے بڑھ بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اس کو بڑی اعلیٰ جگہ پر بٹھایا۔ نہیں ان کے پاس جو بھی آتا تھا ان کے ساتھ مساویانہ رویہ اختیار کرتے تھے بلکہ کسی قدر دنیاداروں سے بے پرواہی اور ان کے ساتھ عدم توجہی کا سلوک کیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دنیادار جب آتے ہیں تو اپنی دنیاوی جاہ و منصب پر بھروسہ کرتے ہوئے آتے ہیں اور ان کی دل میں یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم دنیادار ہیں اس وجہ سے ان کی طرف عدم توجہی اختیار فرماتے تھے سواء اس کے کہ کوئی ایسا آدمی ہو جو دنیادار بھی ہے لیکن دل اور قلب کے لحاظ سے وہ دنیا کی محبت سے آزاد ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ والے حسن سلوک کرتے تھے لیکن وہ لوگ جو دنیا کی محبت، دنیا کے مفادات دل میں رکھ کر آتے تو ان سے بے پرواہی اور عدم توجہی کا سلوک ہوتا تھا۔ تو میرے دوستو یہ ذکر اللہ کی برکتیں ہیں جب وہ انوار اور تجلیات کا ورود ہمارے دل میں ہوگا تو دنیا کی محبت

زائل ہوجائے گی اور اللہ کی محبت دل میں راسخ ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ذکر کی توفیق عطا فرمائے۔




AL-ISLAH NETWORK

خالص عبادت

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِینُ۔

صدق اللہ العظیم

معزز سامعین! تقریر اور واعظ سے زیادہ بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ یہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے' اس کا فرمان ہے۔ یہی انسان کو زیادہ منفعت پہنچاتا ہے اگر کوئی صحیح معنیٰ میں سمجھ سکے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے یاد اور ذکر کا مقام اور مرتبہ' شرف وشان یوں بیان فرمایا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ۔وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ

بیشک نماز بہت ہی زیادہ نفعہ پہنچانے والی ہے۔نماز ہی انسان کو گناہوں سے روکنے کا' برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے لیکن وہ نماز نہیں جو کہ بالعموم ہم لوگ پڑھتے ہیں۔یقیناً نماز تو نماز ہی ہوتی ہے لیکن جب انسان کے دل میں تعلق مع اللہ کی کیفیت موجود ہو' توجہ الی اللہ اس کو حاصل ہو' نسیان ماسوی اللہ اس کا حاصل ہو' اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت اس کے دل میں موجزن ہو' اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اس کے دل میں محسوس ہو رہی ہو تو وہ نماز انسان کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔گناہوں سے بچانے کا بھی اور نیکی' تقویٰ اور اخلاص کے اعلیٰ مقام پر پہچانے کا بھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نماز بھی بڑی ہے' روزا بھی بڑا ہے' حج بھی' زکوٰۃ بھی' خیرات بھی' صدقات اور سخاوت بھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب کے روح کو بیان فرما رہا ہے۔ان سب عبادات کے اصل مغز کو بیان فرما رہا ہے تطابق دلاتے ہوئے کہ ذکر اللہ ان من جملہ سب چیزوں سے بڑا ہے۔بڑا کیونکر ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو رئیس المفسرین ہیں وہ فرماتے ہیں اس لیے کہ جب آپ اور ہم نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔روزہ رکھتے ہیں تو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔سخاوت کا مظاہرہ ہو رہا ہو تو یہ بھی ایک ذکر ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی کا ایک ذریعہ ہے۔اس طرح سے دیگر عبادتوں کو لیں اس میں کوئی ایسی بات ہمیں معلوم نہیں ہو پاتی کہ کیا واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ اس سخاوت کے دوران' اس عبادت کے دوران' اس نیک کام کے دوران مجھے بھی یاد کر رہا ہے اس کا تیقن نہیں ہوتا لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں کوئی بندہ مشغول ہو جائے تو پھر

اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ قرآن مجید میں موجود ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

جب تم مجھے یاد کرو گے تو میں اللہ تمہیں یاد کرونگا۔ اللہ کا وعدہ ہے تو جب ہم لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں تو یہ اس کی گارنٹی ہے، ضمانت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی آپ کو یاد کر رہا ہے۔ اب دو باتیں ہوگئیں۔ ایک بندہ کا یاد کرنا اللہ کو، یہ تو ایک معمول ہے کیونکہ بندہ تو بندگی کریگا وہ بندگی کرتے ہوئے اچھا لگتا ہے اور اس کا کام ہی بندگی کرنا ہے جیسے کوئی آقا کسی نوکر کو غلام رکھے پانچ ہزار تنخواہ یا تین ہزار تنخواہ کہ بھئی تم ککنگ (cooking) کرو، ڈرائیونگ (draiving) کرو۔ تو وہ کام میں لگا ہوا ہے کیا کبھی وہ کہہ سکتا ہے کہ میں تو بڑا احسان کر رہا ہوں۔ اگر کہے گا تو لوگ اس کو بے وقوف کہیں گے کہ بھئی تم اپنے مالک، جو تمہاری خدمتوں کو خرید چکا ہے، اس کی خدمت کرتے ہوئے اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے، تمہارا یہ کام کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ تم اپنی خدمتیں بیچ چکے ہو تمہارا کام ہی یہی ہے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بندے کا اللہ کو یاد کرنا، عبد کا معبود کو یاد کرنا یہ معمولی بات ہے، غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن معبود کا عبد کو یاد کرنا، اللہ کا بندے کو یاد کرنا یہ بہت ہی غیر معمولی بات ہے اگر وہ مالک اس کو کہے بھئی تم کام نہ کرو میں خود کرتا ہوں تم بیٹھ جاؤ تو یہ ایک غیر معمولی بات محسوس ہوتی ہے کہ بھئی نوکر کو اس نے بٹھا دیا ہے اور وہ خود کام کر رہا ہے۔ بلا تمثیل اس کی کوئی تمثیل نہیں ہے۔ بلا تمثیل میں عرض کر رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب بندے کو یاد کرتا ہے تو یہ بہت ہی بڑی بات ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَر

کہ اللہ کا یاد کرنا بندے کو یہ بہت ہی بڑا ہے اور اس وقت یہ عظمت بندے کو ملتی ہے جب وہ اپنے رب کو یاد کرے۔ اسی لیے تو حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اپنے احبابوں کو، فقیروں کو جب اللہ عرش عظیم پر یاد کرتا ہے تو ہمیں اس فرش پر پتہ چل جاتا ہے۔

غلاموں نے عرض کیا کیسے پتا چل جاتا ہے؟ آپ مسکرانے لگے اور فرمایا کیا تم نے وہ آیت نہیں پڑھی فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ جب تم مجھے یاد کرو گے اللہ فرماتا ہے میں تم کو یاد کروں گا۔ تو جب میں یاد کرتا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس فرش پر بیٹھ کر تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا عہد نبھاتا ہے اور مجھے بھی یاد کرتا ہے۔

تو ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ کا سب سے بڑا ہے سب سے افضل ہے اور اسی مقصد کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اس کے لیے آپ اور ہمارے قلوب یہاں موجود ہونے چاہییں اور متوجہ ہونے چاہییں کیونکہ یہ ایک روحانی محفل ہے اس کو اولیاء کاملین سے نسبت ہے۔ اس کو میرے آقا و مولا آنحضرت ﷺ سے نسبت ہے اور ہمارا یہ ایمان ہے آقائے نامدار آنحضرت ﷺ ایسی محفلوں میں تشریف لاتے ہیں' نظر عنایت فرماتے ہیں' یہ ہمارا ایمان ہے۔ اس میں ہمیں شک وشبہ نہیں ہے اور ہمیں یہ بھی ایمان ہے کہ ہمارے مشائخ کے ارواح طیبہ وہ متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے توجہات حاصل ہوتے ہیں' ان کی نگاہ کرم حاصل ہوتی ہے۔ جس کسی کا توجہ اپنے دل کی طرف ہوگا تو وہ یقیناً ان چیزوں کو محسوس کر رہا ہوگا۔ تقریر اور واعظ کرنا یہ بہت ہی مشکل کام ہے. جس طرح مولانا محمد رمضان صاحب فرما رہے تھے کہ ہم یہاں اپنی اصلاح اور فائدے کے لیے آتے ہیں لیکن بولنے کے لیے جب کہا جاتا ہے تو شرمندگی ضرور ہوتی ہے۔ کبھی کبھی کسی اور دوست کو تو اجازت مل جاتی ہوگی ''بھئی تم بیٹھو آج فلاں تقریر کرے'' میری تو ڈیوٹی ہر وقت لگائی گئی ہے کہ بھئی جلسہ ہو تو تمہیں تو بیٹھنا ہے۔ تو یہ عاجز اس لیے اس بات کو اپنے لیے بہت ہی مشکل سمجھتا ہے یہ بات مجھے ایک طرح سے اس طرح لگتی ہے جس طرح کسی تلوار پر چلنا۔ اس میں کتنی احتیاط ملحوظ رکھنی ہوگی جو مجھ سے ہو نہیں پا رہی کیونکہ میں تو ایک ناقص اور خطا کار ہوں۔ تقریر کرنے والا در حقیقت ایسے ہی ہوتا ہے کہ وہ تلوار پر چل رہا ہوتا ہے۔ جیسے کہ

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا ایک شعر ہے۔اس کے اصل الفاظ تو مجھے یاد نہیں ہیں اصل لطف توان الفاظوں میں ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے کنویں میں پھینکا ہے اور حکم دیا ہے کہ خبردار اپنے کپڑوں کو مت بھگونا۔تو میرے دوستو اس معنیٰ میں ہم اگر دیکھتے ہیں یہ تو ہمیں گویا کہ اپنے مشائخ کی طرف سے ڈیوٹی لگائی گئی ہے حالانکہ میں سمجھتا ہوں مجھ سے آپ لوگ بہت اچھے ہیں یہ میرے دل کی آواز ہے۔ سننے والے بہت اچھے ہیں۔کاش سنانے والے اچھے ہوجائیں کیونکہ سننے والے تو بڑے عظیم ہوتے ہیں' وہ اپنے کام کاج چھوڑ کر' اپنی مصروفیتوں کو چھوڑ کر صرف اسی لیے آتے ہیں کہ چلو سنتے ہیں۔یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کسی کے سامنے بیٹھ کر اس کی بات سننا لیکن سنانے والے اس کی نزاکت کو نہیں سمجھتے کہ کتنی بڑی ذمہ داری ان سارے لوگوں نے ہمارے اوپر ڈال دی ہے اور یہ ہم میں یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہمیں صحیح بات بتائیں گے جس میں ہماری دنیا و آخرت کی بھلائی ہوگی۔اب اگر سنانے والے کا یہ خیال نہیں' اس کا یہ یقین نہیں' اس کے اندر یہ احتیاط نہیں ہے کہ یہ ایک امانت میرے اوپر رکھی گئی ہے تو پھر اس کا بولنا' اس کی گفتگو' اس کی تقریر میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سراسر گناہ ہی بن جاتا ہے۔ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دل میں کچھ شرم پیدا کرے تاکہ ہم حق ادائی کرسکیں اور یہ احساس دل میں پیدا ہو اور اس کی اہمیت ہمارے سامنے ہو کہ یہ اتنا نازک کام ہے۔

ہم جو اس دنیا میں زندگی بسر کررہے ہیں ان میں سے جس کسی سے پوچھو وہ زبان سے اگر نہ بھی کہے' اقرار نہ کرے لیکن اس کے دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے مجھے محکومیت نہیں حاکمیت چاہیے۔ مجھے نوکری نہیں چاہیے میں آقا بننا چاہتا ہوں۔کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں محکوم بن گیا تو یہ میری ذلت اور رسوائی ہوگی۔میری توہین ہوگی۔حالانکہ اگر گہری نظر

سے دیکھیں تو تقریباً ہر ایک شخص کسی نہ کسی پہلو سے حاکم ضرور ہوتا ہے۔ وہ کچھ پہلوؤں سے محکوم ہوگا، ہو سکتا ہے کہ دفتر میں چند گھنٹے بیٹھتا ہے اس وقت وہ کلرک ہو یا چپڑاسی یا کوئی اور اس کا عہدہ ہو اس کا باس کوئی اور ہو اس وقت وہ محکوم ہو سکتا ہے لیکن جب وہ دفتر سے باہر نکلتا ہے اس وقت وہ کسی کا محکوم نہیں ہوتا اور اس وقت جب حاکمیت جو اللہ کی طرف سے مل جاتی ہے گھر میں جانے کے بعد اس کے دل میں اس کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ شکر کرے کہ اتنے سارے لوگ میری طرف دیکھتے ہیں، میرے حکم کو تسلیم کرتے ہیں اور میری توقیر کرتے ہیں اور میری عزت کرتے ہیں تو اب میری ذمہ داری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مجھے یہاں ایک امتیازی مقام دیا ہے اس کا میں صحیح استعمال کروں لیکن اس پر تو وہ دفتر کا بھوت سوار ہوتا ہے میں دفتر میں محکوم کیوں ہوں؟ اگر میں وہاں محکوم ہوں تو گویا کہ لاشعوری طور پر اپنے آپ کو محکوم ہی سمجھتا ہے اور وہ روتا ہی رہتا ہے۔ جس طرح کہ ہمارا معمول ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ہو، ہمارے اوپر کوئی مہربانی ہو تو وہ ہمیں یاد نہیں آتی اگر ذرا سی کوئی تکلیف ہو جائے، ذرا سی کوئی آزمائش اور ابتلا آ جائے تو ہماری نظر میں ہر وقت وہ ہی کھٹکتی رہتی ہے کہ میرے اوپر ہی تکلیف کیوں؟ کسی سے پوچھیں تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ ہو اس کے ساتھ بیٹھیں جب آپ اس کے ساتھ بات چیت کریں گے تو وہ بھی رونا روئے گا کہ یہ فلاں مصیبتیں میرے اوپر خاص ہی کیوں؟ گویا کہ وہ سمجھ رہا ہے کہ دنیا بھر کی مصیبتیں میں نے ہی جھیلیں ہیں اور سب لوگ تو عیش کرتے ہیں۔ آپ جب غور وفکر سے دیکھیں گے بالعموم آج ہمارا تاثر یہی ہوگا۔ بہت ہی کم لوگ ہونگے ایسے جو دل سے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور یقیناً ان ہی لوگوں کی زندگی مطمئن اور مسرور ہوگی۔ تو میں حاکموں کی بات کر رہا تھا، لوگ حاکمیت چاہتے ہیں کہ ہمیں ہر جگہ حاکمیت ملے لیکن میرے آقا ومولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ انسان کو دنیا کی لالچ اور اس کا شوق، اس کا حرص اتنا

بڑھا ہوا ہے کہ حضورﷺ فرماتے ہیں اگر ایک پہاڑ سونے کا مل جائے وہ فوراً دوسرے پہاڑ کا تقاضا کرے گا، ایک کافی نہیں مجھے دوسرا بھی پہاڑ چاہیے۔ تو یہ انسان کی فطرت کو، ہمارے مزاج کو آنخضرتﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ اب اس بات کو دیکھنا ہے کیا ہمیشہ جو حاکم ہوتے ہیں وہ ہی کامیاب ہوتے ہیں؟ کیا وہی مسرور ہوتے ہیں؟ لیکن یہاں جس لحاظ سے جمع ہوئے ہیں میں اس نقطہ نظر سے بات کروں گا۔ یہ فقیروں کی محفل ہے۔ ہم فقیر ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ جو علماء دین کی خدمت کر رہے ہیں ان کا ہمیں احساس ہے۔ ہم ان کے مشکور ہیں۔ مگر یہ عاجز آپ کو عرض کرتا ہے کہ یہاں جب بھی آئیں فتویٰ لینے کے لیے نہ آئیں، چھیڑ خانی کے لیے نہ آئیں کیونکہ یہ یہاں کام نہیں ہوتا۔ یہاں صرف اور صرف اپنے دل کی محبت لے آئیں اور دل کی ہی اصلاح کرنے کے لیے آئیں۔ صرف یہ کام ہوتا ہے یہاں۔ ہمارے مشائخ کی تعلیمات کے مطابق ذکر خداوندی اور دل کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، اپنے خرابیوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہاں انسان کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے اندر جتنی خرابیاں ہیں، تعلقات غیر اللہ کے، بغض ہے، کینہ ہے، تکبر ہے، حسد ہے، ریا ہے، ان بیماریوں سے ہم کس طرح چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ یہی غور و فکر یہاں ہوتا ہے، یہی ہمارا مشن ہے، یہ ہمارے مشائخ کا سلسلہ ہے۔ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے، یہ سلسلہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوا جنہوں نے ہمارے آقا و مولیٰ آنخضرتﷺ سے سیکھا اور شجرہ عالیہ موجود ہے آپ اسمائے گرامی پڑھ سکتے ہیں۔ ہمارے مشائخ نے پوری زندگی یہی کام کیا ہے۔ اس میں ہم نفرت کی بات نہیں کریں گے، کبھی بھی نہیں۔ یہاں محبت کی بات ہوتی ہے جو کوئی بھی آتا ہے، جس کسی رنگ کا ہو، جس کسی علاقہ کا ہو، جو کوئی اس کا مذہب ہو، وہ ہمارے آنکھوں پر ہے۔ ہمیں عزیز ہے۔ اس سے سروکار نہیں کہ وہ امیر ہے یا غریب ہے۔ وہ ہماری آنکھوں پر ہے

کیونکہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ کی تخلیق ہے اور یہی میرے آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے الخلق عیال اللہ کہ جمیع مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اور آپ ﷺ فرماتے ہیں تم لوگوں میں بہترین وہ ہی شخص ہے جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرے۔ ہم ان صوفیاء کرام کے غلام ہیں' ان سے محبت کا شوق رکھتے ہیں جو کسی مچھر کو مارنا پسند نہیں کرتے۔ میں نے سیرت ولی کامل میں پڑھا ہے ایک فقیر کا بیان ہے وہ کہتا ہے کہ میں حضرت سوہنا سائیں کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی مچھر آکر بیٹھ گیا اور وہ خون چوسنے لگا اور آپ اس کو دیکھتے رہے میں نے چاہا کہ اس کو اڑادوں آپ نے اجازت نہیں دی جب وہ خون چوس کر پوری طرح سیراب ہو گیا تو آپ نے کپڑے سے یوں اڑادیا اور وہ اڑکر چلا گیا۔ تو یہ ہمارے مشائخ کرام کی محبت الٰہی اور خدا کی مخلوق سے محبت اور پیار کا عظیم مظاہرہ ہے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ آج زمانے کو سب سے زیادہ ان ہی تعلیمات کی ضرورت ہے اور ان تعلیمات کا اثر آگے اور بھی واضح ہوگا۔ اس کی ضرورت اور بھی لوگوں پر آشکار ہوگی۔ ہم یہی چاہتے ہیں کہ اس پیغام کو سمجھنے والے بہت سارے لوگ پیدا ہوں اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے دیگر لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کیا تھا جو غیر مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ تو بات سے بات ہوتی چلی جائیگی اس عاجز کو طویل گفتگو نہیں کرنی ہے تو میں عرض کر رہا تھا کہ حاکمیت کو ہم بہت پسند کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے یہ غور و فکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ محکومیت میں بھی مزہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ محکوم کس کے ہیں؟ اگر کوئی محکوم کسی ایسے شخص کا ہے جو خود عیوب کا مجسمہ ہے یا اس کے اندر نقص پائے جاتے ہیں' خرابی پائی جاتی ہے تو پھر اس کی محکومیت انتہائی بدتر ہے جس طرح کہ ہم یہاں پہلے وقت گذار چکے ہیں کہ بھئی انگریزوں کا قبضہ تھا ہم محکوم تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہم غلام ہیں۔ تاریخ کے کتابوں میں ہم پڑھتے ہیں یہاں گورے آئے انہوں نے ہمارے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کیا۔ اور کوئی بھی

باعزت شخص اس درجہ محکومیت کو پسند نہیں کرتا اور پسند بھی نہیں کرنا چاہیے تو لوگوں نے ان کے خلاف کوشش کی اور اپنے ملک کو آزاد کیا۔ لیکن محکومیت اگر کسی ایسی ذات سے قبول کر لی جائے جو کہ واقعی سب عیوبات سے پاک ہو سب خوبیاں اس میں پائی جاتی ہوں، محبتیں اس میں پائی جاتی ہوں، عظمتیں اس میں پائی جاتی ہوں تو اسکی محکومیت میں مزہ میں ہے۔ اس کی عبدیت میں ہی زندگی کا معراج ہے۔ اسی چیز کو میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع لوگوں کو سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے کہ تم سمجھتے ہو کہ یہاں رہتے ہوئے اپنے خیال سے چلیں گے یا اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت کریں گے۔ نہیں نہیں، ان کی محکومیت قبول نہ کرو۔ اگر ان گھٹیا چیزوں کی محکومیت کو قبول کرو گے تو گویا کہ تم اپنے آپ کو اس مقام اس شان سے نیچے گراؤ گے اسی لیے کہتے ہیں کسی بھی انسان کی عظمت کا معیار اگر جانچنا ہو تو اسی ایک نقطہ سے بھی انسان کو جان سکتے ہو کہ اس کی محبت کن چیزوں سے ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہ اس کی محبت کونسے لوگوں سے ہے۔ اگر اس کی محبت ایسے لوگوں سے ہے جو کہ واقعی اچھے ہیں تو یہ آپ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بھی اچھا ہے۔ یہ تو ایک عام سی مثال ہے لیکن دنیا میں ایسے لوگ بھی تو موجود ہیں جو ایسے لوگوں سے، ایسی چیزوں سے محبت کرتے ہیں جن کو دیکھ کر انسان کا سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتوں سے محبت کرتے ہیں، مرغوں سے محبت کرتے ہیں، بٹیروں سے محبت کرتے ہیں، بھینسوں سے محبت کرتے ہیں اور خدا اور اس کے بندوں سے محبت کرنے سے لاتعلق رہتے ہیں۔ تو یہ لوگ جو اس طرح کی چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنی پوری زندگی گذار دیتے ہیں یہ خود کو، اپنے آپ کو اس اعلیٰ ترین مقام سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے وہ خود اپنے آپ کو نیچے گراتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کتے سے محبت کرے اور اس کو انسانوں کی طرح رکھے تو ہم یہی کہیں گے کہ بھئی یہ تو اس کا محکوم بن چکا ہے۔ اس کو نہلاتا ہے، دھلاتا ہے، چارپائی پر

رکھتا ہے' اس کی سیوا کرتا ہے بلکہ نوکر مقرر کر رکھے ہیں کہ اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ ایئر کنڈیشنڈ میں رکھا ہوا ہے اور اس کا کوئی کام نہیں ہے صرف اسی کی سیوا میں لگا ہوا ہے۔ کیا یہ انسانیت کا مقام ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی اور چیز کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہو تو وہ گویا کہ اپنے آپ کو خود گرا رہا ہے۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں عبدیت اچھی چیز ہے لیکن عبدیت ہونی چاہیے تو صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ خدایا ہم تیرے ہی بندے ہیں' تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ اب ہم کیسے بندے ہیں یہ ہمیں خود سوچنا ہے اور یہ بھی سوچنا ہے کہ کیا واقعی محکومیت ہم دل سے اللہ کی مانتے ہیں؟ یہ تو میں بھی کہتا ہوں کہ اللہ میرا حاکم ہے میں اس کا محکوم ہوں۔ آپ بھی کہتے ہیں اور لوگ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن جو اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے وہ چوں چرا زبان پر نہیں لاتا کہ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیوں ہوا؟ اس طرح کیوں ہوا؟ اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ میرے ساتھ کیوں ہوا؟ یہ اللہ کی محکومیت میں نہیں ہے یہ اپنے نفس کی محکومیت میں ہے۔ یہ اپنے نفس کی بندگی میں لگا ہوا ہے اور اسی چیز کی طرف حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اشارہ فرماتے ہیں تو اللہ کا بندہ نہیں ہے۔ حالانکہ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ اس لیے تشریف لائے تھے کہ ہمیں خالص اللہ کا بندہ بنائیں اور اس کے لیے آپ ﷺ نے صحابہ کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ ان کے دلوں کی صفائی کی۔ ان کے دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ موجزن کیا۔ اب اس نقطہ پر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کیسے بندے ہیں اور اللہ کی حاکمیت کو ہم نے تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ اگر اللہ کی حاکمیت کو آپ تسلیم کر چکے ہیں تو پھر یہاں کوئی بھی آپ کو کبھی بھی محکوم نہیں بنا سکتا۔ کوئی بھی نہیں لیکن بندے کیسے ہونے چاہییں؟ کیا ہم اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے بنیں گے کہ ہم صاف ستھرے کپڑے پہنیں' ہم

خوبصورت لباس زیب تن کریں، خوشبوء لگائیں، ہم اپنے جسم کو سجائیں، ہم اپنے گھر کو سجائیں، ہم اپنی گاڑیوں کو سجائیں۔ کیا اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ بندے بن جائیں گے؟ یا کوئی اور کام کرنا پڑے گا۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا وہ دو غلام بازار سے خرید لایا۔ مثنوی شریف کتاب ضرور پڑھیں بہت ہی عظیم کتاب ہے۔ تو وہ دو غلاموں کو خرید کر لایا ان میں ایک حسین تھا، خوبصورت تھا، اس کا رنگ گورا تھا، اس کے نقوش نگار اچھے تھے، قد اس کا لمبا تھا، لباس اس کا صاف ستھرا تھا اور خوشبوء اس کے بدن میں تھی، عطر لگایا ہوگا لیکن جو دوسرا غلام اس نے لیا وہ قد کا بھی ہلکا تھا، رنگت اس کی کالی تھی، دانت اس کے پیلے تھے، کپڑے اس کے میلے تھے، بدن میں اس کے بدبو تھی۔ دونوں کو وہ لے آیا حیرت کی بات ہے ایک ہی وقت میں بظاہر دو متضاد شخصیتوں کو لے آیا لیکن اس نے چاہا کہ لے تو آیا ہوں اب ان کا انٹرویو (Interview) کروں یہ ہمارے لیے درس ہے۔ تو جو حسین جمیل اور خوبصورت نظر آ رہا تھا اس کو اس نے تنہائی میں بلایا کہ بھئی آپ کا کیا خیال ہے آپ کیسے ہیں اپنے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا میں راگ گا بھی سکتا ہوں، پکا بھی سکتا ہوں، دھلائی بھی جانتا ہوں، تقریریں بھی کرتا ہوں، میں شاعر بھی ہوں، میں یہ بھی ہوں، میں وہ بھی ہوں بڑی باتیں شروع کر دیں۔ وہ آقا خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر اس سے پوچھا کہ اچھا وہ جو بیٹھا ہوا ہے سامنے اس کا کیا حال ہے؟ جب آقا نے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے ناک چڑھائی کہ وہ تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ گنوار ہے تربیت نہیں پائی، علم نہیں رکھتا، اس کو کچھ بھی نہیں آتا، بدن کو صاف نہیں رکھتا، کپڑے صاف نہیں پہنتا، یہ جہاں بھی جاتا ہے دھکے کھاتا ہے۔ آقا نے کہا اچھی بات ہے تم نے مجھے بتا دیا دراصل میں تو کسی کو اپنا ایک والی مقرر کرنا چاہتا ہوں اس لیے آپ دونوں کو لایا ہوں کہ آپ میں سے کسی ایک منتخب کروں۔ اس نے کہا میں اچھا ہوں اور میں اس کا حقدار ہوں کیونکہ سب چیزیں میرے

اندر ہیں۔ اس نے کہا جا کر تم نہاؤ تھکے ہوئے ہو، میں تھوڑے ٹائم کے بعد تم سے پھر بات کروں گا۔ جب وہ چلا گیا اس سیاہ رنگت والے کو، اس میلے کچیلے شخص کو جس کے بال بھی بلکل ٹھیک نہیں تھے، رنگت بھی اس کی کالی تھی، کپڑے بھی اس کے میلے تھے، قد بھی اس کا چھوٹا تھا، اس کے کپڑوں میں بھی بدبوء تھی۔ اس کو بلایا اس سے پوچھا کہ بھئی تمہارا اپنے بارے میں کیا کہنا ہے؟ تم کیسے ہو؟ اس نے کہا اے میرے آقا! میری نہ تو شکل وصورت اچھی ہے نہ ہی مجھ میں کوئی ایسی خاص چیز ہے بس یہ ہے کہ جیسے آپ کا حکم ہوگا وہ ہی کروں گا۔ آقا نے اس سے دوسرے غلام کے متعلق دریافت کیا کہ وہ دوسرا غلام جو ہے وہ کیسا ہے؟ اس نے کہا آقا وہ بہت اچھا ہے، وہ گا بھی سکتا ہے، شاعر بھی ہے، کھانا بھی پکا سکتا ہے وہ تو سب جانتا ہے۔ یہ سن کر آقا نے اس غلام کو جو بہت حسین تھا اور خود کو بہت کچھ سمجھتا تھا، اس کو بلایا اور کہا کہ اگر چہ تیرا ظاہر خوبصورت ہے۔ اچھا ہے لیکن تیرا باطن اس سے بالکل مختلف ہے اور جو دوسرا غلام ہے اگر چہ ظاہر میں وہ میلا کچیلا اور اتنا خوبصورت نہیں ہے مگر اس کا باطن بہت ہی خوبصورت ہے، اچھا ہے اس لیے میں اس کو والی بناتا ہوں اور تمہیں اس کا دربان بناتا ہوں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے انسانو! وہ ایک آقا اپنے غلاموں کی پہچان رکھتا تھا، ان کو سمجھتا تھا اور پھر وہ فیصلہ کرتا تھا اور ان کی اندرونی کیفیت کی بنیاد پر کہ اس کے اندر کس قدر محبت ہے، اطاعت ہے اور صفائی ہے۔

اے انسانو! تم بھی اللہ کی عبدیت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن کیا تم کو پتہ ہے کہ ہماری یہ چرب زبانی، ہوشیاری، چالاکی وہاں کام نہیں آئیگی کہ میں یہ ہوں، میں وہ ہوں۔ جس طرح کہ ہم کہتے ہیں جب کسی سے ملتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں سائیں فلاں صاحب، فلاں علامہ، فلاں بزرگ، فلاں خلیفہ اور پھر ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں دو حج میں نے کیے ہیں، میں نے دو عمرے کیے ہیں۔ بھئی یہ عمرے اس لیے کیے کہ تم مجھے بتاؤ یا اس لیے کہ لوگوں کو بتاؤ۔ اس طرح کی جو ذہنیت ہے کیا اس

ذہنیت کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوسکیں گے؟۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ حاکمیت کا شوق انسان کے اندر پایا جاتا ہے اس حوالے سے ایک حدیث مبارکہ میرے ذہن میں آئی جو حضرت زید بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں یمن کے علاقے سے آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' تفصیلاً واقعہ چھوڑ کر میں اختصار سے کام لیتا ہوں تو زید بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا کہ میں اپنے علاقے کا امیر آدمی ہوں' لوگ میری تعظیم کرتے ہیں اور میں اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے اسلام میں داخل کیا اور مجھے سفر میں ساتھ رکھا اور پھر مجھ سے کہنے لگے کیا تم پسند کرو گے ہم تمہیں اپنے ملک کا امیر بنائیں؟ اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ بالکل میں تو پسند کروں گا۔ آپ ﷺ نے کہا ٹھیک ہے ہم تمہیں امیر بناتے ہیں اور فرمان اسی وقت لکھوا دیا حالانکہ آپ ﷺ پہلے اس طرف لشکر بھیج چکے تھے یمن کی طرف' اس علاقے کو فتح کرنے کے لیے۔ جب اس نے کہا کہ میں وہاں کا امیر ہوں' ان لوگوں کو اسلام میں داخل کرلوں گا' آپ ﷺ نے ان لوگوں کی طرف پیغام بھیجا واپس آجاؤ کیونکہ یہاں پر ایسا شخص موجود ہے جو ان کو دعوت اسلام دے سکتا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری ایک اور گذارش ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا؟ اس نے عرض کیا کہ صدقات لینے کا عامل بھی مجھے ہی بنائیں آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے حکم دیا گیا حکم نامہ تیار ہوگیا۔ اب یہ سفر میں ساتھ چل رہا ہے' سیکھنے والا آدمی کسطرح سیکھتا ہے اگر ہم جیسا آدمی ہوتا یہ پروانہ لے کر جیب میں ڈالتا اور فوراً وہاں کا رخ کرتا۔ بھئی میری تو پانچوں انگلیاں گیہوں میں اور سر کڑھائی میں ہے۔ اب تو وہاں میں مزا کروں گا لیکن اس شخص نے پسند کیا آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنا۔ جب آپ ﷺ

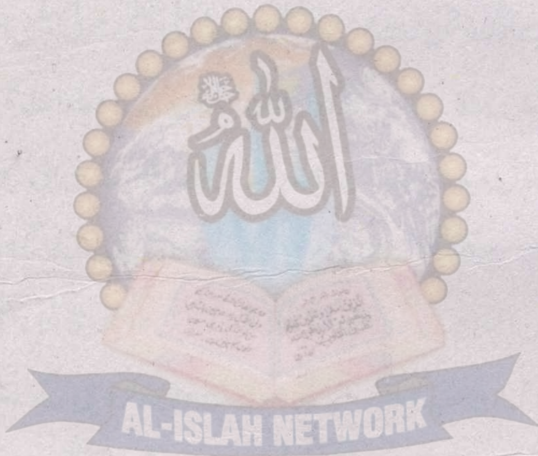
کچھ سفر کر کے گئے تو ایک اور قبیلہ کے لوگ فریاد لے کر آئے یا رسول اللہ ﷺ فلاں جو عامل ہے وہ ہمارے ساتھ بڑا ظلم کر رہا ہے، وہ ہمیں تکلیفیں دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کی بات سن کر بہت ہی رنجیدہ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا امارت میں کسی ایمان والے مرد کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ تو صدائی رضی اللہ عنہ شامل تھے، ان کے کان کھڑے ہو گئے بھئی میں تو امیر ہو چکا ہوں لیکن یہ خاموش رہے پھر آگے چلے تو ایک اور شخص وہاں پہنچ گیا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ تکلیف ہے، مجھے وہ تکلیف ہے، مجھے یہ ملنا چاہیے، مجھے وہ ملنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا امیر بننے کا شوق یہ بھی سر کا درد اور پیٹ کا درد ہے جس طرح جس کو سر درد لاحق ہو تو اس کو آرام نہیں ہوتا، جس کو پیٹ میں درد ہوتا ہے اس کو آرام نہیں ہوتا تو یہ سودا بھی جس کے ذہن میں آ جائے، قلب میں آ جائے، اس کو بھی آرام نہیں ہوتا۔ یہ سن کر حضرت حارث صدائی نے فوراً عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری گستاخی معاف ہو میری بے ادبی معاف ہو اور میرا ایک عرض قبول کیا جائے۔ یا رسول اللہ ﷺ جو حکم نامے آپ ﷺ نے جاری فرمائے ہیں ان کو منسوخ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں ابھی تو تم نے پسند کیا تھا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابھی جو آپ ﷺ دیگر لوگوں کے سامنے فرما چکے ہیں کہ مؤمن مرد کے لیے امیر بننے میں کوئی بھلائی نہیں ہے تو میں اپنے لیے کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ایمان والے اہل دل جو بھی ہوتے ہیں وہ اس چیز کو دیکھتے ہیں کہ ہمیں اطاعت مقدم ہونی چاہیے، فرمانبرداری مقدم ہونی چاہیے، ارشاد کو ہم دیکھیں، فرمان کو ہم دیکھیں کہ وہ کس زاویہ سے آپ فرما رہے ہیں، وہ کس طرح تربیت کیے جا رہے ہیں لیکن ہم اپنے امارت کا شوق اپنی دل میں سجائے ہر وقت یہی خواب دیکھتے رہتے ہیں کہ ہمیں ھل من مزید اور بھی زیادہ چاہیے، اور بھی زیادہ چاہیے۔

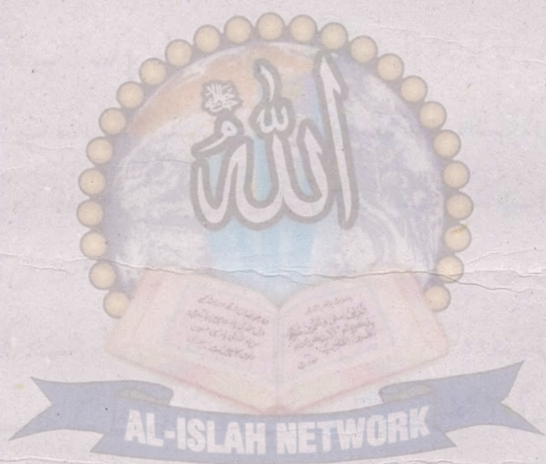
تو اس موجودہ زمانے میں ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں سب سے زیادہ جس انداز میں تبلیغ کی ضرورت ہے وہ ہم نے ابھی تک استعمال نہیں کیا۔ جب تک ہم محبت اپنے دل میں رکھتے ہوئے، صحیح محبت رکھتے ہوئے یہ نہیں کہ ہم سب لوگوں کو خراب سمجھیں، غلط سمجھیں 'یہ بھی کافر ہے' وہ بھی کافر ہے، وہ بھی گمراہ ہے' یہ بھی گمراہ ہے۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والا کبھی بھی لوگوں کی دلوں کو جیت نہیں سکتا۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ ان لوگوں سے کس طرح محبت رکھتے تھے کبھی بھی کسی کو یہ نہیں کہا کہ یہ ہو تم' وہ ہو تم۔ نہیں ان کو پیار اور محبت سے سمجھایا، نرمی سے سمجھایا حتیٰ کہ ایسے لوگ جن سے صریحاً غلطی ہوئی، کھلی غلطی ہوئی لیکن ان کو بھی آپ ﷺ نے سخت الفاظ سے نہیں جھٹکا۔ کہاں گئے وہ اخلاق؟ کہاں گئیں وہ عادات؟ جس اصلاح کا نام لیتے ہیں وہ یہی تو اخلاق حمیدہ ہیں۔ میں ایک واقعہ پڑھ رہا تھا کہ ابن ابی مشہور منافق گذرا ہے جب وہ بیمار ہوا' آنحضرت ﷺ اس کی طبع پرسی کے لیے خود تشریف لے گئے حالانکہ یہ وہ شخص تھا جو چوبیس گھنٹے دشمنان اسلام سے رابطے رکھتا تھا۔ ان سے مل ملا تا رہتا تھا۔ کبھی ادھر بھاگتا' کبھی ادھر بھاگتا' سمجھتا تھا کہ ان سب کو ملا کر ہم اسلام کو نیست و نابود کر دیں گے۔ لیکن آنحضرت ﷺ طبع پرسی کے لیے جا رہے ہیں ایک منافق کی طرف۔ جب آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو اس نے عرض کیا کیونکہ وہ مرض الموت میں مبتلا تھا' اس کو پتا تھا کہ وہ مرنے والا ہے' اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک گذارش ہے وہ قبول کر لی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کہو۔ اس نے کہا میری ایک تمنا ہے جب میں مر جاؤں تو مجھے اپنی قمیص عطا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عطا کر دیں گے۔ اس نے کہا میری نماز جنازہ بھی آپ ﷺ پڑھائیں۔ سوچنے کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پڑھائیں گے۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اس نے آدمی بھیجا کہ حضور اکرم ﷺ مجھ سے وعدہ کر گئے ہیں کہ وہ قمیص عطا کریں گے۔ تو آنحضرت ﷺ نے

اپنی قمیص، اوپر کا جو لباس تھا اس کی طرف روانہ کر دیا۔ اس نے فوراً عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اوپر والی قمیص نہیں مجھے وہ چاہیے جو ہمیشہ آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ مس رہتی ہے۔ دیکھو! منافق بھی سمجھتا تھا، جو پوری زندگی دشمنی کرتا رہا وہ بھی سمجھتا تھا یہ برحق ہیں اور ان کی طرف سے اگر کچھ مجھے عطا ہو گیا تو مجھے نجات مل سکتی ہے۔ وہ بھی امید رکھتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے وہ اندر جسم کے ساتھ جو قمیص پہنتے تھے وہ اس کی طرف روانہ کر دی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے غیور اور کفار و منافقوں کے خلاف سخت غصے رکھنے والے صحابی رسول تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا جسم اطہر پاک، آپ ﷺ کا لباس مبارک پاک اور اس پلید شخص کو دے رہے ہیں۔ ناپاک شخص کو دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر ہم اس کو قمیص اس لیے نہیں دے رہے ہیں کہ اس قمیص سے اس کو کچھ فائدہ پہنچے، اس لیے دے رہے ہیں جو اور لوگ اس کے ساتھ بیٹھے ہیں شاید ان کی ہدایت کا راستہ نکل آئے۔ آپ ﷺ نے قمیص روانہ کر دی۔ خیر وہ تو مر گیا لیکن بعد میں دیگر منافقین نے جب دیکھا کہ ہمارا جو بگ باس تھا اور ساری زندگی آنحضرت ﷺ کی دشمنی کرتا رہا اور ان کے خلاف بدزبانی کرتا رہا، مخالفت کرتا رہا تو ایسا شخص بھی ان کے لباس میں اتنی امید رکھتا ہے کہ اس کے ذریعے اس کو نجات مل سکتی ہے۔ آخرت میں نجات مل سکتی ہے یعنی یہ شخص بھی آپ ﷺ کو دل سے برحق سمجھتا تھا۔ فوراً وہ دوڑے دوڑے حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور وہ تائب ہوئے، اسی روز نفاق سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ وہ خلق نبوی تھا۔ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات پر اپنا احتجاج درج کرایا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں وہ تو منافق ہیں لیکن آپ ﷺ کی نظر بہت وسیع اور کشادہ تھی۔ تو یہی ایک کیفیت ہمارے احبابوں کے دلوں میں ہونی چاہیے۔ سب سے محبت کریں، ان کو محبت سے بلائیں تاکہ ہماری تو یہ ہی تمنا ہے، یہ ہی طمع ہے کہ ان کے دلوں

میں محبت الٰہی کا جذبہ موجزن ہوجائے وہ اللہ کو جاننے پہچاننے لگیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔




AL-ISLAH NETWORK

اسوہ حسنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

صدق اللہ العظیم

میرے محترم دوستو عزیزو الحمد اللہ کافی نصیحت وعظ پُر اثر' ذومعنیٰ باتوں پر آپ سن چکے ہیں۔ مزید یہ عاجز کیا عرض کرے۔ کچھ ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی لیکن دوستوں کے اصرار' ان کے ارشاد کے مطابق یہ عاجز کچھ عرض کرتا ہے۔ دعا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔

اپنی حقیقت ہر ایک انسان کے سامنے ہوتی ہے۔ انسان اپنی ذات کی حقیقت کو چھپائے یا کسی اور چیز کی حقیقت کو لاکھ چھپائے۔ ممکن ہے وہ کچھ نادان لوگوں کو دھوکہ بھی دے دے کہ وہ کچھ کم عالم ہو' کم عمل ہو۔ اپنے آپ کو بڑا عالم ظاہر کرے۔ بڑا عامل ظاہر کرے۔ بڑا فاضل ظاہر کرے لیکن جو عقل مند ہوتے ہیں' سمجھ دار ہوتے ہیں۔ وہ جان ہی جاتے ہیں کہ وہ شخص کتنے پانی میں ہے۔ تو یہ عاجز بھی اچھی طرح اپنے آپ کو جانتا ہے کہ یہ عاجز

کتنے پانی میں ہے اور میری کیا حیثیت ہے۔ دوستوں نے تعریفیں بیان فرمائیں یہ ان کا حسن ظن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو سچا کرے۔ حالانکہ یہ عاجز اس لائق ہرگز نہیں ہے اور نہیں اس چیز کو پسند کرتا ہے اور نہیں اس سے خوشی محسوس کرتا ہے بلکہ شرمندگی ہوتی ہے۔ اگر کچھ ہے یہ سب میرے شیخ کامل حضرت قبلہ عالم روحی وقلبی فداہ کے نظر کرم کا صدقہ ہے۔ یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے۔ یہ ان کی تربیت کا اثر ہے۔ ورنہ مجھ جیسا ناکارہ جو کسی بھی لائق نہیں، کوئی بھی لیاقت نہیں رکھتا کہ آپ کے سامنے کچھ بیان کرے۔ ممکن ہے کہ ایاز کی مثال کی طرح لوگ سمجھتے ہوں کہ بھائی یہ تو بڑا ہی دنیادار ہے یا عقل مند ہے یا علم کا مالک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود کی خدمت میں ایاز رہتا تھا۔ محمود اس پر بے حد مہربان تھا۔ محمود کوئی معمولی انسان نہ تھا بلکہ ایک اہل دل انسان تھا۔ اہل اللہ تھا۔ بڑی سلطنت کا مالک تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کی فوج تھی۔ بڑے بڑے معرکہ اس نے سرانجام دیے۔ تاریخ میں لکھا گیا ہے کہ محمود غزنوی نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ گھوڑے کی پیٹھ پر گذارا۔ ہمارا اکثر حصہ اپنے گھر میں بسر ہوتا ہے۔ بستر پر بسر ہوتا ہے۔ تجارت میں بسر ہوتا ہے۔ دکانوں میں بسر ہوتا ہے لیکن وہ مجاہد انسان اپنی زندگی کا اکثر حصہ، نصف سے زیادہ حصہ، اگر ان کی عمر 60 سال تھی تو تیس سال برابر اس طرح گذرے کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہے۔ زمین پر قدم رکھنے کا موقعہ بھی نہ مل سکا۔ تو اتنا اولوالعزم بادشاہ، بڑے سلطنت کا مالک اور صالح انسان وہ ایاز پر مہربان ہو گیا۔ ایاز کیا تھا؟ اس کی حقیقت کیا تھی؟ وہ آپ نے کتابوں میں پڑھی ہوگی اور علماء سے سنی ہوگی۔ یہ عاجز ایک واقعہ عرض کرتا ہے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً اس کو بیان کیا ہے یا کسی اور بزرگ نے کہ وہ ایاز پر بے حد مہربان تھا۔ جتنے بھی امرائے سلطنت تھے وہ اس سے جلتے تھے، حسد کرتے تھے کہ یہ شکل کا بھی سادہ ہے۔ علم تو اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ یہ تو وہ شخص ہے جو جنگل میں بکریاں چراتا تھا، اونٹوں کو ہانکتا تھا۔ آج

ہم سے بھی برتر ہے۔ بادشاہ اس کے مشورے کو اس کی بات کو بڑے غور سے سنتا ہے اور زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیونکر ہے۔ انہوں نے طرح طرح کی باتیں سوچنا شروع کر دیں۔ یہ بات بھی انہوں نے اٹھائی کہ یہ درحقیقت دنیا کا طالب ہے' پیسے کا طالب ہے اور بہت سارا خزانہ اس نے چھپایا ہوا ہے۔ بادشاہ تک انہوں یہ بات پہنچائی کہ بہت سارا خزانہ اس نے چھپایا ہوا ہے۔ ایک خلوت خانہ بنایا ہوا ہے جس میں اس نے ہیرے' جواہر' لعل' یاقوت جو موقعہ ملتے اس نے خزانے سے لے لیے ہیں' وہاں جمع کر رکھے ہیں۔ جب سب لوگ سو جاتے ہیں' رات کو ہم نے اس کی جاسوسی کی ہے' اس کو دیکھا ہے کہ وہ اس خلوت خانہ میں چلا جاتا ہے۔ ان ہیروں کو دیکھتا ہے۔ ان پیسوں کو گنتا ہے۔ اور وہ بڑی خوشی اور مسرت محسوس کرتا ہے۔ محمود نے اس بات پر کوئی غور نہیں کیا۔ ان کا غصہ اور بھی بڑھا۔ انہوں نے اور بھی زیادہ مرچ مصالحہ لگا کر وہ بات بیان کی۔ محمود نے ان کو کہا کہ اچھا اگر اس کا کوئی خزانہ محفوظ ہے تو میں آپ کو اجازت دیتا ہوں آپ چلے جائیں۔ اس کا دروازہ توڑیں۔ جو کچھ بھی وہاں موجود ہو یہاں لے آئیں۔ وہ بڑے خوش ہوئے اور وہ فوراً وہاں سے نکلے کہ ابھی وہ ایاز کا جو راز ہے' فاش کرتے ہیں اور بادشاہ کا جو اعتماد ہے وہ مجروح ہو جائیگا اور پھر اس پر نظر کرم نہیں کرے گا۔ اپنے پاس نہیں بٹھائے گا۔ ہم اس کے مقرب بن جائیں گے۔ وہ دوڑے دوڑے اس کے گھر تک' اس خلوت خانہ تک پہنچے۔ دروازے کو توڑا اندر داخل ہو گئے کہ وہاں بڑے بڑے ہیروں کے ڈھیر ہونگے' سونا چاندی ہو گا' روپے اور پیسے ہونگے لیکن وہاں دیکھا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ بالکل خالی۔ ایک کونے میں گئے' دوسرے کونے میں گئے' تیسرے کونے میں گئے' چوتھے کونے میں گئے لیکن کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی صندوق سی نظر آئی جو بالکل خستہ حال تھی۔ جس کا ڈھکن بھی کھلا ہوا تھا اور وہ بند بھی نہیں تھی۔ اس میں جھانکا تو پھٹا پرانا ایک چوغا یا جس کو پیراہن کہیں یا کوئی

معمولی سا نام دے دیں جس سے انسان اپنا بدن ڈھانپ سکتا ہے۔ وہ پھٹا پرانا پڑا ہوا تھا۔ ایک نہایت ہی کم قیمت اور انتہائی حقیر سی جوتی پھٹی ہوئی وہاں پڑی تھی۔ ایک عصا وہاں پڑا ہوا تھا۔ وہ سب یہ چیزیں بادشاہ کے سامنے شرمندہ شرمندہ لے کر آئے، وہ صندوق لائے۔ کیا کرتے۔ تو انہوں کہا کہ ہم تو بڑے شرمندہ ہوئے ہیں وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف یہ چیز پڑی ہوئی تھی۔ محمود نے ایاز کو بلایا۔ بتاؤ اے ایاز تو نے کیا وہاں چھپا کے رکھا ہے؟ ایاز نے کہا کہ میں اس حقیقت کو کبھی بھی عیاں نہیں کرتا لیکن جب یہ آپ کے سامنے بات آ چکی ہے تو میں عرض کر دیتا ہوں۔ میں اپنی حقیقت کو سب لوگوں سے چھپا کر اندر رکھ چکا تھا چونکہ آپ کے احسانات، آپ کے انعامات اتنے بڑھ چکے تھے کہ لوگ سمجھتے تھے کہ ایاز تو بادشاہ کا بڑا ہی معتبر ہے۔ اس پر تو بادشاہ نے احسانات کیے ہیں لیکن میں اپنے نفس کو ہمیشہ حقیقت دکھاتا تھا کہ بادشاہ نے تیرے اوپر کرم نوازی کی ہے۔ تجھے اعزاز دیا ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے لیکن ایاز تیری حقیقت تو یہ ہے کہ تو ایک معمولی سا چرواہا ہے جو جنگل میں بکریوں کو چراتا تھا۔ اگر تو نے ان احسانات کی قدر شناسی کی اور شکر ادا کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات کو مانا تو پھر یہ تیرے لیے فائدہ مند ہیں اور اگر تو نے ناشکری کی اور ان انعامات پر اپنے اندر تو نے تکبر پیدا کیا، فخر پیدا کیا اور اپنے آپ کو تو نے اس سے بڑھ کر سمجھا جو تیری حقیقت ہے تو پھر یقین جان کہ تجھے پھر وہی کام ہی کرنا ہوگا جو پہلے کیا کرتا تھا کہ جنگل میں بکریوں کو یا اونٹوں کو چراتا تھا۔ تو میں اپنے نفس کو یہ حقیقت دکھاتا رہتا تھا۔ تو میرے دوستو عزیزو یہ ان لوگوں کا احسان ہے، یہ ان کا انعام ہے جنہوں نے مجھ جیسے حقیر آدمی کو نیچے سے اٹھا کر اوپر بٹھا دیا اور اس لائق بنا دیا۔ تو اس ایاز کے واقعے میں میرے لیے اور تمہارے لیے ایک بہت ہی بڑا درس ہے۔ آج کوئی بڑا تاجر بن چکا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ تو ایسا ہی تھا۔ اب اس کی پیچھے نظر نہیں ہے کہ پہلے وہ کیسا تھا؟ اس کی نظر آگے

ہے۔کوئی بڑا سیاستدان بن چکا ہے اور سینکڑوں لوگ اس کے پیچھے ہیں تو وہ بھی سمجھتا ہے کہ میں تو اس لائق تھا بلکہ میں اس سے بھی بڑھ کر ہوں لیکن افسوس لوگوں میں میری کچھ قدر نہیں ہے۔اسی طرح ہر ایک شخص کو دیکھا جائے تو اپنے نفس کے اس حربے میں مبتلا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بالکل بھلا دیتا ہے اور وہ ناشکرے پن کا مظاہرہ کرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے میں تو جس لائق ہوں وہ تو مجھے ملا ہی نہیں۔ مجھے تو اس سے بھی زیادہ ملنا چاہیے۔ پھر نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔کس طرح محروم ہوتا ہے کہ دولت کے انبار ہیں، عمدہ لباس ہے، عمدہ سواری ہے، عمدہ گھر ہے لیکن کچھ برکت نہیں۔ کچھ سکون نہیں۔ کچھ اطمینان نہیں۔ گھر میں جا کر دیکھو تو ہر شخص دوسرے سے بیزار ہے۔جس سے بات کرو تو کاٹنے کو دوڑتا ہے لڑنے کو آتا ہے۔وہاں سینکڑوں کے تعداد میں طعام موجود ہیں لیکن کھانے والا کہتا ہے کہ مجھے یہ بھی نہیں پسند، مجھے وہ بھی نہیں پسند، مجھے فلاں چیز بھی پسند نہیں ہے۔ یہ سب عرش کی طرف سے عذاب کی صورت ہے کیونکہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ جب تم دنیا میں غور کرو تو اپنے سے کمتر کو دیکھو تا کہ تمہارے اندر شکر کا مادہ پیدا ہو اور جب دین کے معاملے میں غور فکر کرو تو اپنے سے زیادہ نیک، صالح اور پرہیز گار انسان کو دیکھو تا کہ زیادہ عمل کا جذبہ بیدار ہو۔اور ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔دین کے معاملے میں تو ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص جو جھوٹ بولتا ہے تو میں کیوں نہ بولوں۔فلاں شخص جو نماز نہیں پڑھتا تو میں کیوں پڑھوں۔فلاں شخص جہنم کے کنوئیں میں گرتا ہے تو میں کیوں نہ گروں۔تو اس وجہ سے جس شخص کو دیکھو حرص وہوس میں انتہا کر چکا ہے۔وہ اتنا تو حریص بن چکا ہے جس طرح کہ مفسرین نے فرمایا ایک کوئی جانور ہے وہ سارا دن کھاتا ہے۔اتنا تو کھاتا ہے کہ جنگلوں کے جنگل ختم کر دیتا ہے۔ جب شام ہوتی ہے تو رونا شروع کر دیتا ہے۔کل کیا کھاؤں گا؟ اور ساری رات اس فکر میں رہتا

ہے۔ جب صبح کو بیدار ہوتا ہے تو وہ جنگل جو اس نے ہڑپ کیا تھا خدا کے حکم سے دوبارہ سرسبز وشاداب ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو کھانا شروع کر دیتا ہے۔ تھکتا نہیں۔ شام ہو جاتی ہے پھر رونا شروع کر دیتا ہے کل میں کیا کھاؤں گا؟ حالانکہ سالہا سال سے وہ دیکھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی مجھے بھوکا نہیں رکھا۔ مجھے دے رہا ہے۔ تو ہم انسانوں کا اس جانور جیسا حال ہو چکا ہے۔ سارا دن خدا کی نعمتیں ہیں' احسانات ہیں' مہربانیاں ہیں جن کا کچھ شمار نہیں لیکن جب رات ہوتی ہے اور سرہانے پر ہمارا سر آتا ہے تو اللہ یاد نہیں آتا اور اس کا شکر ادا کرنا یاد نہیں آتا۔ اپنے گناہ یاد نہیں آتے۔ اپنی برائیاں اور بے حیائیاں یاد نہیں آتیں۔ ہمیں یہ یاد آتا ہے کہ کل ہمیں کھانے میں کیا ملنا چاہیے اور پہننے کے لیے کیا ہو اور رہنے کے لیے کیسا ہو۔ ایک روپیہ تو ہے لیکن یہ تو بہت تھوڑا ہے' مجھے اور بھی چاہیے۔ ایک لاکھ روپیہ تو ہے لیکن یہ بھی قلیل ہے' ایک کروڑ روپیہ ہے لیکن یہ بھی تھوڑا ہے مجھے تو اور بھی زیادہ چاہیے۔ تو اس قدر انسان کی عقل ماری جاتی ہے کہ وہ کھانے پینے کے فکر میں پریشاں و سرگرداں رہتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ تیرا شان اور شرف تو بہت بلند ہے۔ جب ایک ادنیٰ سا رینگنے والا کیڑا جو زمین پہ رینگتا ہے اس کی روزی کا ذمہ میں نے لے رکھا ہے' جب میں اس کو رزق پہنچاتا ہوں تو تو تو میرا اپنا ہے۔ تو تو میرا نائب اور خلیفہ ہے۔ میں تجھے کیسے محروم رکھ سکتا ہوں؟۔

دوستاں را کجا کنی محروم

تو کہ با دشمناں نظر داری

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کیسے محروم رکھ سکتا ہے اپنے رزق سے' اپنی رحمت سے' اپنی مغفرت سے' اپنے انعاموں سے کیسے محروم رکھ سکتا ہے۔ جب کہ وہ کافروں پر بھی مہربان ہے۔ جو اس کی ذات کے دشمن ہیں۔ اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ وہ بتوں کے سامنے

سجدہ ریز ہونے والے ہیں۔ جب ان کو بھی عطا فرما دیتا ہے تو ایمان والوں کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے لیکن ہماری دل اندھی ہو چکی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ پر ہمارا بھروسہ رہا ہی نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے بل بوتے پر کھاتے ہیں اور اپنے بل بوتے پر زندہ رہتے ہیں لیکن یاد رکھو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ایک لمحے کے لیے اگر مفقود ہو جائے تو ہم زندگی کا ایک سیکنڈ بھی بسر نہیں کر سکتے۔ یہ ہوا چل رہی ہے۔ یہ کس کی نعمت ہے؟ کیا تو اس کو اپنے بل بوتے پر کر سکتا ہے؟ ایک سیکنڈ کے لیے اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو جائے اس ہوا کو کہ تم زمین کے حصے سے گم ہو جاؤ یا ختم ہو جاؤ یا دور ہو جاؤ۔ آپ ذرا سوچ کے بتائیں کیا ایک جانور بھی زمین پر زندہ رہ سکتا ہے؟ اور پھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے اتنی اعلیٰ نعمت کو ہمارے لیے آسان کر دیا' مہیا کر دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا روپیہ اور پیسا سب سے بڑا ہے۔ اس کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ خوب گنتے ہیں' اس کو چھپاتے ہیں' بینکوں میں رکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ ہماری بڑی دولت ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ جس ہوا میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ کتنی بڑی قیمتی ہے۔ اس کی قدر کیوں نہیں ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں عطا فرمائی ہے۔ اگر اس کی قیمت وصول کی جاتی کہ اے انسان تم اس کی قیمت دے دو پھر میں تجھے ہوا مہیا کروں گا تو کیا ہم اس کی قیمت ادا کر سکتے؟ اتنی لازوال نعمت اور پھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے بندوبست فرما دیا۔ بازاروں میں چلے جاؤ تو یہ ہوا تیرے لیے وہاں بھی موجود ہے۔ تم بازاروں سے باہر جنگلوں میں چلے جاؤ تو یہ ہوا تیرے لیے وہاں بھی موجود ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ یہ نعمت تمہارے لیے وہاں بھی موجود ہے۔ کمرے کے اندر چلے جاؤ تو یہ نعمت تمہارے لیے وہاں بھی موجود ہے۔ اتنا اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ بندوبست فرما دیا ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ان نعمتوں پر ہماری نظر نہیں جاتی۔ حالانکہ بیشمار نعمتیں ہیں۔ تو یہ ایک بہت بڑا طویل مضمون ہے جیسے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوا

نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْهَا

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو کبھی بھی نہیں گن سکتے۔ یہ تو بے پایاں ہیں' بے حدوحساب ہیں' بے شمار ہیں لیکن ہم گنتے تو نہیں بلکہ مانتے ہی نہیں۔ گننے کی قوت تو ہے ہی نہیں۔ گن تو نہیں سکتے لیکن ہم اس کو مانتے بھی نہیں۔ اگر اللہ کی نعمتوں کو ماننے والے ہوتے تو کبھی بھی ایک دوسرے کے حق غضب نہیں کرتے۔ کبھی بھی ایک دوسرے کا خون نہیں بہاتے۔ کبھی ہم جھوٹ نہ بولتے۔ کبھی ہم خیانت نہ کرتے۔ یہ اس لیے ہمارے اندر برائیاں ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر ادائی نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ ہمارے عقل کا کیا دھرا ہے۔ یہ ہماری سوچ ہے۔ یہ ہماری فکر ہے۔ اس وجہ سے ہم اتنے بڑے آدمی ہو چکے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ تو یہ بھروسہ ہمارا اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں رہا

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کا روپیہ اس کے لیے کافی نہیں ہو جاتا۔ لاکھ' کروڑ' ارب اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ اس کی دولت' زمین' جائداد' دکان' یہ سیاست' تجارت اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر ان پر بھروسہ کرے گا کہ یہ میرے لیے کافی ہو جائیں گے تو زندگی بھر خاک پھانکتا رہے' محنتیں کرتا رہے' کبھی بھی اس میں اپنے لیے کفایت نہیں پائیگا بلکہ پریشانی در پریشانی' مصیبت در مصیبت چلی آتی رہے گی۔ اگر وہ اللہ پر بھروسہ کرے گا اور اس کی ذات پر متوجہ ہو جائے گا تو تھوڑا بھی اس کے پاس ہی ہو تو اس کے لیے کافی ہے۔ بہت کافی ہے۔ جس طرح کہ مولانا شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں کہ

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذل درویشاں کند نیم دیگر

اللہ کے نیک بندے کو ایک روٹی مل جائے تو آدھی خود کھائیگا اور الحمد اللہ کہہ کر آدھی کسی اور کو دے دے گا۔

ہفت اقلیم بگیرد بادشاہ
ہم چناں در بند اقلیم دیگر

اور دوسری طرف دنیاداروں کی سوچ کیا ہے؟ اگر کسی بادشاہ کو سات حکومتیں مل جائیں، سات ولایتیں مل جائیں تو بھی اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ وہ کسی اور ولایت کے اور ملک کے فکر میں ہوگا کہ اس کو بھی اپنے قبضے میں لوں اس کو بھی ہتھیالوں۔ تو میرے دوستو جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان کے لیے تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے بلکہ بہت سارا ہو جاتا ہے۔ میرے آقا ومولیٰ آنحضرت ﷺ کے ان معجزوں کو آپ نے سنا ہوگا۔ جب آپ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا گیا۔ ایک صحابی رسول فرماتے ہیں کہ میں گلی میں بیٹھا ہوا تھا، بھوک سے نڈھال تھا۔ آنحضرت ﷺ وہاں سے گذرے اور مجھ سے میرا حال دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرا حال تو یہ ہے کہ اتنے دنوں سے بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ فکر نہیں چلے آؤ۔ اپنے گھر میں چلے گئے اور دریافت فرمایا کہ کچھ موجود ہے؟ کہا گیا کہ ایک پیالہ دودھ کا ملا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چلے جاؤ اور جتنے بھی صحابہ ہیں ان کو لے آؤ، مسجد نبوی میں جتنے صحابی موجود ہیں ان کو لے آؤ۔ غالباً وہ صحابی ابو ہریرہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں بڑا پریشان ہوا کہ ایک دودھ کا پیالہ ہے جس میں آدھا کلو یا ایک پاؤ دودھ ہوگا۔ وہ تو میرے لیے ناکافی ہے اور حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ اتنے سارے لوگوں کو لے آؤ۔ میرے آقا ومولیٰ آنحضرت ﷺ کی یہ سخاوتیں دیکھو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میرے حبیب کی زندگی، اللہ کے رسول کی زندگی آپ کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہم اس کو اختیار بھی نہیں کرتے۔ ہمارے

اندر وہ احساس پیدا بھی نہیں ہوتا جو ہمارے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کا اخلاق ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ خود بھی بھوکے ہیں، آپ ﷺ کو بھی ضرورت ہے لیکن اپنی ضرورت پر اپنے احباب کی ضرورت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ کیا یہ وصف ہمارے اندر ہے؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو جب تم گھر میں سالن پکاؤ تو اس میں زیادہ پانی ڈالو اسکو کشادہ کرو تا کہ اس میں سے کچھ حصہ اپنے پڑوسی کو بھی دے سکو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم پیٹ بھر کر سو جاتے ہو۔ اپنے پیٹ کو بھرتے ہو لیکن اپنے پڑوسیوں کا خیال نہیں کرتے۔ وہ بھوکے سو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم تمہارا ایمان کامل نہیں۔ یہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کا اخلاق حسنہ تھا۔ کیا آپ کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کرام کا سردار بنایا۔ کیا آپ ﷺ کا مقام ہے کہ معراج پر بلایا۔ اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ کیا آپ ﷺ کا مقام ہے کہ جمیع انسانوں کا سردار اور انبیاء کا سردار اور نبی بنا کر کے بھیجا۔ انسان جنات بلکہ جتنی بھی زمین پہ مخلوقات ہیں آپ ﷺ سب کے لیے رحمت بن کر آئے لیکن انکساری اور تواضح تو دیکھو۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان بھی جا کر دروازے پر پکارتا تھا، آپ ﷺ کا نام لے کر پکارتا تھا تو آپ ﷺ لبیک لبیک کہتے ہوئے باہر تشریف لے آتے۔ ہماری طرح ہوں یا ہاں یا اس طرح کے الفاظ نہیں فرماتے تھے۔ لبیک لبیک کہتے دروازے پر پہنچ جاتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ لبیک کی معنیٰ کیا ہے؟ لبیک کی معنیٰ ہے میں حاضر ہوں، میں تیرے لیے حاضر ہوں۔ کیا ہمارے اندر یہ اخلاق پایا جاتا ہے؟ اتنا آپ کا اعلیٰ اخلاق۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اے میرے پیارے حبیب میں تجھے شہنشاہ نبی بناؤں یا میں تجھے عبد نبی بناؤں۔ شہنشاہ نبی جسطرح سلیمان نبی علیہ السلام کو بنایا گیا کہ پوری دنیا کی حکومت دی گئی حتیٰ کہ جو ہوا تھی وہ بھی آپ کے حکم کی تابع تھی۔ جنات، دیو، پریاں یہ سب آپ کے حکم کے تابع تھے۔ آپ کا جو تخت تھا وہ ہوا پہ

چلتا تھا۔اور کہا گیا ہے سالوں کی مسافت وہ مہینوں میں طے کرتے تھے بلکہ مہینوں کی مسافت ہفتوں میں، ہفتوں کی مسافت دنوں میں طے ہوجاتی۔اتنالمباسفر جو چند ساعت میں طے ہوجاتا تھا۔یہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی تو چاہے میں تجھ کو عطا کردوں۔آپ نے شہنشاہیت پر عبدیت کو فوقیت دی۔یارب العالمین تو مجھے اپنی عبدیت میں بلند مقام عطا فرمادے۔شہنشاہیت کا میں طالب نہیں ہوں۔اس چیز کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔مجھے تو عبدیت کا بلند ترین مقام عطا فرمادےاور یہ عبدیت کا بلند ترین مقام تھا کہ جو کسی نبی کومہیانہیں ہوسکا۔آپ کی مسکینوں سے' غریبوں سے وہ محبت تھی کہ آپ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے

اَللّٰھم احیینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔

اے میرے مولا مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا۔کیا آپ کی محبت ہے مسکینوں کے ساتھ کہ اپنے آپ کو مسکینوں کے ساتھ ملاتے ہیں۔حالانکہ یہ بھی فرماسکتے تھے کہ مسکینوں کو میرے ساتھ رکھنالیکن عجز وانکساری کا عجب اظہار تو دیکھو۔فرماتے ہیں کہ مجھے مسکینوں کے ساتھ رکھنا۔یہ بھی اعزاز آپ ﷺ نے مسکینوں کو عطا فرمادیا' غریبوں کو عطا فرمادیا۔امیروں کو عطانہیں فرمایا۔مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ اور مسکینوں کے ساتھ میرے اوپر وفات آئے اور قیامت کے دن جب میں اٹھوں تو مجھے مسکینوں کی جماعت میں سے رکھنا کہ ان کے ساتھ میں اٹھوں وہ میرے ساتھ ہوں۔میں ان کے ساتھ رہوں۔تو یہ کتنا بڑا اعزاز وکرام ہے۔آج ہم نادان لوگوں نے مسکینوں کو ایک گالی بنادیا ہے۔بھئی کہتے ہیں کہ خدا کسی کو مسکین نہ بنادے اور اللہ تعالیٰ کا حبیب فرماتا ہے مجھے مسکین بنادے۔تو اس سے بڑھ کر ان مسکینوں کے لیے اعزاز کیا ہوسکتا ہے۔تو آپ نے یہی تمنا کی کہ یارب العالمین مجھے عبدیت

میں بلند ترین مقام عطا فرما۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ۔ اگر ہم چاہتے تو سلیمان علیٰ نبینا علیہ السلام سے بھی بڑی حکومت اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرما دیتا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ہم دعا کرتے تو یہ جو پہاڑ ہیں وہ سونے اور چاندی کے بن کر ہمارے ساتھ چلتے لیکن آپ نے فرمایا کہ ہمیں اس چیز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب۔

دنیا کی مثال مردار کی طرح ہے اور اس کی محبت میں جو اندھے ہونے والے لوگ ہیں، اس کی محبت میں سود کھانے والے، اس کی محبت میں رشوت کھانے والے، اس کی محبت میں کسی اور کا حق غصب کرنے والے وہ کتوں کی طرح ہے۔

تو میرے دوستو عزیزو آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ بیان کر رہا تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں آپ ایک مرتبہ مسجد قبا کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں، دراز گوش پر سوار ہیں۔ اپنی سواری پہ چلے جا رہے ہیں میں بھی راستے میں مل جاتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں اے ابو ہریرہ کیا قبا کی طرف تو بھی چلے گا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد میری آنکھوں پر، آپ کی ہم نشینی مہیا ہو، آپ کا میں ہم سفر بن جاؤں تو اس سے بڑھ کر میرے لیے کیا انعام ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سواری پر چڑھ۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایسے ہی آپ کے ساتھ پیدل چلتا ہوں تو آپ کے دیدار سے مشرف رہوں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں تمہیں ہمارے ساتھ سوار ہونا پڑے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جست لگائی تا کہ میں سواری پر چڑھ سکوں لیکن میں ناکام رہا۔

آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ہاتھ آگے کیا آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مجھے اوپر بٹھانے کی کوشش کی لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سواری سے نیچے آ گئے۔ دوبارہ آپ سواری پر سوار ہوئے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہمیں

تکلیف ہوئی ہے' اب ہم ٹھیک ہیں' چلے جاتے ہیں۔ دوبارہ آپ نے فرمایا کہ اب دوسری مرتبہ چڑھو۔ میں نے دوبارہ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا تاکہ مجھے چڑھائیں لیکن دوبارہ آپ پھر نیچے آ گئے۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا لیکن پھر بھی آپ اس سے پریشان نہیں ہوئے اور پھر بھی آپ نے فرمایا کہ تم اوپر آ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو تین مرتبہ زحمت دی ہے' تین مرتبہ میں نے اللہ کے نبی کو تکلیف دی ہے۔ اس سے زیادہ میں اللہ کے نبی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ آپ نے فرمایا اچھا تمہاری مرضی۔ کیا ان کی انکساری اور عجز کا عالم ہے۔ دیکھیں کہ ایک امتی ہے' ایک خادم ہے' ایک غلام ہے اس کو بھی اتنا بڑا اعزاز دے دیتے ہیں۔ تو میرے دوستو وہی اخلاق حمیدہ آج ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے اگر ہم کوئی مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

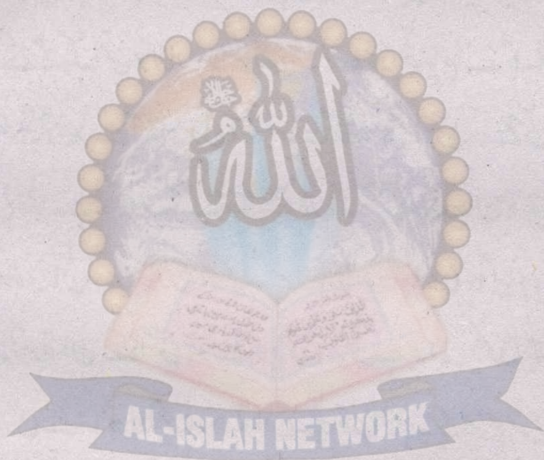
تو میں روایت عرض کر رہا تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی طرف تشریف لے گئے۔ جتنے بھی صحابہ تھے ان کو بتایا اور وہ سب حضور کے بلاوے پر چلے آئے اور سارا جو آپ کا گھر مبارک تھا وہ صحابہ سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ دائیں طرف سے اس کی ابتدا کرو۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہو گیا لیکن میرے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ ابو ہریرہ تجھے تو ایک گھونٹ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اتنے سارے لوگ آ چکے ہیں اب اس کو پئیں گے ان میں سے پہلا ہی اس کو ختم کر لے گا۔ دوسرے کو نہیں ملے گا۔ جو یہاں اسی نوے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اب یہ سارے پئیں گے پھر تیری باری آئے گی یہ تو بڑا مشکل ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے شخص کے سامنے پیالا رکھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پیالا پکڑا اور پینا شروع کر دیا پیتا ہی چلا گیا۔ ایک بار پیا' دوسری بار پیا' تیسری بار پیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اور بھی پیو''۔ اس نے پھر کوشش کی حتیٰ کہ اس کا پیٹ بھر گیا اور مزید اس کے اندر

گنجائش ہی نہیں رہی ۔ میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پیالے میں جتنا دودھ تھا اتنا ہی موجود ہے۔ کچھ بھی کم نہیں ہوا ۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سے لے کر دوسرے کو دو۔ میں نے پھر دوسرے کو دے دیا۔ اس نے پیا اور حضور ﷺ نے بار بار اصرار کر کے اس کو پلایا حتیٰ کہ وہ بھی خوب سیر ہو گیا لیکن میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ دودھ تو اتنا ہی موجود ہے۔ کچھ کمی ہی نہیں ہوئی۔ اس طرح تیسرے کو پھر چوتھے کو۔ جتنے بھی صحابہ موجود تھے۔ سب نے سیر ہو کر پیا حتیٰ کہ کوئی بھی ان میں سے بھوکا نہیں رہا۔ سب اچھی طرح سیر ہو گئے۔ میں نے پھر دیکھا پیالے میں اتنا ہی دودھ موجود ہے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''ابو ہریرہ اب تم بھی پی لو''۔ میں نے بھی اس کو ہاتھوں میں لیا اور حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق میں نے اس کو پینا شروع کر دیا۔ میں نے بھی اچھی طرح پیا۔ اس کے بعد آپ نے بسم اللہ کر کے دودھ کو نوش فرمایا۔ آپ نے جب استعمال فرمایا تب جا کر وہ دودھ ختم ہوا۔ تو میرے عزیز و دوستو یہ آنحضرت ﷺ کی سخاوت تھی ۔اس لیے آپ فرماتے ہیں جب کوئی تمہارے یہاں آئے تو اس سے پریشان نہ ہو جاؤ۔ تم یقین کر لو مہمان اپنے ساتھ اپنا رزق لاتا ہے بلکہ تمہارے لیے بھی برکت لاتا ہے۔ تمہارے لیے بھی اللہ کی رحمتیں لاتا ہے۔ تو یہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کا اخلاق حسنہ تھا۔ یہ آج ہم اپنے اندر پیدا کریں۔ وہ خشیت الٰہی، وہ خوف خدا، وہ آپ کا راتوں کو جاگنا، اللہ کے خوف سے رات رات بھر رونا، آپ کے آنکھوں سے آنسو کا جاری رہنا، آپکے قدموں کا سوج جانا، ورم کر جانا، صحابہ کا عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ﷺ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز سے منزہ اور پاک اور صاف بنا دیا ہے اسکے بعد اتنی تکلیفیں کیوں فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس رب نے اتنا مجھ پر انعام فرمایا، جس نے مجھے اتنے اکرام سے نوازا، اتنے اعزاز سے نوازا جو کسی نبی کو نہیں ملا کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں ۔اور آج ہم اتنی

نعمتیں کھاتے ہیں یہ توفیق نہیں ہے کہ آج ہم اللہ کے فرض نماز کو ادا کریں۔ افسوس ہے ہمارے اوپر۔ کیا منہ لے کر جاؤ گے اللہ کی بارگاہ میں۔ قیامت کے دن کس منہ سے جاؤ گے حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے۔ آپ ﷺ ساری رات عبادت کرتے رہے' سارا دن خدا کے ذکر فکر اور عبادت میں بسر کریں اور تو ان کے امتی ہونے کا دعویدار' دو منٹ کے لیے تجھے مسجد میں آنا نصیب نہیں ہے کہ خدا کے فرض کو ادا کر سکے۔ جب کہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جو نماز کا تارک ہے' نماز کا چھوڑنے والا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مؤمنین کے ساتھ نہیں اٹھایا جائے گا بلکہ اس کو کفار اور مشرکین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ تو یاد رکھو اگر تو نماز کا تارک ہے تو درحقیقت تو میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے امتی ہونے کی دعویٰ میں جھوٹا ہے اور تو اپنی دعویٰ میں غلط ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا تو آپ فرماتے ہیں وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ جو ایمان سے خارج ہو گیا وہ آپ کا امتی کیسے رہ سکتا ہے؟ اس لیے اگر تو ان کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' تو اس دعویٰ میں سچا ہے تو اللہ کے فرائض کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہ۔ تو اس لیے آج ہم یہ پکا عزم کریں اور ارادہ کریں کہ نماز میں کبھی بھی سستی نہیں کریں گے اور یہ بھی ہم یقین کرلیں کہ اس دنیا کو کبھی بھی بھروسے کے لائق نہیں سمجھیں گے اور یہی سمجھیں گے کہ یہ مسافر خانہ ہے' چند روز ہے اور ہمیں آگے جانا ہے۔ ہر وقت موت کو یاد رکھیں گے کیونکہ جو موت کو یاد رکھے گا وہ دنیا سے دل نہیں لگائے گا۔ وہ اللہ سے دل لگائے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ دنیا چند دن کے لیے ہے اور آخرت ابدی دائمی ہے اور ہمیشہ وہاں رہنا ہے۔ اسکو زیادہ فکر آخرت کا ہوگا۔ دنیا کا کام کریگا لیکن دنیا کی محبت اس کے دل میں نہیں ہوگی۔ محبت اللہ کی ذات سے ہوگی۔ اگر غفلت آچکی ہے تو اس کا علاج اللہ کا ذکر ہے۔ اس لیے ذکر خوب کریں اور آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ' اسوہ حسنہ پر عمل پیرا

ہو جائیں۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہونگے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔



تزکیہ نفس

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

صدق اللہ العظیم

معزز سامعین! مختصر وقت کے لیے یہ ناچیز حاضر خدمت ہے دوستوں کے فرمان اوران کے ارشاد کے مطابق۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے ذکر کی طرف مائل کرے اور جو باتیں ہوں وہ دل کی باتیں ہوں، محبت کی باتیں ہوں، مواخات کی باتیں ہوں اور وہ دل سے سنی جائیں اوران پر دل سے عمل کیا جائے۔ کیونکہ آج ہم شکم پروری، نفس پرستی، خواہشات میں پھنسے ہوئے ہیں، پیٹ پوجا میں مشغول ہیں۔ ہمیں یاد ہے تو صرف اپنا پیٹ یاد

ہے، اپنا نفس یاد ہے، اپنی خواہشات یاد ہیں۔ ہمارے افعال سے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جیسے انسان صرف اپنے پیٹ پوجا کے لیے ہی پیدا ہوا ہے۔ جو ہمارا کردار ہے، جو ہماری رفتار ہے، جو ہمارے انداز ہیں، جو ہمارے اطوار ہیں۔ یہی کچھ ظاہر کر رہے ہیں، وہ یہی بتا رہے ہیں۔ اگر انسان کی سوچ یہ بن جائے، فکر اس کا یہ ہو جائے اور دن رات اسی فکر میں سرگرداں ہو، زندگی کے قیمتی دن، قیمتی ہفتے، سال اور ماہ اسی میں بسر ہوتے چلے جائیں، گذرتے چلے جائیں، بیس سال، تیس سال، چالیس سال، ساٹھ سال اور بس یہی فکر ہو کہ مجھے آج کیا کھانا ہے۔ آج تو مجھے چٹ پٹا کھانا چاہیے۔ لذیذ طعام چاہیے۔ مزیدار کھانا چاہیے۔ آج میرا نفس چاہتا ہے فلاں چیز کھاؤں۔ آج میرا نفس چاہتا ہے کہ آج میں مزیدار طعام فلاں ہوٹل میں کھاؤں۔ گھر میں کونسا کھانا پکا ہے اور اسی فکر میں ہی ہمارے صبح و شام گذرتے رہتے ہیں۔ یا مجھے کیسا لباس پہننا چاہیے، کیا فیشن ہو، کیسا انداز ہو، کیسا اطوار ہو، گھر کیسا ہونا چاہیے۔ بلڈنگ ایسی ہونی چاہیے۔ اگر انہی خیالات میں ہماری زندگی بسر ہوتی چلی جائے تو یہ انسانیت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ یہ انداز و اطوار تو حیوانوں کے ہوتے ہیں، جانوروں کے ہوتے ہیں کہ ہر وقت ان کو پیٹ پوجا کی فکر ہوتی ہے۔ بھینس اور گائے کو دیکھیں تو اس کو یہی فکر ہوتی ہے کہ کسی ایسی جگہ تک ہم پہنچ پائیں جہاں گھاس ملے، پیٹ بھرنے کی جگہ ملے۔ وہ کسی مدرسے یا کالج کا رخ نہیں کرتے۔ پرندے اڑتے ہیں تو ان کو بھی بس یہی فکر ہوتا ہے کہ دانا دنکا وہ چگ لیں، اپنے دن کی خوراک حاصل کر لیں اور شام کو اپنے گھونسلے کی طرف نکلتے ہیں جہاں اپنی رات بسر کر سکیں۔ اگر انسان تمہارا حال بھی یہی ہو کہ دن گذرے اپنے پیٹ پوجا میں اور رات کو آپ کو ٹھکانا چاہیے جہاں ہم اپنی رات بسر کر سکیں۔ پہننے کے لیے کپڑے چاہییں کیونکہ پرندوں اور درندوں کو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے لباس دے دیا ہے۔ تو پھر یقیناً اپنے آپ کو حیوان سمجھنا ہوگا۔ انسانیت کی معراج تو بہت ہی اعلیٰ

اور افضل ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا بھی ہے بہت اعلیٰ اور افضل۔ بہت ہی حسین بنایا ہے۔جیسا کہ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صورت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے۔کتنا بڑا اعزاز ہے، کتنا بڑا اکرام، کتنا بڑا شان، کتنا بڑا شرف لیکن انسان کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہے۔اور پھر مزید اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری شکل کو میں نے حسین بنایا ہے، تمہاری آنکھوں کو میں نے حسین بنایا ہے، تمہارے ہاتھوں کو میں نے حسین بنایا ہے، تمہارے ہونٹوں کو میں نے حسین بنایا ہے، جسم کے ایک ایک حصے کو میں نے ٹھیک ٹھاک بنایا ہے اور پھر خدا تعالیٰ اس سے آگے بہت اور سی بھی بلندیوں سے نوازنا چاہتا ہے۔اس سے آگے اور بھی اعلیٰ مقام عطا فرمانا چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں خیر سے بھی واقف کر دیا، تجھے شر سے بھی واقف کر دیا ہے اور پھر میں نے تجھے اختیار بھی دے دیا ہے جس راستے کو تو چاہے اختیار کر لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ

گندم سے گندم بر آید جو از جو   مکافات عمل غافل مشو

اے انسان! تجھے جاننا چاہیے اگر تو گندم کا دانا زمین میں ڈالے گا تو گندم ہی کاٹے گا۔اگر جو کا دانا ڈالے گا تو جو ہی کاٹے گا۔یہ کبھی بھی نہ سوچنا کہ تم ڈالو جو کا دانا اور کاٹو گندم کا دانا۔یہ نہیں ہوسکتا۔اس طرح زندگی بسر کرو شر میں زندگی بسر کرو بدی میں زندگی بسر کرو نفس کی غلامی میں، خواہشات کے پیچھے اور پھر امید لگائے بیٹھے ہو کہ مجھے جنت بھی ملے اور پھر امید بھی لگائے بیٹھے ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اعزاز بھی فرمائے گا۔میں ولی بن جاؤں گا۔میں اللہ کا مکرم بھی بن جاؤں گا۔

از مکافات عمل غافل مشو

اس مکافات عمل سے تجھے غافل نہیں ہونا چاہیے۔جیسا تو کرے گا ویسا ہی

تو کاٹے گا۔ تجھے سب کچھ بتا دیا ہے، تجھے عقل سلیم عطا فرمایا، سمجھ سے نوازا، تجھے علم سے نوازا، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیں ہیں اور تجھ پر گراں ذمیداری بھی ڈال دی ہے کہ تو میرا نائب اور خلیفہ ہے۔ ایسے ویسے تو مت سمجھ کہ میں اپنی مرضی سے چلوں گا، اپنی مرضی سے کھاؤں گا اور اپنی مرضی سے رہوں گا۔ یہ تجھے نہیں سوچنا چاہیے بلکہ تجھے یہ علم ہونا چاہیے کہ تو انسان اللہ بارک وتعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا

قسم ہے اس نفس کی اور جس نے اس کو ٹھیک بنایا، درست طریقے سے بنایا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا

پس الہام کر دیا بدی کے بارے میں بھی اور اچھائی کے بارے میں بھی۔ یہ باتیں اس کو بتا دیں اور پھر قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا

اے انسان! تو یہ بدی بھی تجھے معلوم ہوگئی اور تجھے خیر بھی معلوم ہو گیا لیکن کامیاب تب ہو گا جب اپنے اندر کو پاک کرے گا۔ اور یہ بات تجھے معلوم ہونی چاہیے کیونکہ تو کامیاب ہونا چاہتا ہے، جیتنا چاہتا ہے۔ انسان کے اندر جیت کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ ولولہ ہوتا ہے۔ جس میدان میں وہ قدم رکھتا ہے چاہتا ہے کہ میں جیت جاؤں۔ کوئی کاروبار میں ہے وہ کہتا ہے کہ میں سب سے آگے آگے رہوں، سب سے بازی لے جاؤں، سب سے زیادہ میں دولت سمیٹ لوں، سب سے زیادہ منافع کما لوں۔ اگر وہ سیاست کے میدان میں ہے وہ اتنا ہی زور لگاتا ہے کہ سب سے جو بڑی اعلیٰ کرسی ہے اس پر میں فائز ہو جاؤں۔ اگر کسی ملازمت ہے، کسی محکمے میں ہے تو اس کی نظر ہوتی ہے کہ اور آگے بڑھتا چلا جاؤں اور آگے بڑھتا چلا جاؤں۔ صرف آگے نہ بڑھتا چلا جاؤں بلکہ جو میرے اوپر ہیں، انسان کی یہ فطرت بن چکی ہے کہ جو میرے اوپر ہیں ان کی ٹانگ پکڑ کر ان کو گراتا بھی چلا جاؤں تا کہ وہ سب نیچے چلے جائیں میں

اوپر چلا جاؤں۔ یہ انسان کا حرص ہوتا ہے جو اس کو انتہائی پستیوں میں گرا دیتا ہے۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑا نوازا ہے اس کے خلاف دل میں حسرت پیدا ہوگئی یہ اس کو کیوں ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ سندھ کے ایک مشہور بزرگ کا واقعہ ہے اور اس میں بڑا سبق ہے۔ وہ واقعہ وتایو فقیر کے بارے میں ہے۔ جب عید کا چاند نظر آیا تو سب لوگ خوشیاں منا رہے تھے۔ وتایو فقیر درویش وہ بھی خوش ہو رہا تھا۔ جب سب لوگ دعا مانگ رہے تھے تو وتایو فقیر بھی دعا مانگ رہا تھا۔ درحقیقت ہم دعا زبان سے کچھ مانگتے ہیں مگر دل میں ہماری خواہشات کچھ اور ہوتی ہیں۔ زبان تو کہتی ہے ''اے اللہ مجھے نیک بنا دے' یا اللہ مجھے متقی بنا دے' یا اللہ مجھے نمازی بنا دے'' لیکن دل کا آواز اس میں شامل نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو آواز میں اثر پیدا نہیں ہوتا۔ دعا کو قبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے زبان کے الفاظوں کو نہیں دیکھ رہا ہوتا وہ تمہارے دل کو دیکھتا ہے۔ ابھی تک بڑی دیر ہے زبان کے آواز کے ساتھ دل کے آواز کے ملنے میں۔ بڑی دیر ہے۔ جب تک دل کا آواز نہیں ملے گا اس وقت قبولیت کیسے ملے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم واموالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم ونیاتکم۔

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا' اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے مال وملکیت کو نہیں دیکھتا' ان اعمال کے حجم کو اور ان کے طوالت کو' ان کی وسعت کو نہیں دیکھتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ دعا ہم زبان سے کچھ مانگتے رہتے ہیں لیکن دل کی آواز اس میں شامل نہیں ہوتی۔ دل ہمارا وہاں موجود ہوتا ہی نہیں۔ جس طرح حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں مکہ میں موجود تھا اور طوافِ بیت اللہ کر رہا تھا۔ ایک شخص کو میں نے دیکھا' وہ بھی طواف کرتے ہوئے'

آگے بڑھتے ہوئے۔ اس نے غلاف کعبہ کو ہاتھوں میں لیا اور کہنے لگا یارب یارب یارب۔ فرمایا جب ہم نے اپنی نظر باطن سے اس کے قلب کو دیکھا، اس کی دل کو دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اس کا دل وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ اس کا دل پیچھے مال مویشی میں، گھر میں، کاروبار میں پھنسا ہوا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یارب العالمین کیسا عجب اسرار ہے کہ کوئی تیرے گھر کے اتنے قریب پہنچ کر بھی زیادہ دور ہے، بہت زیادہ دور ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں یہ حسرت ہمارے دل میں تھی۔ چلتے چلتے ہم منیٰ کے بازاروں میں جا کر پہنچے۔ ایک نوجوان کو دیکھا وہ خرید و فروخت میں مشغول ہے۔ مال خرید رہا ہے اور پیسے دے رہا ہے۔ کاروبار کر رہا ہے۔ حساب لکھ رہا ہے۔ پچاس ہزار درہم یا چالیس ہزار درہم کا اس نے وہاں ایک جگہ پر سودا کیا۔ فرمایا جب ہم نے اس کے دل کو دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی اتنا بڑا کاروبار کرتے ہوئے وہ بھی منیٰ کے بازار میں، لوگ تو وہاں پر ارکان حج ادا کرتے ہوتے ہیں اور یہ کاروبار کر رہا تھا لیکن جب ہم نے اس کے دل کو دیکھا تو ہم حیران ہو گئے کہ اس کا دل ایک لمحے کے لیے بھی اپنے رب کے ذکر سے غافل نہیں ہوا۔ اس کی یاد میں شاغل تھا۔ یہ بلندی ہے، یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو انسان کو جب عطا ہو جاتا ہے تو انسان حقیقی امیر بن جاتا ہے۔ حقیقی غنی بن جاتا ہے۔ شاید آپ سمجھتے ہوں جس کے پاس دولت کے انبار ہوں، جس کے پاس بے شمار خزانے ہوں، جس کے پاس بہت ساری گاڑیاں ہوں، جسکا عالیشان بنگلہ ہو، جس کا عمدہ لباس ہو وہ امیر ہوتا ہے۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس طرح امیری نہیں ملتی۔ آپ اس کے ساتھ رہ کر دیکھیں، آپ اس کی باتیں سن کر دیکھیں، اس کے حالات کو معلوم کر کے دیکھیں۔ جب اس کی صحیح صورت حال تمہارے سامنے آئے گی تو تمہیں حیرت ہو گی کہ میں جس کو بڑا امیر سمجھتا تھا اس کی اپنی حالت کیا ہے۔ کیونکہ انسان کا بلند ترین مقام تو اخلاق سے بنتا ہے اور پھر اس کے تعلق مع اللہ سے بنتا ہے۔ دنیا کی

فراوانی سے تو نہیں بنتا۔ جتنے بھی مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں ان کا بنیادی سبق کیا تھا؟ وہ کیوں دنیا میں آئے؟ کیوں ان کی ترویج ہوئی؟ کیوں ان کی ترقی ہوئی؟ ان کا ایک واحد مقصد تھا۔ وہی مقصد مذہب اسلام کا ہے کہ انسان کے اخلاق کو بلند تر کیا جائے۔ یہودیوں کے مذہب کو تو پڑھکر دیکھو، عیسائیوں کے مذہب کو تو پڑھ کر دیکھو یا دیگر مذاہب جتنے بھی ہیں۔ بنیادی نقطہ یہی تھا کہ انسان کے اخلاق کو بہترین بنایا جائے۔ یہی وہ تعلیم تھی، یہی وہ تربیت تھی جو آقائے نامدار آنحضرت ﷺ مکے میں بھی دیتے تھے، طائف میں دیتے تھے اور مدینے میں بھی دیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو کہ مکے سے دور رہا کرتے تھے جب انہوں نے آقا کا نام سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا "جاؤ صورتحال کا جائزہ لو نبوت کا کوئی دعویدار پیدا ہوا ہے اور بڑا شور شرابہ اٹھا ہے اور لوگ اس کی موافقت میں ہیں بہت سارے اس کے مخالفت میں ہیں، جاؤ صحیح صورت حال معلوم کر کے مجھے بتاؤ پھر ہم فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا چاہیے"۔ جب اس کا بھائی گیا تو کتنے ہی دن وہاں پہ رہا۔ صحابہ کو دیکھتا رہا۔ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی صحبت میں بیٹھتا رہا۔ ان کی تعلیمات کو سنتا رہا۔ ان کے کردار اور عمل کا جائزہ لیتا رہا۔ جب واپس اپنے بھائی کے پاس آیا تو اس نے دو لفظوں میں ساری باتیں بتا دیں۔ لمبی چوڑی تقریر نہیں کی جس طرح ہماری عادت بن چکی ہے کہ بہت لمبی بات کرتے ہیں لیکن آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کا کلام جامع اور مختصر ہوا کرتا تھا جس میں سب مفہوم آ جاتے تھے۔ تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بھائی واپس آیا تھا اس نے بات ہی مختصر کی "بھائی میں نے اس کو دیکھا وہ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، وہ اخلاق کو بہتر بنانے کی تعلیم دیتا ہے"۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ان دو باتوں پر اتنا تو اطمینان ہوا کہ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جمیع مذاہب، جتنے بھی آئے وہ اسی لیے تو آئے ہیں

کہ انسان کے اخلاق و کردار کو بہتر بنائیں بلکہ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے احادیث مبارکہ میں جو اپنے بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے وہ بھی یہی ہے۔ موطا امام مالک کی روایت ہے کہ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کہ میں آیا ہی اس لیے ہوں کہ اخلاق انسانی کو اعلیٰ معیار پر پہنچادوں۔ اخلاق کو بہت بلند تر کردوں، بہتر کردوں۔ میری آمد ہی اسی لیے ہے۔ صحابہ بھی اس بات کو سمجھ چکے تھے۔ کیونکہ وہ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ان کی تعلیمات کو سنتے تھے۔ وہ بھی جان چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا محور کیا ہے۔ مقصد کیا ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ یہاں بیٹھ کر اٹھیں گے اور کسی سے پوچھیں گے کہ بات کیا ہوئی تو جواب میں کہا جائے گا کہ تقریریں بڑی اچھی کی گئیں۔ بھئی وہاں پر تم نے سنا کیا؟ مگر شاید ہی کوئی بیان کر سکے کہ میں نے کیا سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک پہاڑ کا بروہی تھا وہ آیا تھا مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے۔ سردیاں جب ہوتی ہیں تو وہ پہاڑی بیچارے اتر کر سندھ میں چلے آتے ہیں کیونکہ وہاں برف باری ہوتی ہے۔ ان کے مال مویشی کے لیے وہاں گھاس نہیں ہوتا تو وہ سندھ میں اتر آتے ہیں۔ ایسے ہی ایک بروہی صاحب آگئے۔ چند مہینوں کے لیے اس نے مدرسے میں داخلہ لے لیا' وہ بیچارہ ان پڑھ تھا۔ اس نے کبھی مدرسہ کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ حضرت شیخ سعدی کی کتاب ہے کریما۔ جس میں بڑی اعلیٰ نصیحت' قناعت کا بیان ہے۔ صبر شکر کا بیان ہے۔ تصوف کا بیان ہے گویا کہ مغز انہوں نے بیان کردیا ہے۔ فارسی میں وہ کتاب ہے۔ وہ بروہی پڑھتا رہا پڑھتا رہا۔ دو تین مہینوں میں بڑے زور دے کر اس نے کتاب مکمل کی۔ جب وہ جانے لگا تو استاد نے پوچھا کریما تو نے سمجھ لی ہوگی؟ بالکل سمجھ گیا ہوں سائیں لیکن ایک بات میری سمجھ میں

نہیں آئی؟ استاد نے پوچھا وہ کیا بات تجھے سمجھ میں نہیں آئی؟ سائیں یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ کریما مذکر ہے یا مؤنث؟ تو ہمارا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ جب تقریریں سن کر اٹھتے ہیں تو وہ باتیں ہمارے دماغ سے غائب ہو جاتی ہیں۔ اتنی محنت ہوئی، اتنی مشقت ہوئی، اتنی تقریریں ہوئیں بھئی جب تک ان باتوں کو دل میں نہیں بساؤ گے، جب تک ان پر غور و فکر نہیں کرو گے تو فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

تو جو پہلی بات آپ کو عرض کی گئی وہ آپ کے ذہن میں یقیناً ہو گی اور آپ نے دل سے متوجہ ہو کر یہ باتیں سننے کی کوشش کی ہوگی تو آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے والے صحابہ بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کو سمجھ چکے تھے۔ جب پہلی ہجرت ہوئی تھی حبش کی طرف اور ایک بہت بڑا قافلہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا کفار کے مظالم سے، ان کی تکالیف سے پناہ لینے کے لیے حبش کی طرف چلا گیا تھا اور تبلیغ کے فرض سے پہنچا تھا۔ تو حبش کے بادشاہ نجاشی نے جب ان کا استقبال کیا اور ان سے آپ ﷺ کی تعلیمات کے متعلق پوچھا تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم بتاؤ ان کی تعلیم کیا ہے؟ انہوں نے کہا اے بادشاہ! ہمارا پہلے یہ حال تھا کہ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، چوری کیا کرتے تھے، زنا کرنا ہماری عادت تھی، قتل کرنا ہمارا شیوہ تھا، پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، ماں باپ کی بے ادبی کرتے تھے اور یہ سب برائیاں ہمارے اندر موجود تھیں۔ جب آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ تم قتل نہ کرو، زنا نہ کرو، سود نہ کھاؤ، شراب مت پیؤ۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ تم پڑوسیوں کو مت ستاؤ بلکہ ان کے تمہارے اوپر حقوق ہیں۔ ان کے حقوق کو ادا کرو۔ اپنے ماں باپ کے حقوق کو ادا کرو۔ جب یہ باتیں نجاشی بادشاہ کے سامنے بتائیں گئیں تو نجاشی بادشاہ بالکل مطمئن ہوگیا۔ اس نے کہا

برحق یہ باتیں پیغمبر کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ تو میرے دوستو! وہ اخلاق جو بنیادی ایک نقطہ ہے مذہب کا اور اسی کی وجہ سے انسان بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور وہ اخلاق آج ہمارے اندر مفقود ہو چکا ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ دعا کچھ کرتے ہیں دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ لوگ خوش ہو رہے تھے تو وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ بھئی آج نماز پڑھیں گے' آج مقبولیت کا دن ہے اس لیے وہ دعائیں کر رہے تھے۔ لیکن جو لوگوں کے دلوں میں تھا وہ وتایو فقیر برملا سب کے سامنے بیان کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم پتا نہیں کیا دعا کر رہے ہو میری بھی ایک دعا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا دعا ہے؟ اس نے کہا میری تو دعا ہے کہ چاند تو نظر آ گیا ہے ماشاء اللہ۔ آج رات اللہ کرے کہ سب لوگ جتنے بھی ہیں وہ سب سویاں پکائیں' جب سب گھروں میں سویوں کی دیگچیاں پک جائیں' تیار ہو جائیں تو اللہ کرے سب لوگ مر جائیں۔۔ پھر وتایو فقیر ہو اور اس کی ماں ہو' ہم دونوں وہاں سے اٹھا اٹھا کر ساری دیگچیاں اپنے گھر میں جمع کر لیں۔ جب سب سویاں گھر میں آ جائیں گی پھر وتایو فقیر کی دعا ہے کہ اللہ کرے وتایو فقیر کی ماں بھی مر جائے پھر وتایو فقیر ہو اور سویوں کی دیگچیاں ہوں اور کوئی نہ ہو۔ تو دوستو انسان جب دنیا کی محبت میں پھنس جاتا ہے' جب دنیا کے حرص میں پھنس جاتا ہے' یقیناً اس کا حال وتایو فقیر نے بیان کر دیا کہ جو دنیا میں پھنستا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ اس کا کبھی بھی پیٹ نہیں بھرتا اور بھی زیادہ چاہتا ہے اور بھی زیادہ۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے احکام کی پیروی نہ کرنے والے' اکڑ کر چلنے والے' تکبر کرنے والے' نبیوں سے مقابلہ کرنے' والے ان کے فرمان کو ٹھکرانے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ جہنم میں پھینکے جائیں گے' وہ کوئی دس نہیں ہونگے یا دس بیس لاکھ نہیں ہونگے یا دس کروڑ نہیں ہونگے وہ لاتعداد' کثیر تعداد میں' اتنے سارے لوگوں کو

جب جہنم میں پھینکا جائیگا تو لوگ سمجھیں گے کہ اب تو جہنم میں گنجائش ہی نہیں ہوگی۔ اتنے سارے لوگ گئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم پوچھیں گے اے جہنم کیا تو بھر گیا ہے؟ وہ جواب دے گا ''یارب العالمین مجھے اور بھی چاہییں''۔ تو وہ جہنم کی طرح اس دنیادار کا پیٹ بن جاتا ہے۔ وہ جہنم کی طرح کبھی بھی بھرتا نہیں۔ اسکو اور بھی چاہیے اسکو اور بھی چاہیے۔ دولت چاہیے، ہر طرح کی چیزیں چاہییں، پھر بھی یہ چیختا رہتا ہے۔ چیختا رہتا ہے۔ جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی گئی اس کی حالت خستہ ہوتی گئی پھر یہ حال ہوتا ہے جب مرنے کا وقت آتا ہے تو بھی اس کو دنیا کی یاد ہوتی ہے۔ تو ایسی حالت میں جب انسان بن جائے تو کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا منہ اٹھائے گا۔ کس طرح اس کی پیشی ہوگی۔ کیا یہ دھن اور دولت اس کو آخرت کے عذاب سے بچا سکے گا؟ قبر کے عذاب سے بچا سکے گا؟ جب کسی کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ناکام و نامراد بن جائے گا اس وقت کوئی آ کر کہے کہ یارب العالمین یہ تو ہمارے علاقے کا سیٹھ تھا۔ یارب العالمین یہ تو ہمارے علاقے کا کونسلر تھا۔ یارب العالمین یہ تو منسٹر تھا۔ یارب العالمین یہ تو چیف منسٹر تھا۔ یہ پرائم منسٹر تھا۔ یہ صدر تھا۔ کیا اس طرح کی گواہی دینے سے اس کو معافی مل جائے گی کہ بھئی منسٹر تھا اس کو رعایت کرو۔ جس طرح کہ آج ہمارا حال ہوتا ہے کہ منسٹر صاحب راستے پر نکلیں سڑکیں بند ہو جاتی ہیں، ان کو بہت بڑے اعلیٰ انداز میں رخصت کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن یہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اس دن مہربانیاں خاص ہونگی متقی لوگوں کے ساتھ، جو خدا کے دوست ہیں۔ جنہوں نے خدا کا ذکر کیا۔ جنہوں نے اللہ کو راضی کیا۔ وہ چاہے غریب ہوں، مفلس ہوں، مسکین ہوں۔ جن کو دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ جن کے نام تک سے کوئی واقف نہیں ہے۔ لیکن وہ بڑے اعزاز اور بڑے احترام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائے جائیں گے۔ وہ اعزاز و اکرام ایسا ہوگا کہ دنیا کے جو V.I.P لوگ ہیں۔ ان کے اعزاز و کرام ان کے

سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے۔ جب وہ خدا کی بارگاہ سے انعامات کی جھولیاں بھر بھر کر لوٹیں گے ان کے چہرے پھول کی طرح نکھر چکے ہونگے۔ ان کے چہروں پر خوشی عیاں ہوگی اور وہ جب واپس اپنے اہل کی طرف آئیں گے تو وہ سب ان کو مبارکیں دیں گے کہ بھئی تم کامیاب ہوگئے۔ ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی کا نشان ہی نہیں۔ جنت میں وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونگے' اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مشرف ہونگے۔ اور جن لوگوں نے دنیا میں فسق و فجر کی زندگی بسر کی' نفس پرستی کی' اللہ کی حدود کو توڑا' نماز کی پابندی نہیں کی' زکوات ادا نہیں کی' رمضان مبارک کے روزے نہیں رکھے اور غریبوں کا حق' جو ان کے ملکیت میں تھا اس کو ادا نہیں کیا۔ جو ان کی ضروریات سے زائد مال تھا اس کو بھی جمع کر کے رکھا' اس کو بھی اپنے اکاؤنٹ میں بند کر کے رکھا' اس کو غریبوں میں خرچ نہیں کیا' ضرورتمندوں کو نہیں دیا' ماں باپ پر خرچ نہیں کیا' خود اچھے کپڑے پہنے ماں باپ کو اچھے کپڑے لے کر نہیں دیئے' ان کے علاج معالجے کی طرف توجہ نہیں دی یا اپنی بیوی اور بچوں کی ضروریات کا خیال نہیں رکھا۔ ایسے لوگ یقیناً آخرت میں سخت شرمسار ہونگے۔ افسوس اور ندامت کا شکار ہونگے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ظالم لوگ اس افسوس اور ندامت کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو چبانا شروع کر دیں گے کہ میں نے یہ کیا کیا۔ جتنی دولت اکٹھی کی تھی وہ آج ہمیں کام نہیں آئی۔ وہ تو کوئی اور لے گیا۔ یہ ہم نے کیا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ انگلیوں کو چباتے ہوئے ہاتھ کو چبائیں گے' کلائی کو چبائیں گے' اپنی کہنی تک پورے ہاتھ کو ختم کر دیں گے ان کو احساس تک نہیں ہوگا کہ ہم نے یہ کیا کیا۔ تو میرے دوستو! پھر جب ان کی اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو پہلے ہی ان کو اپنی حالت کا علم ہوگا۔ وہ پریشان ہونگے پھر جب نامہ اعمال وہاں ان کو سب لوگوں کے سامنے کھول کر دیے جائیں گے اس نے یہ بھی کیا' اس نے یہ بھی کیا سب باتیں بیان کی جائیں گی۔ شرم کی

وجہ سے ان کے سر جھک جائیں گے۔ اور پھر نامہ اعمال ان کے پیٹھ کے پیچھے بائیں ہاتھ میں دے جائیں گے پھر جب واپس لوٹیں گے اپنے دوستوں کی طرف' اپنے اہل کی طرف' سخت شرمندہ ہونگے۔ ان کو معلوم ہوگا کہ ہمارا ٹھکانہ اب جہنم ہے۔ تو اس لیے میرے دوستو! اس دن شرمندگی سے بچنا چاہتے ہو تو آج نفس پرستی کو چھوڑ دو۔ اپنے نفس کو اعلیٰ اخلاق سے مزین کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کو قسم ہے اس نفس کی اور اس کی جس نے اس کو ٹھیک بنایا اور پھر اس کو بدی اور نیکی کی تعلیم بھی دے دی اور پھر کامیاب وہ ہوگا جس نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا

جس نے اپنے نفس کو پاک بنایا۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے محبوب کی دنیا میں آمد اسی لیے ہوئی تھی کہ یزکیہ کہ آپ اپنی نگاہ کرم سے' محبت سے' اخلاق سے' پیار سے' نصیحت سے' واعظ سے ان کے قلوب اور نفوس کا تزکیہ فرمائیں۔ تزکیہ ایک عربی کا لفظ ہے۔ جب کوئی چیز خراب ہو جائے' گندی ہو جائے' میلی ہو جائے اور پھر اس کو اچھی طرح جھاڑ کر صاف کر دیا جائے یا اس کو دھولیا جائے تا کہ اس کی جتنی بھی گندگی' غلاظت تھی وہ دور ہو جائے' وہ اپنی اصلی حالت میں آجائے تو اسکو تزکیہ کہتے ہیں۔ کیونکہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب اس کی تخلیق ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معصوم صورت اور معصوم انداز میں تخلیق کیا تھا پھر اس نے غلط لوگوں کی صحبت اختیار کی اور غلط انداز میں اس کے حالات ہو گئے۔ تو آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پہنچنے کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ کرم سے ان کی ساری غلاظتیں' ان کے نفس کی خرابیاں اور ان کی سب خباثتیں دور کر دیں۔ جو قاتل تھے' جو زانی تھے' جو شرابی تھے' جو لڑنے والے تھے' جو لوگوں کے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔ وہ لوگوں کے عزتوں کے محافظ بن گئے اور لوگوں کے رہبر و رہنما بن گئے

بلکہ پوری دنیا کے رہبر ورہنما بن گئے اور آج تک زمانہ ان کی نظیر نہیں لاسکتا۔تو آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے یہ کام کیا اور یہ کام آپ کے صحابہ نے آپ کے حکم سے جاری رکھا اور یہ تاقیامت کام جاری رہے گا' چلتا رہیگا۔تو ہمیں بھی ضرورت ہے اس تزکیہ کی' وہ نور' وہ فیض جو آقائے نامدار آنحضرت ﷺ تقسیم کیا کرتے تھے' جو اولیاء اللہ کے سینے میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوا ہے۔ان کی صحبت میں جانے سے' ان کی محبت دل میں رکھنے سے' ان کی باتوں کو سن کر ان پر عمل کرنے سے انسان کے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے۔اور یہ تم پر لازم ہے۔اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ورنہ تو کل قیامت کے دن ہماری اولاد بھی ہم پر فریاد کرے گی یارب العالمین ہمیں تو عذاب دیا جارہا ہے لیکن ہمارے ماں باپ کو دوگنا عذاب دیجیے۔کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیں کبھی نیک صحبت میں لے کر نہیں گئے۔جنہوں نے کبھی ہمیں نیک بات نہیں بتائی' جنہوں نے کبھی ہمیں خدا کے خوف کے بارے میں نہیں بتایا' تقویٰ کے بارے میں نہیں بتایا' یارب العالمین! ہم سے دوگنا عذاب ہمارے ماں باپ کو دیجیے۔تو اس لیے میرے دوستو اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوستوں کی صحبت میں جانا چاہیے۔انشاء اللہ ایسی ہم نشینی اور صحبت سے انسان کے کردار اور عمل میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔اور انسان کی بلندی ہے ہی اسی چیز میں۔جس طرح آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری آمد اس لیے ہوئی ہے کہ اخلاق کو اعلیٰ پیمانہ تک پہنچادوں۔اور جب صحابہ کرام نے وہ صحبت اور معیت اختیار کی' ان کے کردار میں تبدیلی رونما ہوئی۔امام غزالی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں وہ خود بھوکے رہ جاتے تھے' وہ خود پیاسے رہ جاتے تھے' خود تنگ حال ہوا کرتے تھے لیکن ان کے دل میں یہ احساس ہوتا تھا ہمارے بھائی کو تکلیف نہ پہنچے۔جس طرح آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص پہنچا اور اس نے کہا یارسول اللہ میں بھوکا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے تم ہمارے مہمان ہو۔گھر کی طرف

پیغام بھیجا اگر کوئی کھانے کی چیز ہو تو فوراً بھیج دیجیے۔ گھر سے جواب آیا کہ گھر میں کوئی چیز نہیں، کھانے کا کوئی سامان موجود نہیں۔ آقائے نامدار آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کوئی ہے جو ہمارے اس مہمان کی میزبانی کرے، یہ ہمارا مہمان ہے۔ ایک انصاری صحابی کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ شرف مجھے عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے اس کو لے جاؤ۔ جب لے کر گئے اپنے گھر میں اور اپنی بیوی کو بتایا بیوی نے کہا بہت اچھا ہوا تم مہمان کو لے کر آئے لیکن بات یہ ہے کہ کھانا فقط اتنا ہے کہ یا ہمارے بچے کھا سکتے ہیں یا ہم کھا سکتے ہیں۔ اگر بچے اور ہم مل کر کھائیں شاید پھر شکم سیری کسی کو بھی نہ ہو۔ اب بچے بھی جاگ رہے ہیں، وہ بھی بھوکے ہیں، اب کیا کریں۔ اس نے کہا کہ بچوں کو تھوڑا بہت دے کر ان کو کسی طرح سلا دو، جو کھانا بچے گا وہ مہمان کو کھلا دیں گے۔ ہم نہیں کھائیں گے۔ اس نیک بخت عورت نے اپنے شوہر کے فرمان کے مطابق تھوڑا بہت بچوں کو کھلایا، ان کو سلا دیا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا۔ مہمان نے کہا میں ایسے نہیں کھاؤں گا جب تک میزبان میرے ساتھ نہیں کھائیں گے۔ ان دونوں میاں بیوی نے مشورہ کیا ایسی کوئی حکمت اختیار کرنی چاہیے کہ آقا کا مہمان ہے، ان کی طرف سے آیا ہے، یہ شکم سیر ہو جائے۔ اگر ہم نے بھی کھانا کھایا تو پھر اس کی شکم سیری نہیں ہو گی۔ ہم بھوکے رہ جائیں کوئی بات نہیں۔ آپس میں انھوں نے مشورہ کیا کہ کھانا جب شروع کریں گے تو ہاتھ لگا کر جو شمع یا دیا ہے اس کو بجھا دیں گے، اندھیرا ہو جائے گا ہم ایسے ہی ہاتھ آگے بڑھاتے رہیں گے، منہ تک لے جاتے رہیں گے اور منہ کو ایسی ہی چلاتے رہیں گے۔ وہ سمجھے گا یہ کھانا کھا رہے ہیں اور ہم کھائیں گے نہیں ہمارا مہمان کھائے گا۔ یہ صحابہ کو اخلاق کس نے سکھائے۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور درویشان خدا کا یہی طریقہ ہوتا ہے جس طرح کسی شاعر نے فرمایا ہے۔

نیم نانے گر خورد مرد خدا　　　　بذل درویشاں کند نیم دگر

کہ اگر ایک روٹی بھی مل جائے اور وہ درویش' اللہ کا بندہ بھوکا بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ آدھی روٹی کھائے گا اور آدھی اور کسی ضرورت مند کو کھلائیگا۔ اور ہم جیسے دنیا دار کو ملے تو وہ دیکھے گا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ اور اگر کوئی دیکھ رہا ہے تو مجھے کوئی ایسا کونہ تلاش کرنا چاہیے کہ کوئی آ نہ سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی بخیل تھا' وہ شہد کھا رہا تھا۔ اتنے میں کوئی مہمان آ گیا۔ تو جیسے بخیل کی اس پر نظر پڑی اس نے روٹی چھپا دی۔ شہد کو روٹی کے ساتھ کھا رہا تھا' روٹی کو اس نے چھپا دیا' شہد کا پیالا اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے کہا شہد تو ویسے وہ نہیں کھائے گا' روٹی تو میں نے ویسے ہی چھپا دی۔ جب وہ آ گیا اس نے ایسے ہی زبانی اس کو کہا ''شہد کھاؤ گے لیکن صرف شہد ہے روٹی نہیں ہے'' اس نے کہا ''کوئی بات نہیں''۔ اس نے اس سے پیالہ لیا اور صرف شہد کھانے لگا۔ یہ بیچارا جل ہی گیا۔ دیکھتا رہا' دیکھتا رہا شاید اس کو اب چھوڑ دے' شاید اب چھوڑ دے۔ بالآخر اس نے مجبور ہو کر کہا اس کو۔ ''ایک بات سنی ہے'' اس نے کہا کہ ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا ''بات یہ ہے حکیم کہتے ہیں جو ایسے روکھی شہد کھائے گا اس کا دل جل جائے گا'' اس نے کہا ''ہاں دل جل جائے گا لیکن تیرا جلے گا میرا نہیں''۔ تو پھر ایسا ہی ہمارا حال ہوتا ہے۔ انسان کو کوئی چیز مل جاتی ہے تو وہ اس سے خود مستفید ہونا چاہتا ہے۔ کسی اور کو دے نہیں سکتا' بھلے زائد ہو' گھر میں گل سڑ رہی ہو لیکن کسی کو دیگا نہیں۔ یہ درویشوں کا کام نہیں ہے' یہ اولیاء اللہ کا کام نہیں ہوتا' یہ خدا کے دوستوں کا کام نہیں ہوتا۔ جب بھی ان کو ملتا ہے' دیکھتے ہیں کوئی اور بھی ہو' وہ کھائے پھر ہم کھائیں۔ ایسی وسعت آپ کے قلب میں ہونی چاہیے' ایسی محبت آپ کی دل میں ہونی چاہیے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ وہ کھانا تناول فرماتے رہے' ہاتھ ایسے ہی ہلاتے رہے' اس مہمان کو کچھ پتا نہیں چلا۔ صبح کو آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میاں بیوی، ان دونوں صحابہ کے اس فعل کو بہت پسند فرمایا۔ بہت پسند کیا اور ان کے شان میں آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل آیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو تمہارے خدمتگار ہیں، یہ جو تمہارے غلام ہیں، یہ جو تمہارے صحابی ہیں، بڑے ہی دل والے ہیں، بڑی ہی محبت والے ہیں، بڑے ہی اخلاص والے ہیں، بڑے ہی ایثار والے ہیں۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

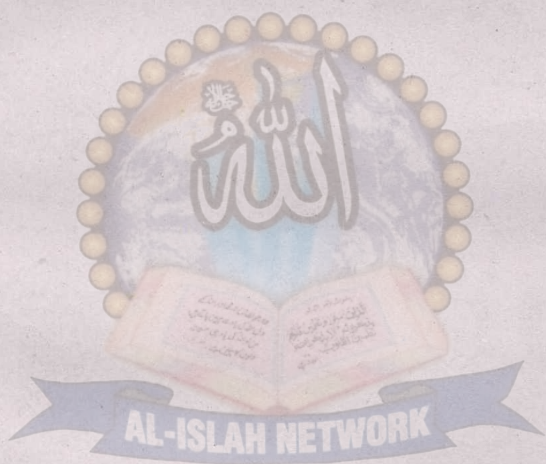
یہ اپنے نفس پر ایثار کرتے ہیں۔ اگر چہ خود بھوکے ہیں اور ضرورتمند ہیں مگر خود نہیں کھاتے، کسی اور کو کھلاتے ہیں۔ تو یہ اخلاق اور کردار اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ملتا ہے۔ تب انسان کے سینے میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ آپ کو بھی یہ گذارش ہے کہ اس طرح سے اپنے دلوں میں لاطمع ہو کر، ایسی محبت رکھتے ہوئے، ایسا خلوص صحابہ والا رکھتے ہوئے آگے بڑھیں جس طرح ہمارے مرشد و مربی کا مشن تھا، ان کا پیغام تھا، انکی تقویٰ تھی۔ حاجی محمد علی بوزدار صاحب بیان کرتے ہیں، جس طرح آپ دوستوں نے سیرت ولی کامل کا بھی مطالعہ کیا ہوگا، پڑھا ہوگا۔ کسی دعوت میں ہمارے حضرت تشریف لے گئے۔ وہاں میزبانوں نے جب کھانا آپ کی خدمت میں پہنچایا تو وہ روٹی گھر میں بھول کر آیا، صرف سالن آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ سالن آپ کے سامنے تھا لیکن زبان سے یہ نہیں کہا کہ روٹی بھی لے آؤ۔ آپ نے تھوڑا بہت جو سالن تھا اس میں سے لیا پھر ڈھانپ کر رکھ دیا۔ خدمتگار لے گیا، وہ برتن مالکوں کے گھر پہنچ گئے، میزبانوں کے گھر میں پہنچ گئے۔ جب انہوں نے چیک کیا وہ سالن تھا، روٹی تو یہاں رہ گئی۔ بڑے شرمندہ ہوئے، خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے اب ہم دوبارہ لے آئیں۔ آپ نے فرمایا الحمد اللہ آپ کی طرف سے ہم نے سیر ہو کر کھایا، مزید کوئی ہمیں ضرورت نہیں۔ آپ بھی اسی طرح لاطمع ہو کر دین کی اور انسانوں کی

خدمت کریں۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ حضور پیر مٹھا کے زمانے میں تبلیغ کے لیے ہم نکلتے تھے تو اس وجہ سے کہ مبادا کہیں بھوک لگے‘ اپنے ساتھ لال مرچ اور نمک رکھتے تھے اور روٹی تھوڑی بہت اپنے ساتھ ہوتی تھی۔ سالن لے جاتے تھے تو وہ خراب ہو جاتا تھا۔ تو جہاں کہیں پہنچتے تھے کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ پانی میں سرخ مرچ اور نمک ڈال دیتے تھے۔ ہمارا شوربہ تیار ہو جاتا اور پھر ہم اس سے روٹی تناول کرتے اور اللہ کا شکر بجالاتے۔ فرماتے کسی سے ہم بستر نہیں طلب کرتے اگر وہ لاتے تو ٹھیک ہے اگر نہیں بھی لاتے تو ہمیں کچھ پرواہ نہیں ہوتی اللہ کا فرش بچھا ہوا ہے۔ فرماتے تھے کہ سردیوں کا موسم ہوتا تھا تو چٹائی میں لپٹ کر سو جاتے۔ تو میرے عزیز دوستو اسی طرح لاطمع ہو کر بندگان خدا نکلتے ہیں۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ صحابہ ایک علاقے میں پہنچے تبلیغ کے غرض سے۔ ان لوگوں کی زبان نہیں جانتے تھے لیکن ان کے دل میں اخلاص تھا‘ لاطمع تھے‘ تقویٰ تھی۔ جب ان کی طرف گئے ان سے کچھ جانور خریدے‘ ایک بکرا خریدا‘ اس کو لے آئے۔ امیر نے بکرا لانے والے سے پوچھا کہ کتنے میں خریدا؟ اس نے کہا دس درہم میں۔ امیر نے دیکھا بھئی اس بکرے کی قیمت دس درہم سے زیادہ ہو گی تم پانچ یا دس درہم مزید دے کر آؤ۔ وہ گیا ان کو دے کر آیا۔ وہ حیران ہو گیا۔ جب اس کو ذبح کر دیا گیا اس کا کافی گوشت تھا‘ اس میں کافی چربی تھی۔ امیر نے کہا اس کی قیمت اور بھی زیادہ ہونی چاہیے‘ ہم یہاں تبلیغ کرنے آئے ہیں‘ لوگوں کو لوٹنے نہیں آئے ہیں۔ تو اس نے مزید دس درہم اس شخص کو بھیجے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور سارے گاؤں والوں کو بتایا کہ ایسے لوگ یہاں باہر ٹھہرے ہوئے ہیں جن کا کردار اور اخلاق اتنا اعلیٰ ہے۔ سب حیران رہ گئے۔ سب مل کر ان کے پاس آئے اور ان کو دیکھا اور بغیر کوئی لفظ سن کر وہ ان کے کردارِ عمل کو دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ایسا اخلاق مبلغین کا ہونا چاہیے۔ لمبی تقریر سے وہ کام نہیں بنتا جو محبت اور پیار سے ہوتا ہے تو مبلغین میں یہ

خاصہ ضرور ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔۔۔۔۔آمین




AL-ISLAH NETWORK

رجوع الی اللہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔

صدق اللہ العظیم۔

یقیناً جس محفل کے قائم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، جس کو قائم کرنے والے بھی اہل ذکر ہوں، اس میں شامل ہونے والے بھی اہل ذکر ہوں، ایسی محفل میں شمولیت ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ ہمارے مشائخ میں سے حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ واقعہ آپ نے سنا ہوگا کہ احباب کی محفل تھی یہ تذکرہ چھڑا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ اس گھڑی میں جو بھی دعا کی جائے اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرما دیتا ہے۔ پھر احباب

سے دریافت فرمانے لگے کہ آپ بتایئے اگر وہ گھڑی آپ کو میسر ہو تو کیا دعا فرمائیں گے؟ ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا' مختلف باتیں عرض کیں' کسی نے کچھ عرض کیا' کسی نے کچھ عرض کیا۔ مثال کے طور پر کسی نے حج کی تمنا کی ہوگی' کسی نے اور طرح کی باتیں بیان کی ہونگی' جنت کی تمنا کی ہوگی لیکن جب سب احباب عرض کر گئے تو انہوں نے عرض کیا یا حضرت آپ بھی بتایئے کہ آپ کیا دعا فرماتے اگر ایسی گھڑی آپ کو میسر ہوتی؟ آپ نے جواب دیا اور یہ وہ حضرت ہیں جو کہ حضرت ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک عاشق رسول اور بہت بڑے عالم گذرے ہیں ان کے پیر ہیں' ہمارے سلسلہ عالیہ کے پیر ہیں۔ وہ فرمانے لگے اے دوستو اگر وہ گھڑی ہمیں میسر ہو جائے تو ہم اور کوئی دعا نہیں کرینگے صرف یہ ہی دعا کرینگے اے میرے رب العالمین ہمیں اپنے دوستوں کی صحبت عطا فرما۔ تو میرے دوستو عزیزو یہ کتنی بڑی تمنائے عظیم ہے اور ہم نے معلوم نہیں یہ تمنا کی ہوگی یا نہ کی ہوگی' ہم نے ایسی دعا مانگی ہوگی یا نہ مانگی ہوگی' ہمارے دل میں ایسا جذبہ ہو یا نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جسے عزت بخشے' جسے دولت بخشے اور جسے اپنی رحمت عطا فرمائے۔ اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ بے پرواہ' بے نیاز اور غنی ہے۔ کتنی اس نے شفقت فرمائی ہم گنہگاروں پر کہ ہمیں ایسی محفل نصیب فرمائی۔

میرے دوستو عزیزو آپ اتنی دور دراز سے تشریف لائے ہیں لیکن آپ کو جانے کی جلدی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایسی محفلیں قسمت سے ملتی ہیں۔ ایسی مجلسیں ہمیشہ نہیں ملا کرتی ہیں۔ ہمارے مرشد مربی آنے والے دوستوں سے اتنی محبت فرماتے تھے' اتنی شفقت فرماتے تھے' اس قدر خوشی کا اظہار فرماتے تھے اس عاجز کو اچھی طرح یاد ہے کہ دربار فقیر پور شریف میں ایک عرس کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا اے دوستو آپ تو بھاگ رہے ہیں' جانے کی تمنا رکھتے ہیں مگر ہم تو کہتے ہیں ایک بہت بڑی زنجیر کی باڑھ بنائیں اس زنجیر کی باڑھ میں آپ

کو بند کر دیں کہ آپ یہاں بیٹھے رہیں اور گھروں کو نہ جاسکیں۔ یہ انکی محبت تھی' یہ ان کا جذبہ تھا' یہ دین کا درد تھا' یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغام رسانی کا شوق تھا' یہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ والہانہ عشق تھا کہ آپ کو ان کی امت کے ساتھ اس قدر محبت تھی۔ اس قدر تعلق تھا کہ وہ اس قدر ہم گنہگاروں کے لیے سوچا کرتے تھے۔ میرے عزیز دوستو اس قدر مہرباں آج تو والد بھی اپنی اولاد پر نہیں ہوتا' اس قدر شفقت تو باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اگر وہ بے فرمانی کرتا ہو تو اسکو اپنے گھر سے نکال دیتا ہے۔ لیکن یہ اولیاء اللہ' جو محبوبان خدا ہیں' جو محبوبان رسول ﷺ ہیں۔ ان کی رحمت' انکی برکت' انکی شفقت اس قدر وسیع ہے کہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو' کتنا ہی سیاہ کار کیوں نہ ہو اس قدر اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جس قدر جس کے زیادہ گناہ ہوتے ہیں اس سے اتنی زیادہ شفقت فرماتے ہیں۔ یہاں پر ایسے ہزار ہا لوگ موجود ہیں۔ ان میں سے ایک ایک سے پوچھیں آپکو سیکڑوں باتیں بتائیگا کہ میرے مرشد مربی کس قدر مہربان ہوتے تھے' کس قدر ان کی شفقت وعنایت ہوتی تھی۔ تو میرے دوستو عزیزو جو آیت کریمہ اس عاجز نے تلاوت کی اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے متوسلین کا تذکرہ فرمایا ہے' اپنے محبوبین کا تذکرہ فرمایا ہے' اپنے عاشقان کو یاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے ساتھ محبت میں بہت زیادہ سخت ہیں'' جس طرح ہمیں دنیا کی محبت ہوتی ہے' اولاد کی محبت ہوتی ہے' جس طرح کفار و مشرکین کو اپنے بتوں سے محبت ہوتی ہے' وہ اصنام کی عبادت میں فنا ہو جاتے ہیں' مشغول ہو جاتے ہیں' تو ان کو کوئی اور چیز یاد نہیں رہتی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو ایمان والے ہیں' جو اخلاص والے ہیں' جو محبت رکھتے ہیں' جو تعلق رکھتے ہیں' جو نسبت رکھتے ہیں' وہ اللہ کے ساتھ محبت میں اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اس محبت میں جان کو بھی قربان کر دیتے ہیں' اس محبت میں اولاد کو بھی قربان کر دیتے ہیں' اس محبت میں وطن کو بھی قربان کر دیتے ہیں' اس

محبت میں جو بھی ان کے پاس ہوتا ہے اس کو قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ان کی تو یہ ہی ایک تمنا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ اس صحابی کا واقعہ آپ نے سنا ہوگا کہ میرے آقا ومولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہے' تلوار یں چلا رہا ہے' تیر برسا رہا ہے' کفار مشرکین کی طرف سے بھی حملے ہو رہے ہیں' اس کو زخم پہنچ رہے ہیں' اس کا سارا جسم زخموں سے چور چور ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ وہ گر جاتا ہے' اب وہ یہ سمجھنا شروع کر دیتا ہے کہ میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے والا ہوں۔ ایسے وقت میں کیا حال ہوتا ہے۔ جناب ڈاکٹر ظفر صاحب نے جو واقعہ ذکر فرمایا وہ کچھ نامکمل تھا' میں اس کو مکمل عرض کر دیتا ہوں۔ میرے مرشد مربی جب سول ہسپتال میں داخل تھے تو ان کے قریب ہی ایک اور مریض داخل تھا۔ اس کے ساتھ اسکے ورثاء بھی رہے ہوئے تھے۔ اسکو سکرات کی حالت طاری ہوگئی بہت سخت اور شدت سے۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے یا کتنے دن گذر گئے۔ اس میں کمی نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے فتویٰ دے دیا بھئی اب اس کا موت قریب ہے۔ اسکے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ درد کی وجہ سے وہ بالکل گول مول ہوتا تھا' اسکے حلق سے اس طرح کی آوازیں نکلتی تھیں جس طرح جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔ سب اس کے قریب رہنے والے لوگ بھی آوازیں سن رہے تھے' میرے حضرت بھی سن رہے تھے۔ آپ کا وہاں پر تین یا دو مرتبہ آپریشن ہوا تھا۔ ایک آپریشن ہوا وہ ناکام ہو گیا۔ خون جاری ہے اور آپ کو یہ تکلیف ہے کہ آپ ہل جل نہیں سکتے تھے۔ بہت سارے احباب آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ڈاکٹروں نے منع کر دیا ہے کہ آپ کو ہلنا جلنا بھی نہیں۔ اس مریض کے ورثاء آتے ہیں' عرض کرتے ہیں کہ اسکو تکلیف ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے ولی آئے ہوئے ہیں۔ عرض کرتے ہیں کہ آپ وہاں تشریف لے چلیں اور اس کے لیے دعا کریں کہ اس کی موت آسان ہو جائے۔ ڈاکٹر مرحوم عبداللطیف صاحب اور بھی بہت سارے حضرات وہاں موجود تھے۔ سب

نے عرض کیا کہ یا حضرتا آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔ ہمارے حضرت میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں انسان تو کیا بلکہ جانوروں پر بھی مہربان تھے۔ یہ اولیاء اللہ کا امتحان ہوتا ہے کیونکہ ان کو مخلوق خداوندی سے محبت ہوتی ہے۔ چاہے وہ اچھا ہو یا برا ہو ہر ایک سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرتا آپ تشریف نہ لے جائیے لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں ہمارے پڑوسی کو تکلیف ہے جو ہمارے پڑوس میں رہا ہوا ہے اس کا ہمارے اوپر حق ہے۔ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر تو خوش گذارے اور تیرا پڑوسی تکلیف میں مبتلا رہے اور تو اسکی تکلیف کو دور کرنے کی سعی نہ کرے تو تیرا ایمان کامل نہیں ہے۔ میرے آقا و مولیٰ کا فرمان ہے کہ پڑوسی کا حق یہ صرف نہیں ہے کہ اس پر ظلم مت کرو بلکہ اس کا حق یہ ہے اس کے ظلم پر صبر کرو۔ اسکے جبر پر صبر کرو۔ اسکے ظلم کو برداشت کرو۔ یہ ایک پڑوسی کا حق ہوتا ہے اور جو آپ کے عاشقان ہوتے ہیں' جو آپ کے ساتھ تعلق اور نسبت رکھتے ہیں ان کا اس فرمان پر عمل ہوتا ہے۔ ہم صرف زبان چلانے والے ہوتے ہیں' عمل والے نہیں ہوتے لیکن جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ صرف زبان نہیں رکھتے ہیں بلکہ عمل بھی رکھتے ہیں۔ وہ بولتے کم ہیں عمل زیادہ کرتے ہیں۔ یہی میرے مرشد مربی کی زندگی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مہربانی فرمائیے۔ آپ دو حضرات کو اپنے ساتھ لے لیتے ہیں اور ان کے سہارے پر آپ وہاں جاتے ہیں۔ جو لوگ وہاں موجود تھے خود دیکھتے ہیں کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ سب لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اب اسکے مرنے کا وقت قریب ہے۔ آپ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسکی صحت کے لیے دعا فرماتے ہیں' اسکی تندرستی کے لیے دعا فرماتے ہیں۔ جب واپس لوٹ آتے ہیں تو سب احباب کہتے ہیں وہ آوازیں بند ہو گئیں۔ ہم نے سوچا کہ اس کا اسی ٹائم انتقال ہو گیا' اس بیچارے کی موت آسان ہو گئی۔ کچھ لمحے گذرے کہ اس کے جو ورثاء تھے وہ

ہنستے ہوئے آئے اور انہوں نے کہا ''اب وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسکو بے ہوشی بھی نہیں ہے وہ ہوش حواس میں ہے''۔ یہ میرے مرشد مربی کی محبت تھی انسانیت کے ساتھ' یہ شفقت تھی۔ ڈاکٹر صاحبان بھی اپنے دل میں درد رکھتے ہیں' وہ بھی فکر رکھتے ہیں' وہ بھی تڑپ رکھتے ہیں لیکن میرے عزیزو انہوں نے ہی جواب دے دیا تھا کہ اب اسکے بچنے کی امید نہیں ہے لیکن جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ کبھی بھی خدا کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہوتے۔

تو میرے عزیز و دوستو جو بھی انسان ہو اس کی روح میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجود رہتی ہے۔ جس طرح کہ فرمایا گیا کہ پیدائش انسانیت کی ترکیب دو چیزوں سے ہے ایک عالم امر سے دوسری عالم خلق سے۔ تو بزرگان دین نے فرمایا' مفسرین نے فرمایا کہ جو انسان ہے وہ ان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ عالم امر سے بھی عالم خلق سے بھی۔ جو عناصر اربع ہیں وہ اس عالم خلق سے لیے گئے ہیں جن عناصر سے جسم بنایا گیا اور اس میں روح داخل کی گئی وہ عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ اس روح میں محبت خداوندی سمائی گئی ہے۔ اس میں عالم امر کی طرف التفات اور توجہ پایا جاتا ہے لیکن یہ جو ہمارا نفس ہے یہ عالم خلق کی پیدائش ہے۔ جو ہمارے عناصر ہیں ان کی پیدائش میں انکا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے۔ اب نفس انسان کو دنیا کی طرف کھینچتا ہے' روح انسان کو اللہ کی طرف کھینچتا ہے۔ بس جس کی جو فطرت ہوتی ہے اس فطرت کی وجہ سے' ان عناصر کی وجہ سے وہ دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ غلط باتوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ تو اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس روح انسانی کے تعاون اور مدد کے لیے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا تا کہ اسکی روح کے اندر وہ قوت پیدا کرے تا کہ اس کے نفس کا تزکیہ کرے' انکے قلوب کا تزکیہ کرے' اس میں وہ قوت پرواز پیدا کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ صرف وہی نہیں بلکہ اس کے باقی عناصر بھی اس کی راہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

صرف روح نہیں بلکہ اس کا قلب، جمیع لطائف اس کا نفس بھی اللہ کی راہ کی طرف متوجہ ہو جائے تا کہ اس کو اپنا اصلی مقام حاصل ہو جائے وہ مقام جس مقام کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان پیدا کیا۔ پیغمبران علیہم السلام کو پیدا کیا خصوصاً اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آنخضرت ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تا کہ ان پر قرآنی آیات تلاوت کرے اور انکو حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ فرمائے۔ تو یہ تزکیہ ہی یہ چیز ہے جو اس کے نفس کی اصلاح کرتی ہے۔ جو اس کے وجود میں گناہ پائے جاتے ہیں، خطائیں پائی جاتی ہیں ان سب چیزوں سے اس کو آزاد بنا کر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ کر دے اور میرے آقا و مولیٰ آنخضرت ﷺ نے یہ کام کر کے دکھایا۔ وہ لوگ جو جانوروں سی زندگی گذارتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے پہلے ناآشنا تھے، جو اپنی خواہشات کو سب کچھ سمجھتے تھے، اپنی خواہشات کی وجہ سے انسان کی جان لینے سے نہ ڈرتے تھے، اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی کے اموال کو غصب کرنے سے نہیں ڈرتے تھے، اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے کسی کی عزت کے ساتھ کھیلنے سے گریز نہیں کرتے، وہ جن کا معاشرہ، جن کی تہذیب، جن کا تمدن سارے عالم میں سب سے گرا ہوا تھا۔ میرے آقا و مولیٰ آنخضرت ﷺ نے ان کو ان بلندیوں پر فائز کر دیا کہ آج تک زمانہ ان جیسا معاشرہ پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ اس کی ادنیٰ سی مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ وہ صحابی اس جنگ میں زخموں سے چور چور ہو جاتا ہے۔ اب وہ سوچتا ہے کہ میری شہادت کا وقت قریب آ چکا ہے۔ اب وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے جو اسکے احباب ہیں وہ سوچ رہے ہیں کہ شاید وہ اپنے احباب کو تلاش کر رہا ہے، شاید اپنے رشتہ داروں کو دیکھ رہا ہے کہ ان سے کچھ بات چیت کر سکے۔ وہ اس سے کہتے ہیں کہ بھائی تیرے رشتہ دار تو ادھر کھڑے ہیں، تیرا بھائی تو ادھر کھڑا ہے۔ وہ کہتا ہے نہیں نہیں مجھے ان کی تلاش نہیں ہے

مجھے اس عظیم رہبر ورہنما کی تلاش ہے' اس اللہ کے محبوب کی تلاش ہے جس نے میرے دل میں وہ تڑپ پیدا کی کہ آج میں تلوار لیکر خدا کی راہ میں نکل کھڑا ہوا اور میں نے جنگ اور جہاد کیا۔ اس محبوب کی مجھے تلاش ہے۔ وہ کہاں ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ یا تو ان کو لے جاتے یا وہ خود گھسٹ گھسٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچتے ہیں۔ آپ ﷺ کے قدم مبارک پہ اپنا سر رکھد یتے ہیں اور اس حالت میں انکا انتقال ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہی کہتے ہیں کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ میں آپ ﷺ کی صحبت میں اس جہاں سے رخصت ہوں۔ جس طرح کہ دنیا میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا اسی طرح عالم آخرت میں بھی آپ کے ساتھ رہوں۔ تو یہ ان کی محبت تھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ۔ جب ہمارے اوپر موت آتی ہے تو تمنا کرتے ہیں کہ میرا بیٹا قریب ہو' میری بیوی میرے قریب ہو۔ میرا بھائی میرے قریب ہو تا کہ میں انکو دیکھ سکوں لیکن جن کی محبت اللہ کے ساتھ تھی ان کی محبت دوسری سب محبتوں سے زیادہ سخت تھی۔ تو ان کی یہ تلاش تھی' انکی یہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کے رسول ﷺ کی قربت میں اس جہاں سے رخصت ہو جائے۔

تو میرے دوستو عزیزو! میں عرض کر رہا تھا کہ یہ محبت خداوندی انسان کے خمیر میں شامل ہے' اس کے روح میں رکھی گئی ہے۔ اب جب وہ دنیا میں آ گیا تو دنیا کی لذت اور اس کی تعیش کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس نے اپنے مقصد کو بھلا دیا۔ تو پیغمبران علیہم السلام اس مقصد کو لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے اور ان لوگوں کے اندر انہوں نے یہ فکر اور تڑپ پیدا کی جو پہلے اپنے خواہشات کے غلام تھے' جو پہلے اپنی تمناؤں کے مرید تھے' جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا تھا' جو سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتے تھے جب ان کا ان میں ذاتی مفاد ہو اور وہ کچھ نہیں کرتے تھے جس میں اپنی بھائی کا مفاد ہو لیکن جب حضور نبی کریم ﷺ کی ان پر نظر کرم

ہوتی ہے تو کس کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور و معروف واقعہ آپ نے سنا ہوگا ایک جنگل سے گذر ہوا تو وہاں کھڑے ہو کر زار و قطار رونا شروع کر دیا، صحابہ نے عرض کیا یا امیر المؤمنین کس چیز نے آپ کو رلایا ہے؟ کیوں آپ یہاں کھڑے ہو گئے ہیں؟ آپ ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں۔ آپ اس وقت امیر المؤمنین ہیں۔ آپ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے بھائیو مجھے کسی چیز نے نہیں رلایا مجھے اس چیز نے رلایا ہے کہ یہ وہی جنگل ہے جہاں عمر اونٹ چرایا کرتا تھا اس سے اونٹ نہیں سنبھالے جاتے تھے۔ آج وہی عمر ہے جب اللہ تعالیٰ کے حبیب آنحضرت ﷺ کی صحبت میں آیا، آپ کی نگاہ کرم نے وہ اثر کیا کہ آج انسانوں کا نگہبان بن گیا۔ میری وہ زندگی جو اونٹ نہیں سنبھالے جاتے تھے اور آج وہ عظمت کہ سب لوگ امیر کہتے ہیں۔ احترام کرتے ہیں، اسکی عزت و توقیر کرتے ہیں اور یہاں سے وہاں تک اس کی خلافت کا چرچہ ہے۔ ہزار ہا لوگ اس سے مستفیض ہوتے ہیں یہ چیز مجھے رلا رہی ہے۔ میں آپ ﷺ کے احسانات و کرم کو یاد کر رہا ہوں کہ آپ کے احسانات و کرم کیا ہیں۔ وہ امیر المؤمنین امیر عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما یا کوئی اور صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ علم کے نو حصے دنیا سے رخصت ہو گئے اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور کی صحبت میں آنے سے پہلے میری یہ کیفیت تھی کہ مجھ سے اونٹ نہیں چرائے جاتے تھے۔ اے میرے دوستو اس نے علم کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اس نے کسی مدرسہ میں نہیں پڑھا۔ جب میرے آقا و مولیٰ کی خدمت میں آئے ان صحابہ کی کافی عمر گذر چکی تھی۔ کسی کی بیس سال، کسی کی تیس سال، کسی کی ساٹھ سال، کسی کی اس بھی اوپر گذر چکی تھی۔ ان کے پڑھنے پڑھانے کا زمانہ تو ختم ہو چکا تھا لیکن ایسے لوگ جنہوں نے کسی مدرسے میں نہیں پڑھا، جنہوں نے کوئی کنز، قدوری

نہیں دیکھا، منطق فلسفہ نہیں سیکھا، مدرسے اور کالج کے شاگرد نہیں رہے، میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں آئے تو ان کو یہ مقام اور مرتبہ حاصل ہوا، یہ علم حاصل ہوا کہ ان کے رخصت ہونے سے علم بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ وہ کونسا علم تھا؟ جس کے طرف وہ صحابی اشارہ فرما رہے ہیں۔ وہ یہ ہی علم تھا جس کا تذکرہ میں نے اس آیت کریمہ میں کیا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔

جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت زیادہ سخت ہیں۔ وہ علم جو امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رخصت ہونے سے رخصت ہو گیا وہ علم اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت والا علم تھا اور یہی علم سب علوم کا مقصد و منبع ہے۔ انسان سب فن حاصل کر لے، سب چیزوں کو سمیٹ لے، سب کتابوں کو پڑھ لے، سب کتابوں کو یاد کر لے لیکن یہ علم اسکے دل میں نہیں ہے، محبت خداوندی اس کے دل میں نہیں ہے، معرفت خداوندی اس کے سینے میں نہیں ہے تعلق مع اللہ اس کو حاصل نہیں ہے۔ تو پورا جاہل ہے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اے میرے دوست وعزیز و اس علم کو حاصل کرنے کے لیے آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اور ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔ یہ وہ ہی سلسلہ ہے، یہ وہی صحابہ کرام والا طریقہ ہے۔

تو میں یہ ہی عرض کر رہا تھا کہ صحابہ میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ آپ تاریخ کو تو پڑھ کر دیکھیں کہ ان کی کیا کیفیات و حالات تھے لیکن میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی نظر کرم سے ان کے اندر کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں۔ میں چند واقعات عرض کر کے اس بیان کو ختم کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے جو ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کس طرح سخت ہیں، کس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں، ہم بھی اپنے کردار اور عمل کا جائزہ لیں کہ ہم کس جگہ پر کھڑے ہیں؟ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ذات

اور میرے محبوب آنحضرت ﷺ کی ذات ہم سے کیا چاہتی ہے؟ بھئی یہاں ہم لیلیٰ چنیسر کے قصے سننے نہیں آئے ہیں۔ یہاں ہم ایک دوسرے سے ملنے ملانے کے لیے صرف نہیں آئے ہیں۔ مقصد کو ذہن میں رکھو۔ مجھے بہت بڑا دکھ ہوتا ہے کہ لوگ جب یہاں آتے ہیں اور پھر یہاں پر نماز ہورہی ہے لوگ وہاں گھوم پھر رہے ہیں۔ میں پھر یہ ہی سوچتا ہوں ان کو جو لائے ہیں انہوں نے شاید مقصد سے انکو واقف نہیں کیا۔ اے میرے دوستو جب اپنے احباب کو لاؤ تو ان کو یہ بات ذہن نشین کرا کے لاؤ کہ وہاں تجھے کیا کرنا ہے اور کیا تجھے ملیگا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان مقاصد کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ تو وہ صحابہ جن کا نام آج خاص اور عام بڑی عزت وتوقیر سے لیتا ہے۔ پتا نہیں ان کے بارے میں ہم کیا تصور رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے حالات وکیفیات کیا تھیں؟ وہ کس طرح زندگی گذارتے تھے؟ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا مشہور ومعروف تابعی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ ان سے کسی نے دریافت کیا یا حضرت آپ نے صحابہ کرام کو دیکھا ذرا بتا دیجیے وہ صحابہ کرام کی کیا کیفیات تھی؟ ان کے کیا حالات تھے تاکہ ہم جان سکیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کا نام سن کر رونے لگے' زاروقطار رونے لگے اس سے فرمایا کہ مجھ سے پوچھنے والے اگر تو جاننا چاہتا ہے کہ صحابہ کرام کس طرح تھے تو تو سن لے' اگر تو انکو دیکھتا تو یہ کہتا یہ صحابہ تو دیوانے ہیں' یہ تو پاگل ہیں' جن کو دنیا کا کوئی ہوش نہیں ہے اور اگر وہ صحابہ کرام آپ کو دیکھ لیتے تو وہ یہ کہتے کہ یہ تو مسلمان نہیں ہیں' یہ تو منافق ہیں۔ اے میرے دوست اگر تو کچھ تصور نہیں رکھتا تو اس مثال سے اپنے ذہن کو جانچ لے کہ صحابہ کرام کی کیا کیفیت تھی وہ بظاہر کچھ نظر آتے تھے۔ بظاہر فقیر نظر آتے تھے' بظاہر مسکین نظر آتے تھے' بظاہر ناتواں نظر آتے تھے' بظاہر غریب نظر آتے تھے لیکن ان کے دل میں وہ خزانہ موجود تھا کہ جس کی

مثال بڑے بڑے بادشاہوں کے بڑے بڑے خزانوں میں نہیں ملتی۔ جس طرح مرشد فرماتے تھے

مدینے کے گدادیکھے

ہم دنیاداروں کے گدا بن گئے' امیروں کے گدا بن گئے ہیں' شہنشاہوں کے گدا بن گئے ہیں' سیاست دانوں کے گدا بن گئے ہیں لیکن جو میرے محبوب کے غلام تھے وہ بھی گدا تھے لیکن وہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی جھولی دراز کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے دست سوال کو دراز کیا کرتے تھے اور کسی پر ان کی نظر نہیں ہوتی تھی وہ شاعر فرماتا ہے

مدینے کے گدادیکھے جہاں بھر کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

یہ میرے محبوب آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام کا کام تھا۔ وہ کیا کام کرتے تھے؟ جو گنہگار ہوتا اور ان کی خدمت میں آتا نیکوکار بن جاتا۔ جو ظالم تھا ان کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی محبت پا لیتا تھا۔ اس کو علم ہو جاتا تھا کہ زندگی کس طرح گذارنی ہے۔ یہ ان کی نظر کرم تھی' یہ ان کی صحبت کا اثر تھا۔

اے میرے دوستو عزیزو میں عرض کر رہا تھا کہ ان کی مثالیں' ان کی زندگی کیا تھی؟ ایک مشہور معروف واقعہ ہے کہ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو کسی علاقے میں گورنر بنا کر بھیجا۔ چند دنوں کے بعد وہاں کے لوگ شکایتیں لے کر آ گئے۔ یا حضرت کیسا گورنر بھیجا ہے آپ نے۔ کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں چند اعتراض ہیں۔ ایک اعتراض تو یہ ہے کہ یہ آپ کا بھیجا ہوا گورنر صبح کو بہت دیر سے اپنے گھر سے باہر آتا ہے اور ہم اپنی شکایت لے

کر دروازے پہ کھڑے رہتے ہیں، دوسری شکایت یہ ہے کہ یہ آپ کا بھیجا ہوا گورنر رات کو بالکل گھر سے باہر نہیں نکلتا اور تیسری شکایت یہ ہے کہ جمعہ کے روز یہ بڑی دیر کے بعد مسجد پہنچتا ہے۔ یہ ہماری شکایتیں حل کیجیے۔ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کا عدل وانصاف بڑا مشہور ہے۔ اس کی طرف پیغام بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کیا ہم نے تجھ کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا تھا کہ لوگ تیری شکایت لے کر آئیں؟ تجھے خادم اور ان کا نگہبان بنا کر بھیجا تھا یہ لوگ آج تیری شکایتیں کر رہے ہیں اور جو شکایتیں تھیں بیان کی گئیں۔ تو وہ صحابی رسول جو حمص کا گورنر بنایا گیا تھا زار وقطار رونے لگا اور عرض کرنے لگا "امیر المؤمنین یہ میرے راز ہیں انکو ظاہر نہ فرمایئے"۔ آپ نے فرمایا نہیں جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو تجھے سب حقیقتیں بیان کرنی ہونگی اس طرح نہیں چھوڑا جائیگا۔ اس نے کہا یا امیر المؤمنین بات کو رہنے دیجیے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں۔ جب آپ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے میں عرض کر دیتا ہوں۔ چونکہ آپ کا حکم ہو گیا ورنہ یہ باتیں ظاہر کرنے کی نہیں تھیں۔ یا امیر المؤمنین حقیقت یہ ہے کہ میں اور میری بیوی گھر میں تنہا رہتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی غلام نوکر نہیں ہے۔ اے دوست ذرا تصور کر، وقت کا گورنر ہو اور اسکے پاس کوئی نوکر نہ ہو۔ بھائی آج تو ایک معمولی سا آدمی بھی دس دس نوکر اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن یہ کون تھے؟ یہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے صحبت یافتہ صحابی تھے، ان سے تعلق ومحبت رکھنے والے لوگ تھے، ان سے وابستگی رکھنے والے لوگ تھے ان کی زندگی کو دیکھ لے۔ تو بھی محبت کی دعویٰ کرتا ہے، تو بھی عشق کی دعویٰ کرتا ہے، اب تو اپنے حال کو بھی دیکھ، ان کے حال کو بھی دیکھ۔ اب تو بھی اپنی محبت کو دیکھ، ان کی محبت کو بھی دیکھ۔ ان کو اس محبت نے کیا سکھایا، تجھے اس محبت نے کیا سکھایا۔ ہم کہتے تو ہیں اللہ کے عاشق ہیں لیکن اللہ کے عاشق نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں اللہ کے بندے ہیں لیکن اللہ کے بندے نہیں ہیں۔ کہتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتے کیونکہ ہمارے پاس ایسی مثالیں موجود ہیں جو اللہ سے محبت کرنے والے اللہ کے عاشق صادق ان کی کیفیات اور حالات کیا تھے۔ وہ کہنے لگے یا حضرتا میری بیوی اور میں تنہا رہتے ہیں، ہمارے پاس کوئی نوکر نہیں، کوئی لونڈی نہیں، کوئی غلام نہیں ہے اور اتفاق سے میری بیوی مریض ہے۔ اس قدر مریض ہے کہ چارپائی سے اٹھ نہیں سکتی۔ یا امیر المومنین میں صبح کو سویرے گھر واپس آتا ہوں۔ خود آٹا گوندھتا ہوں، خود آگ جلاتا ہوں، خود توا رکھتا ہوں، خود روٹیاں پکاتا ہوں، روٹیاں پکا کر اپنی بیوی کو بھی کھلاتا ہوں اور خود بھی کھاتا ہوں تا آنکہ مجھے دیر ہو جاتی ہے۔ اے مسلمان ذرا تصور کر لے۔ صحابی رسول ﷺ ہے اور وقت کا گورنر ہے، اپنے ہاتھ سے روٹیاں پکا رہا ہے، خود آگ جلا رہا ہے، خود بھی اپنی خدمت کرتا ہے اور اپنے اہل وعیال کی بھی خدمت کرتا ہے۔ حضرت آپ نوکر کیوں نہیں رکھتے؟ غلام کیوں نہیں رکھتے؟ تو فرماتے ہیں کہ میں خود وہاں لوگوں کی خدمت کے لیے گیا ہوں کیا میں خود اپنی خدمت لینا شروع کر دوں۔ یہ صحابی رسول تھے۔ پھر ان سے پوچھا گیا ذرا یہ تو بتا کہ رات کو تو باہر کیوں نہیں آتا؟ تو انہوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین بات یہ ہے کہ میں گورنر بنائے جانے سے پہلے دن کو بھی عبادت کرتا تھا، دن کو بھی ذکر کرتا تھا، دن کو بھی دعائیں کرتا تھا اسی طرح رات کو بھی کیا کرتا تھا لیکن اب میرے اوپر دوگنی ذمہ داری آ گئی۔ مخلوق کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہے، ان کے حقوق میرے اوپر فرض ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی مجھ پر فرض ہیں، اب میں نے اپنے دن اور رات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ دن تو مخلوق کے حوالے اور رات خالق کے حوالے ہے۔ دن کو خدمت کرتا ہوں اور رات کو عبادت کرتا ہوں۔ اب جو دونوں باتوں کو تقسیم کر دیا ہے اس میں کوئی نقص یا زیادتی کرنا مناسب نہیں چاہتا۔ پھر ان سے پوچھا کہ جمع کے دن تم دیر سے باہر کیوں آتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین بات

یہ ہے کہ میرے پاس پہننے کے لیے صرف کپڑے کا ایک جوڑا ہے۔اب جب جمع کا دن آتا ہے تو آٹھ دن پہنتے پہنتے میرے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں۔اب جب میں ان کپڑوں کو اتارتا ہوں تو ایک تہہ بند کے بغیر میرے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ان کپڑوں کو خود میں دھوتا ہوں' دھو کر میں ان کو سکھانے کے لیے رکھتا ہوں' اپنی گھر والی کے کپڑوں کو دھوتا ہوں' انکو سکھانے کے لیے رکھتا ہوں۔ سوکھتے سوکھتے دیر ہو جاتی ہے اس لیے مجھے یہ تاخیر ہوتی ہے ورنہ تو کوئی اور وجہ نہیں ہے۔یہ میرے آقا و مولیٰ کے صحابہ تھے' یہ انکے عمل تھے' ان کا خلاص تھا' یہ انکی تقویٰ تھی آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق نہ صرف اپنی بلکہ اپنے اہل وعیال کی بھی خدمت کیا کرتے تھے۔جیسے کہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جس کا خلق اپنے اہل وعیال سے بہتر ہے اور ہمارا معاملہ برعکس ہوتا ہے۔دوستوں کے ساتھ شفیق و مہربان' گھر میں سخت دل اور سخت جان ہوتے ہیں۔دوستوں کے ساتھ مسکرا کر بات کرتے ہیں اور گھر والوں کے ساتھ ڈانٹ کی بات کرتے ہیں۔یہ میرے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی زندگی اس طرح نہیں تھی۔تو میرے عزیز و دوستو! یہ صحابہ تھے' یہ میرے محبوب کے عاشق تھے' یہ ان کے خادم تھے' یہ ان کے پاس بیٹھنے والے تھے' یہ ان سے محبت کرنے والے تھے۔اب اپنی محبت کو بھی دیکھ لے ان کی محبت کو بھی دیکھ لے۔اگر تو بھی کچھ بننا چاہتا ہے تو ان واقعات کو اپنے لیے مشعل راہ بنالے۔

اے میرے دوستو عزیزو ہم بھی اپنے عمل کو' اخلاص کو ان کی زندگی کی روشنی میں بنائیں تا کہ ہماری نجات ہو سکے۔ہم یہاں پر اسی مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔جب یہاں سے واپس جائیں تو ہماری زندگی میں ایک انقلاب رونما ہو جائے' ایک تبدیلی رونما ہو جائے۔جو پہلے بے نمازی تھا وہ نمازی بن جائے' جو پہلے ظالم تھا وہ ظلم کو ترک کر دے' خدا کے

خوف سے جس کا دل خالی تھا اس کے دل میں خوف خدا آ جائے' جو پہلے جھوٹ بولتا تھا وہ جھوٹ سے باز آ جائے' زنا کرتا تھا زنا سے باز آ جائے' برائی اور بے حیائی کو ترک کر دے' اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے دل میں پیدا کر دے۔ یہی مقصد ہے جس کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں ۔اے میرے مرشد مربی کے خلفاء کرام! اے میرے دوستو! آج وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ کے آزمائش اور امتحان کا وقت ہے۔ آپ کی محنت اور جدوجہد کا زمانہ ہے۔ آج کے بعد وہ کونسا وقت آئے گا جب ہم نکل کھڑے ہونگے اور اپنے محبوب کے پیغام کو عام کریں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ

اللہ کی طرف سے ہمیں یہ خطاب ہوتا ہے' خبردار کیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو۔ کتنا محبت بھرا خطاب ہے' کتنی محبت ہے اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ۔ سبحان اللہ یہ ناچیز گنہگار کیا بیان کرے۔ اے میرے دوستو کبھی خدا کی محبت کو اپنی دل میں جگہ تو دے۔ تجھے معلوم ہو کہ وہ عظیم' وہ بے پرواہ ذات تجھے کتنا چاہتی ہے۔ تجھ سے کتنی محبت فرماتی ہے۔ تیرے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے لیکن تو نے اس در کو چھوڑ دیا ہے' اوروں کی دروں پر چلا جاتا ہے' اوروں سے مانگتا ہے' اللہ سے نہیں مانگتا۔ اگر کبھی جاتا ہے تو خلوص دل سے نہیں جاتا' محبت سے نہیں جاتا' بس ایک رسم سی پوری کرنے جاتا ہے جیسے آج ہم نے اسلام کو ایک روایت سمجھ لیا ہے کہ نماز مسجد تک تو اسلام ہے مگر جب گھر میں چلے جائیں تو اسلام ہم سے بھول گیا۔ بازار میں چلے گئے تو اسلام کو ہم نے چھوڑ دیا۔ کہیں کاروبار کی جانب گئے تو اسلام کو ہم نے چھوڑ دیا۔ بھئی اس طرح نہیں ہوتا اسلام وہ مذہب ہے کہ جو ہماری جمیع زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہماری صبح سے بھی تعلق رکھتا ہے' شام سے بھی تعلق رکھتا ہے' ہمارے ظاہر سے بھی تعلق رکھتا ہے' ہمارے باطن سے بھی تعلق

رکھتا ہے، ہر چیز سکھاتا ہے۔ ہر چیز اسلام میں موجود ہے لیکن ہم نے اس طرف توجہ نہیں دی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ وہ عظیم ذات کس طرح محبت کرتی ہے اپنے بندوں کے ساتھ، وہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ وہ عظیم ذات ایسی ہے کہ ایک بار تو گناہ کر دے پھر بھی تجھے معاف فرما دے، دوبارہ گناہ کر لے اور سچی دل سے توبہ کر لے تو پھر تجھے معاف فرما دے۔ بھئی ایسی شفقت اور مہربانی دنیا میں نہیں دیکھی جاتی۔ باپ اور ماں کی بھی اس طرح محبت نہیں ہوتی۔ دو تین بار تو وہ معاف کر سکتے ہیں پھر اس سے زیادہ وہ معاف نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس محبت کی ترجمانی حضرت ابوالخیر سعید رحمۃ اللہ علیہ جو غالباً برصغیر کے بزرگ ہیں وہ اپنے الفاظ میں اس محبت کی ترجمانی فرماتے ہیں کہ

باز آباز آ ۔ ہر آنچہ ہستی باز آ

اے میرے بندے تو کہاں جا رہا ہے؟ تو جیسا ہے، جیسی تمہاری صورت ہے، جیسا تیرا عمل ہے، جیسی تیری یہ اوقات ہے ان باتوں کو تو چھوڑ دے تو میری طرف آ جا۔ دنیا داروں نے تجھے چھوڑ دیا ہے، گھر والوں نے تجھے چھوڑ دیا ہے، کوئی تجھ سے محبت نہیں کرتا، کوئی تیرے ساتھ شفقت نہیں کرتا تو میری طرف آ جا۔ جیسا بھی تو ہے تو میرا ہے، تو میری طرف آ جا۔ یہ اللہ کی طرف سے صبح و شام اعلان ہوتا ہے تو جیسا بھی ہے، تیرا عمل کیسا بھی ہے تو میری طرف آ جا

باز آباز آ۔ ہر آنچہ ہستی باز آ

گر کفر و بت پرستی باز آ

اگر تو بت کا پوجا کرنے والا ہے، مشرک و کافر ہے پھر بھی تو میرے پاس ایمانی دولت لے کر چلا آ۔

اگر ہزار بار توبہ شکستی باز آ

اے میرے رب العالمین میرے تو گناہ بہت زیادہ ہیں۔ میں کیسے تیرے دربار میں آ جاؤں؟ میں تو کئی بار توبہ کر کے توڑ چکا ہوں میں کیسے آؤں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کتنی بار تو نے توبہ کر کے توڑی ہے؟ دس، بیس، چالیس بار اگر ہزار بار توبہ کر کے تو نے توڑی ہے پھر بھی میرے دربار میں آ جا۔ تو نے کتنے گناہ کیے ہیں؟ تیرے گناہ کتنے ہیں؟ کیا تیرے گناہ میری رحمت سے بڑھ گئے ہیں؟ اللہ کی رحمت تو زمین و آسمان کی وسعتوں کو گھیرے میں لیے ہوئی ہے۔ اے میرے بندے تو نے کتنے گناہ کر لیے کہ زمین کے کناروں کو تو نے گھیر لیا ہے اور یہ گناہ زمین کو گھیر کر آسمانوں تک جا پہنچے ہیں۔ سمندر کی جھاگ سے بھی تیرے گناہ بڑھ گئے ہیں۔ اتنے گناہ ہیں کہ تیرے جسم پر اتنے بال بھی نہیں۔ اس سے بھی زیادہ تیرے گناہ ہو گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے باز آ۔ میری طرف تو آ جا۔ اتنی مہربان ذات ہے۔ یہ کیا اسکی محبت ہے۔ کیا اسکی شفقت ہے۔ اے میرے دوستو اہل دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔ ہم جیسے گنہگار اور بدکار اس کو نہیں محسوس کر سکتے۔ اس عظیم ذات کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اس کے در پر چلے آؤ، اس کے جواب میں کہو کہ لبیک اللّٰھم لبیک۔ اے میرے مولا میں حاضر ہوں، میں دوڑا چلا آتا ہوں تیری دربار پر میں اپنے گناہوں کو اپنے سر پر لے کر، اپنے گناہ اور داغ دار قلب کو تیری بارگاہ میں لے کر، اپنے اس مجسم خطا اور عیب سے پر جسم کو لے کر تیری دربار میں حاضر ہوتا ہوں۔ اپنی رحمت مجھے عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہاں ہاں، تجھے میں رحمت عطا فرماؤں گا یہ زمین جو تو نے گناہوں سے بھر دی ہے یہ سب گناہ میں ایک لمحے میں معاف کر دوں گا، اس سمندر کی جھاگ سے اگر زیادہ تیرے گناہ ہیں، سب میں معاف کر دوں گا

دربارگاہ مانا امیدی نیست

میری وہ بارگاہ ہے' میرا وہ دروازا ہے' جہاں ناامیدی کا نام ونشان بھی نہیں ہے لا تقنطو من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری رحمت سے ناامید مت ہو' میں تو وہ ذات ہوں کہ تیرے سب گناہوں کو معاف کردوں' چاہے کتنے بھی تیرے گناہ ہیں مگر جب تو سچی دل سے توبہ کرے اور پشیمان ہوجائے تو نہ صرف میں تیرے یہ گناہ معاف کردوں بلکہ یہ زمین تجھے نیکیوں' سے رحمتوں سے پر کرکے دوں۔ جتنے تیرے گناہ ہیں اس سے دس گنا زیادہ تجھے میں نیکیاں عطا فرمادوں۔ اتنی سخی دربار ہے میرے رب العالمین کی' وہ تو اتنی عظیم ذات ہے' وہ اتنی کریم ذات ہے' وہ اتنی سخی ذات ہے جس کے در کو ہم نے چھوڑ دیا ہے' جس کے ذکر کو ہم نے چھوڑ دیا ہے' غفلتوں میں گر گئے ہیں' اپنے آپ کو تباہ وبرباد کردیا' ہمیں اپنے اوپر رحم نہیں آتا لیکن میرے رب العالمین کو ہم پر بڑا رحم آتا ہے' بڑی محبت فرماتا ہے' بڑی شفقت فرماتا ہے۔ آج یہ عزم کرلو اے میرے رب العالمین تیرے در کی طرف ہم چلے آرہے ہیں اپنے اس داغ دار جسم کو لے کر۔ اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو لے کر۔ اپنے اس حزن وملال کو تیرے دربار میں لاتے ہیں۔ اپنے گناہوں کو تیرے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اے میرے رب العالمین تیرے دربار میں کوئی کمی نہیں اگر سمندر سے ایک معمولی سی چڑیا پانی پی لے کیا سمندر میں کمی آئے گی؟ اے میرے رب العالمین ہم تیرے آسرے پر حاضر ہیں اور تیری رحمت سمندر سے بھی وسیع ہے۔ اگر تو مغفرت فرمادے تیری رحمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ تو میرے دوستو رب العالمین کے در کو تھام لو اور اپنی گرفت میں لے لو۔ ایسا تھام لو کہ کبھی اس در کو مت چھوڑو۔ کبھی بھی تم گمراہ نہیں ہوگے' کبھی بھی تم برباد نہیں ہوگے۔ یہ وہی در ہے جہاں سے پیغمبر بھی آئے' جہاں سے صحابہ کرام آئے' جہاں سے اولیاء اللہ آئے' جہاں سے رحمتیں برستی ہیں' جہاں سے رزق ملتا ہے' جہاں سے صحت

ملتی ہے، جہاں سے دولت ملتی ہے، جہاں سے ہر مقصد پورا ہوتا ہے۔ یہ وہی در ہے۔ بھئی ہم اور آپ کی مثال وہ ہے جس طرح ایک چھوٹا سا بچہ ہو اور اسکے سامنے انگارے پڑے ہوئے ہوں۔ ان کی چمک ودمک کو دیکھ کر وہ ان کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔ کیا آپ اس کے ہاتھ میں دے دو گے؟ نہیں دو گے کیونکہ آپ کا علم اس بچے کے علم سے زیادہ ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ انگارے اس کے ہاتھ کو جلا دیں گے۔ اس بچے سے بھی ہمارا علم بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں وہ اس لیے عطا نہیں فرماتا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ شخص جو کچھ مانگ رہا ہے یہ اس کے لیے بہتر نہیں ہے اور پھر اس کے بدلے میں، اس کے عوض میں، اس دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور بہتر چیز ہمیں عطا فرما دیتا ہے۔ جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا اور ہم بے شکری کے کلمات کہتے ہیں کہ "دعا سے کچھ بھی نہیں ملا"۔ اے بے وقوف اگر دعا سے اور کچھ نہیں تو اظہار عبدیت کا ثواب تو مل جاتا ہے۔ نیکی تو مل جاتی ہے۔ حاضری تو ہو جاتی ہے۔ رب العالمین متوجہ تو ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور ہمیں کیا چیز چاہیے۔ بھائی وہ مجنوں تھا لیلیٰ کی ایک دید کو ترستا تھا۔ اگر لیلیٰ کی ایک نظر اس پر پڑ جائے تو وہ دونوں جہانوں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ جب تو ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ کی نظر تیرے طرف متوجہ ہوتی ہے، جب تو دعا مانگتا ہے اللہ کی رحمت تیری طرف متوجہ ہوتی ہے۔ تو تو خود انصاف کر اس سے زیادہ تجھے اور کیا چاہیے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ۔

قریب ہے کہ کسی چیز کو آپ پسند کریں اور وہ آپ کے لیے خراب چیز ہو، نقصان دہ چیز ہو اور قریب ہے کہ کسی چیز کو آپ ناپسند کریں اور وہ آپ کے لیے بہتر ہو، اچھی ہو۔ تو میرے دوستو عزیزو اس لیے ناشکری زبان پر مت لاؤ۔ غلط بات زبان سے مت نکالو۔ جو کچھ

اللہ کرتا ہے اس پر صبر اور شکر کرو۔ اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اپنے اعمال کو بہتر بناؤ' اپنے اخلاص کو کامل بناؤ' ایثار پیدا کرو' حسن اخلاق پیدا کرو' نیک انسان بن جاؤ' کامل انسان بن جاؤ۔ عاشق خدا بن جاؤ۔ میرے محبوب آقا و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع بن جاؤ اور یہ ہی ہمارا کام ہے اور مغفرۃ دینا' رحمت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اسکی بارگاہ میں کوئی کمی نہیں ہے۔

میرے عزیز و دوستو تو میں عرض کر رہا تھا کہ آج یہ بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ آج وہ وقت آچکا ہے کہ لوگوں کی عزتیں محفوظ نہیں' لوگ گھروں میں محفوظ نہیں' لوگوں کی دولت محفوظ نہیں' ہر طرح کے مصائب اور پریشانیاں ہمارے اوپر ٹوٹ رہی ہیں۔ ہم کس وقت کے انتظار میں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی وہ مہربان ذات ہمیں ارشاد فرماتی ہے اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔

کیا وہ وقت قریب نہیں آیا' اے ایمان والو کیا وہ وقت نہیں آیا۔ جسطرح چھوٹا بچہ ہوتا ہے وہ اسکول جانے میں دیر کرتا ہے تو شفقت سے' پیار سے کہتے ہیں کہ اے بچے کیا اسکول کا ٹائم نہیں ہو۔ اسے ڈانٹتے تو ہیں لیکن اس کے پیچھے' اس کے پس منظر میں ہماری محبت اس بچے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے ہزار گنا زیادہ محبت کا' کرم کا اظہار ہوتا ہے۔ اے ایمان والو کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل میرے ذکر کی طرف مائل ہو جائے۔ دل سے آیت کریمہ کا جواب دو۔ اے میرے رب العالمین وہ وقت آچکا ہے۔ ہم تیری رحمت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں' ہم تیرے ذکر کی طرف مائل ہو رہے ہیں' ہم تیری شفقت اور محبت کے قابل بن رہے ہیں۔ ہمیں سب کچھ یہ عطا فرمادے کیونکہ جو خدا کے ذکر کی طرف مائل ہوتا ہے' جو ذکر کمائے' ذکر کرے' اس کا تو مقام بلندی ہے لیکن جس کے دل میں صرف یہ طلب اور تمنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں تو اس کا مقام بھی تو ذرا سن لیں۔ بزرگ فرماتا ہے

ہر کسے کہ او مائلِ یادِ خدا است

خاکِ پایش توتیائے چشمِ ما است

جس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی ہے کہ میں اللہ کا ذکر کروں، میں اللہ تعالیٰ کو یاد کروں تو اس نے ذکر شروع نہیں کیا، صرف اس کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی تو وہ اللہ کا بندہ فرماتا ہے اس کا مقام یہ ہے کہ اس کے پاؤں کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ اگر وہ ذکر کرنا شروع کر دے، خدا کے ذکر میں مشغول ہو جائے پھر اس کا کیا مقام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔

اے میرے بندے تو میرا ذکر تو کر، تو مجھے یاد کر تو میں تجھ کو یاد کرنا شروع کر دوں۔ کتنی بڑی محبت ہے۔ اس عظیم ذات کو کیا ضرورت ہے ہم گنہگار، بیکار، عیب دار سیاہ کار لوگوں کو یاد کرنے کی؟ لیکن اس کی محبت ہے اپنے ذاکرین کے ساتھ۔ اسکی شفقت ہے اپنے ذاکرین کے ساتھ۔ اسکا تعلق ہے اپنے ذاکرین کے ساتھ۔ جب تو خدا کے ذکر میں مشغول ہوا، اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یاد فرمانا شروع کر دیا وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔

اور ہر حال میں میری نعمتوں کا شکر ادائی کرتا رہ۔ ناشکری مت کر۔ تو میرے دوستو یاد رکھو ذکر سے بڑھ کر کوئی اور عبادت نہیں ہے۔ ذکر سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں ہے۔ کوئی افضل چیز نہیں ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ خدا کا ذکر کریں اور اس کی نعمتوں کی شکر ادائی کرتے رہیں۔

اللہ ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔

بہترین امت

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

صدق اللہ العظیم

معزز سامعین! آپ نے ہمارے احباب کے زبانی تبلیغی احوال سماعت فرمائے، ان احباب کی محنت اور کاوشوں سے ہمیں بھی تحرک کا جذبہ ملے گا کہ ہم جو معطل ہیں، کاہل ہیں، منجمد ہیں، ان باتوں کو سن کر کہ نوشہرہ والوں کے دوستوں کی رپورٹ کیا تھی۔ حیدر آباد کے دوستوں کی کیا رپورٹ تھی۔ ہمارے دوست سلطان صاحب انہوں کیا کچھ بتایا۔ یہ سننے کے

بعد جو معطل اور منجمد اور کام سے کاہل لوگ تھے وہ اس سے جذبہ پائیں گے۔ ان میں شوق پیدا ہوگا۔ ان کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی صلاحیتوں کو اپنی قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دوستوں سے رابطہ کریں۔ ان سے ملیں۔ ان سے تعلق قائم کریں۔ اور یہ فکر اور جذبہ ہو اور یہ شوق ہو کہ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے۔ اس لیے ہم ان سے ملیں کہ ان کے دلوں میں آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے' اس لیے ہم ان سے ملیں کہ صوفیاء کرام کا طریقہ ہمیں ان کو بتانا ہے۔ دوستو! یہ بات مسلمہ ہے۔ تاریخ کو پڑھ کر دیکھیں کہ اس علاقہ میں' برصغیر کی بات میں کرتا ہوں۔ پاکستان' ہندستان' بنگلا دیش یا جو دیگر چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں جو اس ساؤتھ ایشیا میں واقع ہیں۔ ان ممالک میں اسلام کا پہنچنا' لوگوں کا راغب ہونا' لوگوں کا متوجہ ہونا اسلام کی طرف' ان کے دلوں میں محبت الٰہی کا پیدا ہونا' ان کے دلوں میں عشق رسول کا پیدا ہونا' ان کے دلوں میں نور توحید کی شمع کا روشن ہونا۔ اس کی وجہ صرف صوفیاء کرام تھے۔ اولیاء اللہ تھے۔ اس پوری بات میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں ہے۔ علماء کی خدمتیں اپنی جگہ پر' اس سے ہم کو انکار نہیں لیکن لوگوں کے دلوں کو فتح کرنے والے' لوگوں کی دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے والے اگر تھے تو یہ صوفیاء کرام تھے۔ آپ سب کو تاکید کیا جاتا ہے آپ اسلام کی تاریخ کو ضرور پڑھیں لیکن بالخصوص اپنے برصغیر کی تاریخ کو' ساؤتھ ایشیا' ہندو پاک کی تاریخ کو پڑھیں کہ آپ کو پتا چلے کہ کس طرح سے وہ داعی' وہ عاشق' وہ عارف' وہ صالح' مخلص بندے ان علاقوں میں آئے۔ کس طرح انہوں نے تبلیغ کی۔ اور پھر اس فکر' اس جذبے' اس طریقے کو بھی ہم اپنائیں۔ کیونکہ کسی بھی آدمی کو تشدد اور سختی سے کچھ بھی ہم سمجھا نہیں سکتے۔ آپ کو پتا ہوگا اس دور میں یہ بات کہی جائے گی کہ آپ کے جو چھوٹے بچے ہیں یا شاگرد ہیں۔ ان کو پیار اور محبت سے پڑھائیں۔ ان کی بھی عزت اور وقار کا خیال رکھیں۔ ان کی صلاحیتیں اسی طرح بڑھیں گی۔ ان

کے علم کا ذوق ایسے بڑھے گا۔ لیکن اگر تشدد، مار اور سختی اختیار کی جائے گی تو ہم نے بھی شاگردی والا دور گذارا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ذہنی طور پر جو کمزور شاگرد ہیں، ممکن ہے کہ وہ کسی قدر علم کی طرف، پڑھنے کی طرف زور لگائیں۔ پر جو ذہین ہیں۔ جن کے ذہن اچھے ہیں، جن کے ذہن متحرک ہیں، جو کچھ سوچ رکھتے ہیں اس طریقے کو وہ استاد کی طرف سے پسند نہیں کرتے۔ لاکھ مرتبہ اس کو کہو کہ جدھر ڈنڈا لگے گا وہاں جہنم کی آگ حرام ہے لیکن شاگرد کبھی بھی دل سے اس ڈنڈے کو نہیں قبول کرے گا۔ میں نے بھی دو تین دن مدرسے میں پڑھایا ہے۔ اگر کسی کو پڑھایا جاسکتا ہے تو پیار والا طریقہ ہے۔ میں اپنا ایک چھوٹا سا مثال دوں۔ جب میں بالکل چھوٹا تھا چار پانچ سال عمر ہوگی والد محترم حضرت صاحب کو بہت شوق تھا کہ یہ جلدی پڑھے۔ انہوں نے مجھے استاد کے حوالے کیا۔ میں ڈرتا تھا کیونکہ قاری صاحب کا جو تعلق اپنے شاگردوں کے ساتھ تھا وہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ تو میں ڈرتا تھا اور میں بہت کتراتا تھا۔ مجھے حوالے کیا گیا جناب استاد محترم مولانا کریم بخش صاحب مرحوم کے۔ اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھانے والے وہ تھے۔ سو استاد صاحب نے مجھے بٹھایا اور دیکھا کہ یہ ڈرتا ہے۔ انہوں نے کیا کیا کہ مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کی کچھ بھی نہیں پڑھایا جب میں اٹھنے والا تھا۔ میرے خیال میں مجھے ایک آنہ دیا کہ بھائی تم نے بہت اچھا پڑھا۔ تمہارے لیے ایک آنہ انعام ہے۔ میں بہت خوش ہوا اس بات پر کہ پڑھنا تو بہت اچھا ہے کہ پڑھنے کے بعد ایک آنہ ملتا ہے۔ دوستو! یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اس سے میں کیا بتانا چاہتا ہوں؟ ایک صوفیاء کرام کا طریقہ ہے۔ ایک دیگر لوگوں کا طریقہ ہے جو اسلام کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کو علی الاعلان بتاتے ہیں کہ ہم خادم ہیں، ہم صوفیاء کرام کی نمائندگی کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ اسی لیے صوفیاء کرام کے طریقے کو سیکھو۔ ان کے ڈھنگ کو سیکھو۔ صرف باتیں نہ کرو۔ آپ کے اپنے عمل میں، آپ کے

اپنی رفتار میں، آپ کے اپنی گفتار میں، آپ کے اپنے کردار میں ان کی جھلک ہونی چاہیے۔ اگر میں بڑی بڑی باتیں بیان کروں، بڑے بڑے مسائل بیان کروں جیسے کہتے ہیں کہ بال کی کھال اتاروں، بڑے بڑے لمبے دلیل پیش کروں لیکن میرا عمل، میرا کردار اس کا آئینہ نہیں ہے۔ اس کا عکس پیش نہیں کرتا۔ تو دوستو اس بات پہ کبھی بھی سمجھدار لوگ راغب نہیں ہونگے۔ ہوسکتا ہے کہ جاہل باتیں سن کر پیچھے لگ جائیں۔ اسی لیے دوستو دولت کا نہ ہونا یہ محرومی ہے، ایک لحاظ سے دنیا میں ایک محرومی ہے لیکن علم کا نہ ہونا یہ ایک بڑی محرومی ہے علم ہی ہے جو انسان کو ممتاز بناتا ہے۔ وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے، جو ذہن اور عقل سے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دیا ہے، اس کو استعمال نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں سے متاثر ہو جائیں جو باتوں کے غازی ہوں۔ جو تقریر کے ماہر ہوں۔ جو گفتار میں جادو بیانی کرتے ہیں۔ ایک سماع طاری کر سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے لیکن جو سمجھدار ہونگے۔ جن کو علم ہے۔ جو سوچ رکھتے ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم دیا ہے وہ ان کی باتوں کو سننے کے بعد وہ اس کے عمل و کردار پر ضرور غور کریں گے۔ سو دوستو جو بھی عہد یدار ہیں، جو بھی ممبر ہیں، جو بھی خلفاء ہیں، جو بھی فقراء ہیں ہم صبح و شام کوشش کریں کہ وہ صوفیاء کرام، مشائخ عظام جو کہ عین نبوی کے طریقے پر تھے کہ ان کے کردار کی جھلکیاں ہمارے اندر پیدا ہوں۔ سب سے بڑی بات ہے صبر۔ صبر ہونا چاہیے۔ میں اپنی بات کروں کہ اس بات کی میں اپنے اندر بہت کمی محسوس کرتا ہوں۔ آپ ماشاء اللہ صبر کرتے ہونگے۔ تو صبر اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے کیونکہ تبلیغ کے لیے جو نکلتا ہے اس میں صبر ہو، اس میں حوصلہ ہو، جو اونچ نیچ برداشت کر سکے، گرمی سردی برداشت کر سکے کیونکہ مختلف قسم کے لوگ اس سے ملیں گے۔ کچھ اس کو عزت دیں گے۔ کچھ اس کو دھکے دیں گے لیکن اس کو اس بات پر فکر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ قائے نامدار آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں، مدینے میں اس صبر کا بار بار مظاہرہ کیا۔ جب

آپ نے تعلیم، تبلیغ ودعوت کا سلسلہ شروع کیا تو کفار نے پتھر برسانے شروع کیے۔ کفار نے نماز پڑھنے کے دوران آپ کی وجود اطہر کے اوپر اوجھڑی پھینکی۔ آپ ﷺ گردن مبارک میں جو کپڑا تھا اس کپڑے کو کھینچا۔ آپ کو تکلیفیں دی گئیں ہر طرح کی لیکن کبھی بھی زبان سے کسی کے متعلق بددعا نہیں نکلی بلکہ ایسے فرماتے تھے کہ اے میرے مولا میری قوم کو ہدایت دے جو مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ آج جو ہم اور آپ دین کے داعی بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے ہیں علماء۔ سب کے واسطے ماشاء اللہ وہ گہری نظر رکھتے ہیں، ہر کسی کا تنقیدی جائزہ رکھتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے کردار کو دیکھنا چاہیے کہ جو یہ حضور کا عملی نمونہ تھا کتنا ہمارے اندر ہے؟۔

آقائے نامدار آنحضرت ﷺ کا جو مشہور واقعہ ہے آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک پیرسن عورت کو، جو نکلی جارہی ہے مکے سے۔ پوچھا اس سے اماں کہاں جارہی ہو؟ کہا کہ میں مکہ چھوڑ کر جارہی ہوں کہ ادھر ایک جادوگر پیدا ہوا ہے جو ہمارے آباؤ اجداد کے دین سے، بتوں سے منع کرتا ہے اور جو اس سے ملتا ہے وہ اس کے مذہب پر چلا جاتا ہے سو میں ادھر نہیں رہوں گی۔ میں یہاں سے جارہی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بہت پیرسن عورت ہو تم سے سامان نہیں اٹھایا جائے گا۔ میں تمہاری مدد کروں؟ کہا کہ بالکل مدد کرو۔ جو اس کا سامان تھا وہ آپ نے سر مبارک پر رکھا۔ میں اپنے اندر دیکھتا ہوں کہ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے میرا خیال ہوگا کہ میرے ساتھ جو دوست ہے سامان وہ اٹھائے۔ کیوں کہ اگر سامان کی گٹھڑی میں نے اٹھائی تو میں سائیں کس بات کا؟ لیکن ہمارے آقا کا مثال ہمارے سامنے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کافر، مشرک، بوڑھی عورت کا سامان اپنے سر پر اٹھایا۔ ہے کوئی عالم؟ ہے کوئی پیر فقیر؟ جو اپنے مخالف کا، جو اپنے دشمن کے سامنے ایسے کردار کا مظاہرہ کرے۔ اولیاء اللہ کرسکتے ہیں۔ جو کامل ہیں، جن کے دل میں اخلاص ہے وہ کرسکتے ہیں۔ کوئی ہمارے جیسا مولوی نہیں کرسکتا۔ اس

میں اتنے دانے نہیں ہو سکتے تو پھر باقی عشق کس چیز کا؟ محبت کس چیز کی؟۔ تو آپ ﷺ اس کا سامان اٹھا کے چلے۔ اس نے پورا راستہ حضور کو برا بھلا کہا کہ وہ ایسا ہے، وہ ویسا ہے، وہ ایسا ہے، وہ ویسا ہے۔ آپ ﷺ سنتے رہے یہاں تک کہ جتنا اس کو سفر کرنا تھا آپ ﷺ خاموش ہو کر کے اس کے پیچھے چلتے رہے۔ گھر پہنچے جہاں اس کے رشتید ارر ہتے تھے۔ دروازے پر آپ نے اس کا سامان اس کے حوالے کیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں تمہیں دعا کرتی ہوں کہ تم اس نبی کے منہ نہیں لگو جو ہمارے آباؤاجداد کے دین سے روکتا ہے، جو بتوں کے پوجا سے روکتا ہے۔ آخر میں وہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیر کر پوچھتی ہے کہ بتا تو سہی کہ تم کون ہو؟ ایسی تمہاری طبعیت، ایسی تمہاری تربیت، ایسا تمہارا پیار کہ میرے اپنے بچوں نے اس طرح مجھ سے وفا نہیں کی جس طرح تو نے مجھ سے وفا کی ہے۔ آپ ﷺ نے برملا کہا کہ اے اماں اگر تو پوچھنا چاہتی ہے تو میں وہی شخص ہوں جس کی وجہ سے تو مکہ چھوڑ کر یہاں پہنچی ہو۔ کسی قسم کا رعب نہیں ہے۔ کسی قسم کا دبدبہ نہیں۔ کسی قسم کی بناوٹ نہیں۔ آسان بات ہے میں وہ ہوں جس سے تم بھاگ کر یہاں پہنچی ہو۔ وہ بالکل ایک جگہ پر ساکت ہوگئی، منہ اس کا کھلا رہ گیا، آنکھیں اس کی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور حیرت سے وہ دیکھتی رہی۔ کہا کہ کیا تم وہی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں وہی ہوں۔ کہا کہ اگر تم وہی ہو تو پھر تم سچے ہو۔ اس نے برملا حضور کے اس کردار کو دیکھ کر ایمان کو قبول کیا۔

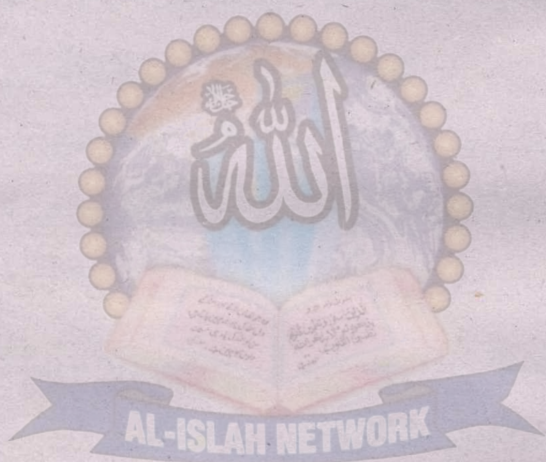
تو دوستو صرف خالی تقریر سے اور لاؤڈ اسپیکر سے تبلیغ نہیں کرو بلکہ آپ اپنے کردار میں، اپنے عمل میں، اپنے گفتار میں، رفتار میں وہ جھلکیاں پیدا کرو۔ جدھر بھی جاؤ یہ رنگ لے کر جاؤ۔ بس پھر بات بن جائے گی۔ اور یہی ہمارا مقصد حیات ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کریمہ میں فرمایا ہے کہ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ

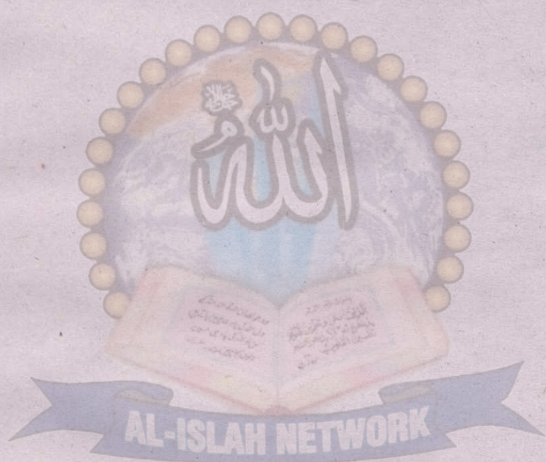
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

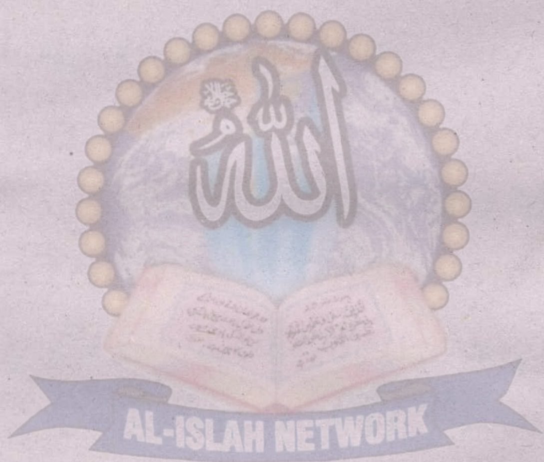
کہ تم سب سے بہتر امت ہو کیونکہ تم انسانوں کو ہدایت پہنچانے کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔تو تبلیغی کام کو سرانجام دینے کے لیے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو رسول اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا تھا۔

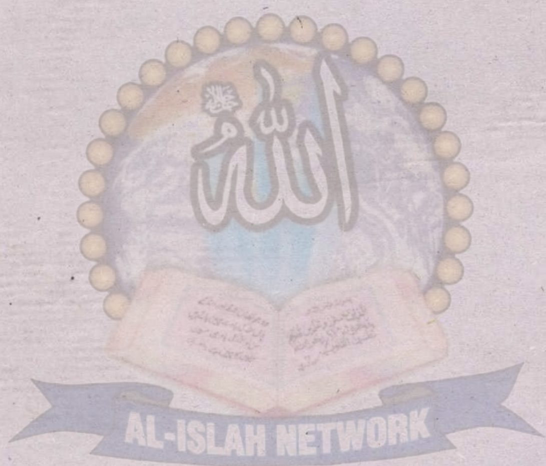
اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔




AL-ISLAH NETWORK


AL-ISLAH NETWORK


AL-ISLAH NETWORK


AL-ISLAH NETWORK

تعارف

حضرت خواجہ محمد طاہر عباسی بخشی نقشبندی المعروف سجن سائیں مدظلہ سندھ کے ایک صاحب طریقت، صاحب معرفت، صاحب اوصاف اور تصوف سے تعلق رکھنے والے، اسلام کی حقیقی تعلیمات کا درس دینے والے وقت کے عظیم مصلح وروحانی شخصیت ہیں۔ آپ کی ولادت 21 مارچ 1963ء کو لاڑکانہ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی پرائمری تعلیم درگاہ فقیر پور شریف رادھن ضلع لاڑکانہ اور درس نظامی وعصری تعلیم اللہ آباد شریف کنڈیارو میں حاصل کی۔ ایم۔اے اسلامک اسٹڈیز میں آپ نے سندھ یونیورسٹی سے فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ درس نظامی کی بالائی درجہ کی کتب کی تعلیم کے لیے المرکز القادریہ کراچی میں زیر تعلیم رہے۔ اس دوران آپ نے شیخ الحدیث حضرت علامہ سید منتخب الحق القادری، تاریخ کے مشہور استاد علامہ یحییٰ صدیقی، شیخ الادب مولانا سعید الرحمٰن اور دیگر اساتذہ کے پاس تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، فلسفہ، منطق، علم الکلام، ادب عربی، تاریخ اور صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں آپ نے بین الاقوامی شہرت یافتہ مشہور محقق اور نقاد محترم عبدالقدوس ہاشمی کے پاس تاریخ مذاہب عالم اور تقابل ادیان پر مکمل عبور حاصل کیا۔ آپ نے باطنی وروحانی علوم کی منازل اپنے والد گرامی اصلاح امت کا درد رکھنے والے مشہور ومعروف روحانی پیشوا حضرت اللہ بخش المعروف سوہنا سائیں نور اللہ مرقدہٗ کے پاس طے کیں۔ حضرت خواجہ سجن سائیں کا پیغام بہت سادہ اور تبلیغ وتعلیم بہت مسحور کن ہے کہ ہم سب اپنے اعمال کا اعادہ کرکے اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر نظر رکھیں۔ کسی دوسرے فرقے یا مذہب کو برا نہ کہیں۔ صرف اپنے کردار، ایمان اور دیگر انسانوں کی فلاح کو مدنظر رکھیں۔ اپنی ذات، اپنی طاقت اور اپنی حیثیت سے خلق خدا کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خاموشی سے اپنی صلاحیتوں کے ذریعے زیر زمین بہنے والے چشمے کی طرح دوسروں کو سیراب کرتے رہیں۔ دین ودنیا کی بہتری کے لیے ہر وقت قلبی ذکر کرتے ہوئے اللہ سے اپنا رابط قائم رکھیں اور نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے رب اور نبی کی رضا حاصل کریں۔ قابل عز وشرف سجن سائیں کی تعلیمات محبت، اخوت، ہمدردی اور مساوات پر مشتمل اور منافقت ومنافرت سے مبرا اور ان کی اپنی حلیمیت، متانت اور جاذب نظر شخصیت کی طرح پرسکون اور مسحور کن ہیں۔ جن سے انسان کے اندر تسلی وتشفی پیدا ہوتی ہے جو اسے پاک وشفاف بنانے میں معاونت کرتی ہے۔